اسلام کا معاشی نظام

پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کا معاشی نظام

(عدل اجتماعی)

اسلام کا معاشی نظام

(عدل اجتماعی)

پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ

ایم۔ اے۔ ایل ایل بی

علم و عرفان پبلشرز

34- اُردو بازار، لاہور

جملہ حقوق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	....	اسلام کا معاشی نظام (عدل اجتماعی)
مصنف	....	پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ ایم۔اے۔ایل ایل بی
ناشر	....	گل فراز احمد، علم وعرفان پبلشرز، لاہور
کمپوزنگ	....	رفاقت علی
مطبع	....	جوہر رحمانیہ پرنٹرز، لاہور
سن اشاعت	....	2007ء
قیمت	....	-/250 رُوپے

استدعا

پروردگارِ عالم کے فضل، کرم اور مہربانی سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہِ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔ (ناشر)

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز
الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
40- اُردو بازار، لاہور

علم وعرفان پبلشرز
34- اُردو بازار، لاہور

انتساب!

مولوی سردار محمد صاحب مرحوم
پروپرائیٹر علمی کتاب خانہ، اُردو لازار لاہور

اور

چودھری غلام رسول صاحب مرحوم
پروپرائیٹر چودھری غلام رسول اینڈ سنز، اُردو بازار لاہور

کے نام
جنھوں نے میرے ہاتھ میں قلم دیا
اور میری حوصلہ افزائی کی۔

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	تقدیم	۱۱۔۱۲
باب ۱:	معاشیات	
	نفس مضمون۔ معنی تعریفات۔ اقسام۔ اہمیت و ضرورت۔ علم معاشیات کا ارتقاء	۱۳۔۳۴
باب ۲:	معاشی نظام و تحریکات	
	نظریہ اجتماعیت کیمونزم۔ فاشزم۔ سرمایہ داری۔ قرآن اور سرمایہ داری	۳۵۔۹۱
باب ۳:	اسلامی معاشیات	
	اسلامی معاشیات کے ماخذ و اخلاقی اقدار	
	۱۔ قرآن۔ سنت و حدیث۔ اجماع قیاس۔ اجتہاد۔ عرف (رسم و رواج) مصلحت	
	۲۔ اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشی نظام	۹۲۔۱۱۱
باب ۴:	اسلام کا معاشی تصور (انفرادی ملکیت)	
	انفرادی جائیداد۔ ذاتی ملکیت کے شرعی ذرائع (تجارت صنعت و حرفت، زراعت، احیائے موات، اقطاع۔ شکار۔ ورثہ۔ ہبہ۔ وصیت۔ رکاز۔ انفرادی حقوق ملکیت کے شرعی حدود و قیود۔ حصول دولت کے ناجائز ذرائع۔ سود۔ شرعاً ناجائز بیوع	۱۱۲۔۱۵۲
باب ۵:	انفرادی ملکیت کی حد بندی	
	جاگیرداری۔ مزارعت۔ مساقات۔ بڑی بڑی صنعتیں۔ رکاز اور تسغیر	۱۵۳۔۱۷۲
باب ۶:	ریاست کی اجتماعی ملکیت	
	ذرائع آمدنی۔ زکوۃ۔ خمس۔ رکاز۔ فئی۔ خراج۔ جزیہ۔ عشور۔ کراء الارض۔	

وقف۔ ضرائب۔ لقطہ۔ لاوارث ترکے۔ کاروبار کے منافع۔ نشوونما ملکیت۔
النوائب۔ ارض موات۔ ۱۷۳۔۱۸۴

باب ۷: تقسیم دولت

زکوٰۃ۔ رکاز (دفینہ) طوعی انفاق (صدقات و خیرات) عشر وراثت۔ وصیت۔
وقف۔ ہبہ۔ کفارات۔ صدقۃ الفطر۔ اوقاف۔ عفو۔ ۱۸۵۔۲۱۹

باب ۸: اسلام اور تقسیم دولت (۲)

منافع۔ لگان۔ اجارہ۔ محنت ۲۲۰۔۲۳۷

باب ۹: صرف دولت

صرف دولت کے اصول۔ صرف دولت کی ناجائز صورتیں۔ اسراف تبذیر۔ مال کے ضائع کرنے کی ممانعت۔ عیش وعشرت کی ممانعت۔ مضرت رساں استعمال کی ملکیت کی ممانعت۔ اپنے متعلقین کے گزارہ کے لیے کافی نہ ہونے کی صورت میں خیرات کرنے کی ممانعت۔ فاتر العقل اور نابالغ کو انتظام مال سپرد کرنے کی ممانعت۔ ۲۳۸۔۲۴۷

باب ۱۰: اسلام میں مالیات کی فراہمی کے طریقے

شراکت۔ مضاربت ۲۴۸۔۲۶۴

باب ۱۱: اسلامی معیشت میں مالیات کی فراہمی کے مزید طریقے

بیع سلم۔ بیع مرابحۂ موجل۔ کرایہ داری ۲۶۵۔۲۸۰

باب ۱۲: بنک و بیمہ

بنک کی تعریف۔ بنک کا ارتقاء۔ اقسام۔ بنکوں کے فرائض۔ اہمیت۔ بنکوں کے قومیانے کا مسئلہ۔ خاکہ بلا سودی بنکاری

بیمہ۔ بیمہ کی تاریخ۔ اقسام۔ بیمہ زندگی کا عمرانی تجزیہ۔ بیمہ کمپنی بحیثیت ایک اقتصادی ادارے کے۔ اسلام اور بیمہ۔ علمائے کرام کے فتوے۔ اصلاحی تدابیر ۲۸۱۔۳۱۱

باب ۱۳: بین الاقوامی تجارت اور مالیات کی بلاسود فراہمی

تجارت کے دو پہلو۔ درآمد۔ برآمد۔ درآمدات کے شعبے۔ برآمدات کے شعبے۔
مال کی ترسیل سے قبل۔ مال کی ترسیل کے بعد۔ عالم اسلام کے اقتصادی مسائل ۳۱۲۔۳۱۸

Marfat.com

باب ۱۴: اسلام اور نیا عالمی اقتصادی نظام ۳۱۸_۳۲۱

باب ۱۵: اسلامی ریاست کا معاشی کردار

قارونی (سرمایہ دارانہ) معاشی نظام کا خاتمہ۔ کفالت عامہ۔ بیروزگاری کا خاتمہ۔ اکتناز کی روک تھام۔ معاشی ترقی۔ معاشی ترقی کے ذرائع۔ احتساب۔ معاشی منصوبہ بندی ۳۲۲_۳۳۸

باب ۱۶: اقتصادی ترقی

اقتصادی ترقی کا مفہوم۔ ضرورت۔ عوامل اور اہمیت ۳۳۹_۳۴۲

باب ۱۷: منصوبہ بندی

تعریف۔ اسلام اور منصوبہ بندی۔ اقسام۔ اہمیت و مقاصد ۳۴۳_۳۵۳

باب ۱۸: پاکستان کے معاشی مسائل اور ان کا حل

پاکستان کے زرعی مسائل اور ان کا حل۔ صنعتی مسائل اور ان کا حل۔ تقسیم دولت کا ناقص انتظام سرمایہ داری کی گرفت۔ بیرونی قرضوں کا بوجھ۔ پاکستانی معیشت اور افراط زر۔ قرضوں کی عدم وصولی ۳۵۴_۳۶۹

باب ۱۹: اسلامی معیشت اور افراط زر

اقسام۔ افراط زر کے اسباب۔ اسلامی معیشت اور افراط زر۔ روک تھام کے تین طریقے۔ مزید اقدامات۔ (زری اقدامات) ۳۷۰_۳۷۷

باب ۲۰: اسلامی نظریہ معیشت کے خصائص ۳۷۸_۳۸۵

باب ۲۱: مسلمان ماہرین معاشیات اور ان کی کتب

امام ابویوسف۔ ابوعبیدہ القاسم بن سلام۔ ابن حزم۔ ابن خلدون۔ ناصر الدین طوسی۔ ابن تیمیہ۔ شاہ ولی اللہ صاحب۔ اقصادیات کی چند اہم کتب ۳۸۶_۴۰۴

کتابیات ۴۰۵_۴۰۸

تقدیم

اسلام کے سیاسی نظام کے بعد اسلام کے معاشی نظام (اسلام کا عدل اجتماعی) سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کتاب کی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ سیاسی اور معاشی نظام لازم و ملزوم ہیں۔ سیاسی نظام مضبوط بنیادوں پر کھڑا نہیں ہو سکتا ہے جب تک کسی ریاست کا معاشی نظام بہتر خطوط پر قائم نہ کیا جائے اسی طرح نہ معاشی نظام نشوونما پا سکتا ہے جب تک سیاسی نظام اس کی حفاظت نہ کر رہا ہو۔ اس لیے معاشی نظام اپنی افادیت کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ دنیا میں مختلف سیاسی تحریکات نے جنم لیا ہے۔ ان تحریکات کے ساتھ معاشی نظام ضرور نظر آتا ہے کہ وہ کن خطوط پر معاشی نظام کو قائم کریں گے۔ عوام کی نظر معاشی نظام پر ہوتی ہے کیونکہ معاشی نظام نے ہی عوام کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ خاکسار نے اپنے محدود اور ناقص علم سے اس کتاب میں یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تمام انسانوں کے بنائے ہوئے معاشی نظاموں سے اسلام کا ہی بتایا ہوا عدل اجتماعی بہتر ہے۔ یہی وہ نظام ہے جو افراط اور تفریط سے پاک ہے اسی نظام کے نفوذ میں ہی انسانوں کی فلاح مضمر ہے۔

باوجود اس کے اسلام کا ہی عدل اجتماعی بہتر ہے۔ تو پھر مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر کیوں نہیں۔ اس کا سادہ جواب یہی ہے کہ کسی بھی اسلامی ملک میں اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر معاشی نظام کی بنیاد ہے ہی نہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ تقریباً تمام مسلم ممالک میں معاشی نظام کی بنیاد سرمایہ داری نظام پر اٹھائی گئی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی مغربی ممالک نے غور و فکر کے ساتھ سرمایہ داری نظام کے بداثرات سے اپنے عوام کو کسی حد تک بچا لیا ہوا ہے جبکہ مسلم ممالک میں سرمایہ داری کے بداثرات عوام پر پڑ رہے ہیں اور وہ خستہ حالی میں زندگی گزار رہے ہیں۔ مسلمانوں کی پستی کی ایک بڑی وجہ یہی ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے یہ عرض کیا ہے کہ سیاسی نظام اور معاشی نظام لازم و ملزوم ہیں جب کسی ملک کا سیاسی نظام غلط بنیادوں پر قائم ہوگا۔ خاص طور پر جس ملک میں آمرانہ نظام ہوگا۔ تو وہاں معاشی نظام بھی اپنی بدصورت میں موجود ہوگا۔ وہاں لازمی طور پر معاشرہ دو طبقوں میں بٹا ہوا ہوگا۔ ایک طبقہ مراعات یافتہ ہوگا جو ایک آمر کے سائے میں دولت کا بہاؤ اپنی طرف کرے گا۔ دوسرا محروم طبقہ جو نان جویں کا محتاج

Marfat.com

ہوگا۔ جب کوئی ملک طبقاتی تقسیم میں بٹ جاتا ہے۔ تو اس کی تباہی دروازے پر دستک دے رہی ہوتی ہے۔ امریکہ کے تھنک ٹینک ایک تو اس بات پر غور وفکر کرتے ہیں کہ مسلم ممالک کو کس طرح طبقاتی تقسیم میں منقسم کرنا ہے اور دوم کس طرح اسلامی ممالک کی دولت پر قبضہ کرنا ہے۔ غور کر کے دیکھ لیجئے کہ مسلمانوں کے مخالف مغربی ممالک کس طرح اپنی منصوبہ بندی میں کامیاب ہیں۔ اکثر مسلم ممالک کے سربراہ امریکہ کے مقرر کردہ ہیں۔ وہ امریکہ کے مفادات کے ہی محافظ ہیں وہ آمر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں (ایک مخصوص اشرافیہ) کے تعاون کے ساتھ عوام کا خون چوس رہے ہیں اور ان کو تاریک وادی میں دھکیل رہے ہیں تاکہ یاس کے اس نقطہ پر پہنچ جائیں جہاں قومی موت وارد ہو جاتی ہے۔ دوم نہایت ہی عمدہ منصوبہ بندی سے مسلم ممالک کی دولت (تیل) پر قابض ہو چکے ہیں۔ یہی دولت جو مسلمانوں کی خوش حالی کے لیے تھی۔ وہی دولت مغربی ممالک کی خوش حالی کا سبب بنی ہوئی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کی خوش حالی کے لیے پہلی بات جو ضروری ہے کہ وہ اپنے ممالک میں جمہوریت (شورائیت) قائم کریں سربراہ مملکت عوام کا نمائندہ ہو۔ کسی باہر کی طاقت کا متعین کردہ فوجی آمر نہ ہو۔ دوم جاگیردارانہ نظام کو ختم کیا جائے۔ سوم قرآن مجید کی تعلیم کی روشنی میں ''العفو'' پر عمل ہو۔ تاکہ سرمایہ داری کے بداثرات سے عوام محفوظ ہو جائیں، چہارم نظام زکوٰۃ کو اصلی روح کے ساتھ معاشرہ میں نافذ کیا جائے۔ یہی تقسیم دولت کا بہترین ذریعہ ہے۔ جب تک کوئی ملک معاشی لحاظ سے مضبوط نہیں وہ دفاعی لحاظ سے مضبوط نہیں ہوگا اور اپنی سرحدوں کی حفاظت نہیں کرے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کی ترقی کے لیے یہ لازم ہو گیا ہے کہ دور حاضر کے مسائل اور تقاضوں کو سامنے رکھ کر اسلامی اصولوں پر اپنے معاشی نظام کی عمارت استوار کریں۔

غلام رسول

باب ۱

معاشیات

(نفس مضمون۔ معنی۔ تعریفات۔ علم معاشیات کی وسعت
موضوع۔ اقسام۔ معاشیات کی اہمیّت وضرورت۔ قدیم تاریخ)

Marfat.com

نفس مضمون

ہر علم کا ایک مرکزی محور ہوتا ہے جس کے اردگرد اس علم کا تانا بانا بُنا جاتا ہے اور وہی محور اس علم کا نفس مضمون ہوتا ہے۔ معاشیات کا نفس مضمون جیسا کہ لفظ معاشیات سے ظاہر ہے انسانی زندگی کے مالی مسائل سے تعلق رکھتا ہے یہ علم اس امر سے بحث کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ وسائل سے اپنی مادی خواہشات کو کس طرح پورا کرنا ہے۔ گویا علم معاشیات انسانی فلاح کا ضامن ہے۔

کسی علم کے نفس مضمون کو جاننا اس وجہ سے ضروری ہے تاکہ قاری کے لیے اس علم کے مباحث کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

معاشیات کے معنی

معاشیات کے معنی ہیں روٹی سے متعلق مسائل۔ عیش روٹی (گندم) کو کہتے ہیں۔

اقتصاد کے معنی

عربی لغت میں قصد اور اقتصاد میانہ روی اور اچھے چلن کا نام ہے لیکن اصطلاحی لحاظ سے انسان کی ضروریات و احتیاجات کو پورا کرنے کے لیے محنت و سعی اور تعاون اور اشتراک سے ذرائع پیداوار تلاش کرنے اور مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کا نام ہے۔

چونکہ معاشیات کا تعلق انسانی زندگی کی احتیاجات سے ہے۔ اس لیے علم معاشیات اس وقت سے کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے جب سے انسان پیدا ہوا ہے۔ انسان کو طبعی طور پر بھوک مٹانے اور زندگی برقرار رکھنے کے لیے روٹی کی ضرورت تھی۔ تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے زمین سے روزی تلاش کی۔ بارش، آندھی، گرمی، سردی اور دیگر سماوی آفات سے بچنے کے لیے کوئی پناہ درکار تھی۔ اس کے لیے غاریں تلاش کیں۔ پھر مکان تعمیر کیے۔ اس طرح اپنے ننگ کو ڈھانپنے کے لیے ستر کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے، آبادی بڑھتی چلی گئی۔ ذرائع پیداوار انسانوں کی زیر ملکیت آتے چلے گئے اور تقسیم در تقسیم ہو کر کئی ہاتھوں میں بٹ گئے۔ اس طرح ذرائع پیداوار محدود ہوتے چلے گئے۔ انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے پیداوار کے بڑھانے کے لیے مختلف طریقے تلاش

Marfat.com

کیے جانے لگے۔ اس طرح معیشت ایک علم کا رنگ اختیار کرتی چلی گئی۔ ماہرین معاشیات پیدا ہونے لگے۔ ان ماہرین نے اپنے اپنے دور کے حالات کے مطابق علم معاشیات کی مختلف تعریفیں کیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اتنی مختلف الفاظ میں تعریفیں اختراع ہوئیں کہ علم معاشیات ان تعریفوں کے بوجھ تلے ہی دب گیا۔ بہرحال علم معاشیات میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی پہلے ماہرین نے معاشیات کو صرف مالی امور تک محدود رکھا۔ بعد کے ماہرین نے معاشیات کو انسان کی فلاح کا ذریعہ قرار دیا۔ چونکہ تعریف کے بغیر ہم علم معاشیات کی کہنہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا مختلف ادوار میں مختلف ماہرین نے مسئلہ معیشت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے صرف چند ایک ماہرین کی تعریفات درج کی جاتی ہیں کیونکہ کسی علم کی کہنہ تک پہنچنے کے لیے تعریف کا جاننا ضروری ہے۔

علم معاشیات کی تعریفات

علامہ ابن خلدون اپنی مشہور کتاب مقدمہ میں معاشیات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"معاش رزق ڈھونڈنے اور اسے حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کا نام ہے۔"[1]

الحریری نے "المعاش" کی تعریف یوں کی ہے۔

"معاش سے مراد یہ ہے کہ انسان تجارت، زراعت اور صنعت کے ذریعے اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرے۔"[2]

آدم سمتھ جس کو معاشیات کا بانی اور باپ کہا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں "معاشیات دولت کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کے اصول کا علم ہے۔"

والرس (Walrus) چیپ مین (Chapman) فاسٹ (Fawcet) ایلے (Elley) این ڈبلیو سینئر (N.W.Senior) جان ایس مل (J.S.Mill) مالتھس (Malthus) ڈیوڈ ریکارڈو (Ricardo) نے بھی معاشیات کو دولت کا علم قرار دیا ہے۔

الفرڈ مارشل (۱۸۴۲ء تا ۱۸۲۴ء) کی بیان کردہ تعریف

انیسویں صدی کے آخر میں کیمبرج یونیورسٹی (انگلستان) کے ایک ممتاز معاشیات پروفیسر الفرڈ مارشل نے اپنی کتاب اصول معاشیات (Principles of Economics) میں معاشیات کی تعریف بیان کی ہے۔

---

[1] ابن خلدون مقدمہ (ترجمہ) جلد دوم ص ۲۵۷۔

[2] Rafique Ahmad "The origin of Economics and the muslims. A prelimanrary study P 40.

جو معاشرہ میں عام زندگی بسر کرتا ہے جو سادھو اور تارک الدنیا جنگلوں میں رہتا ہے اس کا معاشیات سے کوئی تعلق نہیں رابنز اس نظریہ سے اتفاق نہیں کرتا اس کے نزدیک سادھو کو بھی اپنی طبعی خواہشات کی تکمیل کے لیے معاشی مسئلہ درپیش ہے۔

پروفیسر رابنز کی تعریف

"Economics is the Science that studies human behaviour as a relationship between ends and scarce means with alternative uses." [1]

معاشیات انسان کے اس طرز عمل کا مطالعہ کرتا ہے جسے وہ خواہشات کے لامحدود ہونے مگر ان کو پورا کرنے کے لیے محدود ذرائع کی موجودگی میں اختیار کرتا ہے جبکہ یہ ذرائع مختلف طور پر استعمال میں لائے جاسکتے ہوں۔

رابنز نے اپنی اس تعریف کی بنیاد انسانی زندگی کی مختلف حقیقتوں پر رکھی ہے۔

۱۔ انسانی خواہشات واحتیاجات لامحدود ہیں۔

۲۔ ان خواہشات میں سے بعض اہم ہوتی ہیں اور بعض کم اہم۔

۳۔ انسانی خواہشات اور احتیاجات کو پورا کرنے کے ذرائع ووسائل محدود ہیں۔

۴۔ ہرایک ذریعہ مختلف خواہشات پوری کرنے کے لیے استعمال ہوسکتا ہے۔

جدید ماہرین معاشیات کی تعریفیں

پروفیسر ڈیوڈ بیگ (David Begg) کی تعریف

''معاشیات اس چیز کا مطالعہ ہے کہ ایک معاشرہ یہ فیصلہ کیوں کرتا ہے کہ کیا، کیسے اور کن کے لیے پیدا کیا جائے۔''

امریکی ماہر معاشیات پروفیسر پال اے سموئل سن (P.A.S) جنہیں ۱۹۷۰ء میں نوبل انعام دیا گیا ہے۔ معاشیات کی تعریف یوں کی ہے۔

Economices is the study of how societies use scarce resources to produce valuable commodities and distribute them among different people.

معاشیات اس چیز کا مطالعہ ہے کہ مختلف معاشرے، قدر و مالیت والی اشیاء پیدا کرنے کے لیے کمیاب ذرائع کو کس طرح استعمال کرتے ہیں اور انھیں مختلف لوگوں کے مابین کس طرح تقسیم کرتے ہیں۔

---

[1] **"Nature and Significance of Economic Science."**

پروفیسر فرگوسن (Furguson) کی تعریف

فرگوسن (ٹیکساس یونیورسٹی میں معاشیات کے پروفیسر) نے اپنی کتاب "Micro Economics Theory" میں جو ۱۹۷۰ء میں طبع ہوئی۔ معاشیات کی تعریف ان الفاظ میں کی۔

"معاشیات کمیاب مادی اور انسانی ذرائع کے باہمی متقابل مقاصد (Competing Ends) کے درمیان باکفایت تخصیص (Economic allocation) کے مطالعہ کا نام ہے۔

پروفیسر نیون (Neuin) کی تعریف

معاشیات، مبادلہ (Exchange) کے ان پہلوؤں کا مطالعہ ہے جو ان کوششوں کے باعث سامنے آتے ہیں کہ مطلوبہ اشیاء وخدمات (Goods and Servicas) کی قلت پر قابو پایا جائے جو نوع انسانی اپنی طلب (Demand) کے مقابلہ میں ہمیشہ محسوس کرتی رہے گی۔

اسلام کی رو سے معاشیات کی تعریف

اسلام میں زندگی کے تمام شعبے خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات سے خواہ اخلاقیات سے ہو خواہ سیاسیات سے خواہ عمرانیات سے اور خواہ معاشیات سے، ان کا باہم گہرا ربط ہے۔ اس لیے جب اسلام کی رو سے علم معاشیات کی تعریف کی جائے گی تو تمام پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ میرے نزدیک اسلام کی رو سے معاشیات کی طرف یوں کی جاسکتی ہے۔

"علم معاشیات زندگی کا وہ مالی شعبہ ہے جو قرآن اور حدیث کی ہدایت کے مطابق فلاح و بہبود انسانی کے لیے منضبط ہوتا ہے۔"

اسی طرح حسن الزمان اسلامی معاشیات کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "اسلامی معاشیات وہ علم ہے جس میں شریعت کے اصولوں کا اطلاق ہوتا ہے جو بے انصافی کے ذریعہ مادی وسائل کے حصول کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور جو مادی وسائل کے تصرف کو اس طرح منضبط کرتے ہیں کہ وہ انسان کو تسکین بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس قابل بنائیں کہ وہ ان فرائض کی ادائیگی کریں جو اللہ تعالیٰ اور جماعت نے ان پر عائد کیے ہیں[1]

محمد اکرم خان کی تعریف

"معاشیات اسلام کا مقصد انسانی فلاح کا مطالعہ کرنا جو کہ زمینی وسائل کو منظم کرنے، حصہ لینے اور باہمی تعاون سے حاصل ہوتی ہے۔[2]

---

[1] Journal of research in Islamic Economics vol-1 , No-2 1984.

[2] Muhammad Akram Khan, Defination and Nature of Islamic Economics Journal of research in Islamic Economics vol-1, No-2 1984.

Marfat.com

مذکورہ تعریفات یہ بتاتی ہیں کہ اسلام نے کسب دولت کے اصول اور قوانین وضع کیے ہیں ان اصولوں کی روشنی میں ہی کسب دولت ہوگی۔ اسی طرح صرف دولت کا ایک ضابطہ دیا ہے اس کے مطابق ہی دولت خرچ کی جاتی ہے اور کسب اور صرف کے اسلامی اصول انسانی فلاح کا ذریعہ ہیں۔ ان اصولوں سے ہٹ کر جو بھی کسب اور صرف کرے گا۔ وہ ناجائز اور باطل کے ضمن میں آئے گا۔ وہ انسانی فلاح کے لیے سم قاتل ہوگا۔ یہی وجہ ہے قرآن مجید میں اس مال و دولت کے لیے "حسنہ" اور "فضل" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو جائز طریقہ سے کمایا ہے اور اس مال و دولت کے علاوہ جو اسلام کی تعلیم کے خلاف کمایا اور خرچ کیا جاتا ہے۔ وہ باعث ہلاکت قرار دیا ہے۔

علم معاشیات کی وسعت موضوع (Scope of Economics)

ہر علم آغاز میں اپنی اصطلاحات اور نفس مضمون کے لحاظ سے محدود ہوتا ہے جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے اگر وہ علم انسانی زندگی کے لیے اہم ہو وہ ترقی کرتا جاتا ہے جو انسانی زندگی کے لیے مفید نہیں ہوتا وہ اپنی کم عمری میں ہی مر جاتا ہے۔ یہی قرآن مجید کا اصول ہے کہ جو چیز انسانی کے لیے فائدہ مند ہے اس کو دوام اور ثبات حاصل ہوتا ہے جو بے فائدہ ہے وہ جاگ کی طرح خشک ہو جاتی ہے۔

معیشت (روٹی، کپڑا، مکان) ہی انسانی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ زندگی کی تمام رونق اور رعنائی اس جدوجہد میں ہے جو ایک انسان انفرادی اور اجتماعی ضروریات اور احتیاجات پوری کرنے کے لیے کرتا ہے) دور حاضر میں علم معاشیات اپنے نفس موضوع کے لحاظ سے بہت وسیع ہو چکا ہے اور کئی اقسام در اقسام میں بٹ گیا ہے۔ جس کا مختصر خاکہ حسب ذیل ہے۔

ا۔ علم معاشیات کی اقسام کے لحاظ سے وسعت

معاشیات کی اقسام (Classification of Economics)

ماہرین معاشیات نے علم معاشیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

نظریاتی معاشیات (Theoretical Economics) یعنی انسان کی حصول مال و دولت کے لیے سعی، جدوجہد اور طرز عمل کا مشاہدہ کر کے جو اصول اور قوانین وضع کیے جاتے ہیں وہ نظریاتی معاشیات کہلاتے ہیں۔ مثلاً قانون طلب، قانون رسد، نظریہ تقابلی مطالعہ مصارف وغیرہ۔

اطلاقی یا عملی معاشیات (Applied Economics) یعنی نظریاتی معاشیات کے قوانین کو جب عملی شکل دی جاتی ہے اور ان کی نوعیت اور اہمیت پر روشنی ڈالی جاتی ہے تو وہ اطلاقی یا عملی معاشیات کہلاتی ہے مثلاً کسی ملک میں اشیاء کی قیمتیں بڑھ رہی ہوں۔ تو نظریاتی معاشیات نے طلب اور رسد کے جو قوانین مقرر کیے ہیں ان کی روشنی میں وہ اسباب معلوم کریں گے۔ جن کی وجہ سے قیمتیں بڑھ رہی ہیں اور ان

Marfat.com

کی روک تھام کے لیے جو اصول اور قوانین وضع کیے جائیں گے وہ اطلاقی اور عملی معاشیات کہلائیں گے۔

نظریاتی معاشیات کی اقسام (Classification of theoretical Economics)

نظریاتی معاشیات کی دو بڑی اقسام ہیں۔

ا۔ ایجابی اور اثباتی معاشیات

۲۔ فلاحی معاشیات

ایجابی یا اثباتی معاشیات (Positive Economics)

ایجابی یا اثباتی معاشیات میں انسانی معاشی زندگی کے بنیادی حقائق کا غیر جانبدارانہ مطالعہ اور تجزیہ کیا جاتا ہے ان سے حاصل کردہ نتائج و مشاہدات کو اس طرح بیان کر دیا جاتا ہے اس میں ذاتی رائے نہیں دی جاتی۔

فلاحی معاشیات (Walfare Economics)

فلاحی معاشیات کا تصور سب سے پہلے اسلام نے پیش کیا۔ اس کے زیر اثر اس دور کے ایک ماہر معاشیات ڈاکٹر مارشل نے بھی اس تصور کو اپنایا ہے۔ اس قسم میں یہ وضاحت کی جاتی ہے۔ کن کن قوانین کو اپنایا جائے۔ جو انسانی فلاح و بہبود کا باعث بنتے ہیں اور کن اصولوں سے اجتناب کیا جائے جو فلاح انسانی کے روک ہیں۔ مثلاً فلاحی معاشیات میں اکتناز اور احتکار کا مسئلہ زیر بحث لایا جائے گا۔ تو یہ دیکھا جائے کہ معاشرے کے لیے مفید ہے یا مضر۔ جب نتائج کے لحاظ سے احتکار معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہے تو احتکار کو قانوناً ناجائز قرار دے دیا جائے گا۔ اس طرح کسی ملک میں جاگیرداری کی وجہ سے معاشرے پر بداثرات پڑ رہے ہوں۔ ان بداثرات کو دور کرنے کے لیے جاگیرداری کے متعلق کوئی قانون سازی کی جائے تو یہ عمل بھی عملی معاشیات کے ضمن میں آئے گا۔

ایجابی معاشیات کی اقسام (Classification of positive Economics)

جدید ماہرین نے ایجابی یا اثباتی معاشیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ جزوی معاشیات ۲۔ کلی معاشیات

جزوی معاشیات (Micro Economics)

پروفیسر سموئل سن جزوی معاشیات کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔ ''جزوی معاشیات میں کسی معیشت کے انفرادی اجزاء، عناصر کے رویے (Behaviour) کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی ایک شے

Marfat.com

کی قیمت کا تعین یا کسی ایک صارف یا ایک کاروباری ادارے کے رویہ کا مطالعہ و مشاہدہ۔

جزوی معاشیات میں معاشی نظام کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے اور پھر ہر اکائی کا انفرادی طور پر تجزیہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً اشیاء کی قیمتوں کا مطالعہ کرنا ہے۔ تو بجائے ملک کی اشیاء کی مجموعی قیمتوں کا مطالعہ کرنے کے مختلف اشیاء مثلاً چاول، روٹی، گھی، چینی، گندم وغیرہ کی قیمتوں کو علیحدہ زیر بحث لایا جائے گا۔ اسی طرح اشیاء کی طلب و رسد پر بحث کرتے وقت ملک کی مجموعی طلب و رسد پر بحث کرنے کی بجائے کسی ایک شے یا ایک فرد یا ایک خاندان کی طلب و رسد کو مدنظر رکھا جائے گا۔ آمدنی کو زیر بحث لاتے وقت ملکی یا قومی آمدنی پر بحث کرنے کی بجائے مختلف صنعتوں، اداروں اور افراد کی آمدنی کا انفرادی جائزہ لیا جائے گا۔

جزوی معاشیات کے بنیادی مباحث

ا۔ نظریہ قیمت (Theory of price)

اس شعبہ میں کسی شے کی طلب و رسد کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی قیمت کے تعین کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

۲۔ نظریہ پیدائش (Theory of production)

اس شعبہ میں اشیاء پیدا کرنے والے عاملین (زمین، مزدور اور سرمایہ) کو کس نسبت سے اکٹھا کیا جائے اور کس طرح کم از کم مصارف پر اشیاء خدمات پیدا کی جاسکتی ہیں۔

۳۔ نظریہ رویہ مصارف (Theory of Consumer's behaviour)

صارفین جب اپنی آمدن مختلف اشیاء پر خرچ کرتے ہیں۔ تو وہ اس وقت وہ ایک طرف شے کی قیمت اور دوسری طرف اس شے سے حاصل ہونے والے افادہ کا موازنہ کرتے ہیں اور ہر شے اتنی مقدار میں خریدتے ہیں کہ اس سے حاصل ہونے والا مختتم افادہ اس کی قیمت کے برابر ہو جائے۔ اسے صارف کا رویہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ نظریہ تقسیم دولت (Theory of wealth distribution)

انسانی ضرورت کی تمام اشیاء چار عاملین مل کر تیار کرتے ہیں یعنی زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم۔ چنانچہ جزوی معاشیات کے اس حصہ میں اس مسئلہ پر بحث کی جاتی ہے کہ عاملین پیدائش کے معاوضہ کی شرح کس طرح مقرر ہوتی ہے اسے نظریہ تقسیم دولت کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

۵۔ نظریہ توازن فرم (Theory of firm Equilibrium)

ہر فرم کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اتنی اشیاء پیدا کرے جن سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کیا جا سکے۔ چنانچہ جزوی معاشیات کے اس حصہ میں توازن کی مختلف صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔

کلی معاشیات (Macro Economics)

کلی معاشیات کا تصور سب سے پہلے پروفیسر کینز نے اپنی کتاب نظریہ روزگار، سود اور زر (General theory of Employment Interest and Money) میں ۱۹۳۵ء میں پیش کیا تھا۔ کلی معاشیات میں معیشت پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جاتی ہے مثلاً قومی آمدنی قومی بچت، قومی پیداوار، مجموعی صرف دولت، مجموعی سرمایہ کاری، مجموعی طلب، مجموعی رسد پر غور وفکر کیا جاتا ہے۔

پروفیسر سیموئل سن کلی معاشیات کی تعریف یوں کرتا ہے۔ "کلی معاشیات میں معاشی مجموعات کا مطالعہ کیا جاتا ہے مثلاً قومی پیداوار مجموعی روزگار وغیرہ۔

کلی معاشیات کے بنیادی مباحث حسب ذیل ہیں۔

نظریہ قومی آمدنی و روزگار (Theory of Income and Employment)

کلی معاشیات کو "معاشیات آمدنی و روزگار (Economics of Income and Employment) یا نظریہ روزگار (Employment theory) بھی کہا جاتا ہے۔ اس حصہ میں اس مسئلہ پر بحث کی جاتی ہے کہ کسی ملک کی مجموعی آمدنی کیا ہے؟ کون سے عوامل اسے متعین کرتے ہیں؟ کیا ملک میں مکمل روزگار (Full Employment) ہے۔ قومی آمدنی متوازن سطح سے نیچے ہے یا اوپر وغیرہ۔

قومی آمدنی میں مدوجزر کا نظریہ (Theory of Income Fluctuations)

اس حصہ میں اس مسئلہ پر بحث کی جاتی ہے کہ کسی وقت اشیاء کی پیداوار لوگوں کی قوت خرید سے زیادہ یا کم کیوں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ قومی آمدنی ایک سطح پر قائم نہیں رہتی بلکہ افراط زر، کساد بازاری اور تجارتی چکروں سے قومی آمدنی میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ جو قومی آمدنی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

معاشیات زر (Economics of Money)

اس حصہ میں زر کی قدر (Value) کے تعین اور زر کی قدر میں اتار چڑھاؤ کے مسائل زیر بحث آتے ہیں کیونکہ ملک کی اجتماعی معاشی زندگی میں افراط زر اور تفریط زر بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔ روزگار اور آمدنی کی سطحیں بھی اس سے متاثر ہوتی ہیں۔ اس لیے ملک کے مرکزی مالی اداروں (مرکزی اور تجارتی بنک) کی معرفت زر کی مقدار اور اس کی قدر منضبط (Control) کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

Marfat.com

نظریہ بین الاقوامی تجارت (Theory of International Trade)

چونکہ کسی ملک کی بین الاقوامی تجارت کا حجم اور غیر ملکی وصولیوں اور ادائیگیوں کے توازن کے مسائل قومی آمدنی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس شعبہ میں بین الاقوامی تجارت سے جنم لینے والے مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

نظریہ معاشی ترقی (Theory of Econoimics Development)

اس شعبہ میں ان معاشی سرگرمیوں پر بحث کی جاتی ہے جو معاشی ترقی میں معاون و مددگار ہوں۔

جزوی و کلی معاشیات کی اہمیت اور ضرورت

قومی معیشت کی بڑھوتی کے لیے جزوی اور کلی معاشیات دونوں کا مطالعہ ضروری ہے بلکہ دونوں زاویہ ہائے فکر کو ملا کر قومی معیشت کا جائزہ لیا جا سکتا ہے کیونکہ ایک کو نظر انداز کر کے دوسری پر توجہ کرنے سے مسائل کی وضاحت ناکافی ہو سکتی ہے اور بلکہ غلط بھی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ملک مجموعی طور پر ترقی کے راستہ پر گامزن ہوتا ہے لیکن بعض صنعتیں بحران کا شکار ہوتی ہیں اسی طرح ایسا بھی ہوتا ہے کہ معیشت جمود کا شکار ہوتی ہے لیکن بعض صنعتیں ترقی کر رہی ہوتی ہیں۔ اب اظہر ہے کہ ان صنعتوں کا جائزہ کلی معاشیات کے زاویہ سے نہیں لیا جا سکتا۔ اور نہ ہی جزوی معاشیات کے زاویہ نظر سے، چنانچہ ان صنعتوں کا مطالعہ دونوں زاویہ نظر کو باہم ملا کر اس طرح مطالعہ کیا جائے کہ معیشت کے دونوں پہلو واضح ہو جائیں چنانچہ پروفیسر ایکلے جزوی اور کلی معاشیات کی دونوں کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے رقمطراز ہے۔

"درحقیقت کلی معاشیات اور جزوی معاشیات۔ کے نظریے میں کوئی واضح خط امتیاز نہیں کھینچا جا سکتا۔ معیشت کا حقیقی نظریہ عمومی اوران دونوں پر حاوی ہوگا۔ یہ نظریہ انفرادی طرز عمل، انفرادی پیداواروں، آمدنیوں اور قیمتوں کی وضاحت کرے گا اور انفرادی نتائج کے مجموعے اور اوسطیں ہی ایسی مجموعات مہیا کریں گی۔ جن سے کلی معاشیات کا تعلق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جزوی اور کلی معاشیات دونوں کے مقاصد اور اغراض و غایت آبادی بحیثیت کل کی مادی فلاح و بہبود ہے یہ مقصد اسی صورت میں پورا کیا جا سکتا ہے جب تمام موجودہ مادی وسائل سے ایک طرف تو زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے (جو کہ کلی معاشیات کا موضوع ہے) اور دوسری طرف ان وسائل کی معیاری تخصیص ہو سکے (جو کہ جزوی معاشیات کا موضوع ہے)

معاشیات کی یہ دونوں شاخیں ہی جدید معاشیات کو جنم دے رہی ہیں اور ان دونوں کے مطالعہ سے ہی ملکی مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے بھی معاشیات کی دونوں شاخوں کی بنیاد آج سے چودہ سال قبل رکھ دی ہے۔ رسول کریم ﷺ کے عمل سے جزوی معاشیات کے مطالعہ کے لیے بھی مثالیں ملتی ہیں

اور کلی معاشیات کے مطالعہ کے لیے بھی۔

زرعی معاشیات

زرعی معاشیات، معاشیات کا ایسا شعبہ ہے جس سے زراعت اور اس کے متعلقہ امور سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

صنعتی معاشیات

جن میں صنعت اور اس کے متعلقہ امور کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

(ب) دیگر علوم سے تعلق کی وجہ سے وسعت

علم معاشیات اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ اس کی حدود دوسرے علوم سے جا ملتی ہیں یہ ایک معاشرتی علم بھی ہے جو معاشرہ میں رہنے والے افراد کے اجتماعی مالی مسائل کا مطالعہ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ محدود ذرائع سے لامحدود ضروریات، کیسے پوری کی جا سکتی ہیں۔ اور کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔

علم معاشیات کو ایک فن کی بھی حیثیت، حاصل ہے۔ فن سے مراد وہ جدوجہد ہے جو مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے عمل میں لائی جاتی ہے۔ جب، معاشیات کے اصولوں کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے تو علم معاشیات ایک فن کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔

اس طرح جب معاشیات کے اصولوں پر بحث کی جائے تو اس وقت وہ علم ہے مثلاً صرف دولت کے قوانین، پیدائش دولت کے قوانین، رسد وطلب کے قوانین۔ اسی طرح جب ملک میں مالی بحران پیدا ہو جائے جب اس بحران کی وجوہ علمی اور تحقیقی رنگ میں بیان کی جائیں۔ اس وقت معاشیات ایک علم کی شکل اختیار کرتا ہے۔ علم معاشیات، علم ہدایت بھی ہے کیونکہ ہدایتی معاشیات معیشت کے لیے ذاتی قدری فیصلوں (Value judgments) پر مبنی نسخہ جات تجویز کرتا ہے یعنی معاشی قوانین اور اصولوں کی روشنی میں منزل مقصود تک پہنچاتا ہے اور حقائق کی اچھائی یا برائی کے بارے میں راہنمائی کرتا ہے۔

علم معاشیات کا دیگر عمرانی علوم مثلاً اخلاقیات سیاسیات اور تاریخ اور نفسیات سے گہرا تعلق ہے۔

معاشیات ایک سائنس ہے۔ سائنس، علم کی ایک مرتب اور منظم شکل ہے سائنس میں اسباب اور نتائج کے باہمی رشتے کی وضاحت کی جاتی ہے۔ لہٰذا سائنس کی حسب ذیل خصوصیات ہیں۔

۱۔ سائنس میں مطالعے اور مشاہدے کے ذریعے تمام کلیات اخذ کیے جاتے ہیں۔

۲۔ سائنس میں تجربے کیے جاتے ہیں۔

۳۔ سائنس کے ذریعے مستقبل میں ہونے والی باتوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

یہ تمام خصوصیات علم معاشیات میں پائی جاتی ہیں اس لیے اسے سائنس بھی کہا جاتا ہے۔ یہی

Marfat.com

وجہ ہے دور حاضر میں علم معاشیات کو سائنس کے علوم میں شمار کیا جا رہا ہے۔

علم معاشیات کی اہمیت وضرورت

ہر دور میں انسان معاشی مسائل سے دوچار رہا ہے اور ان کے حل کے لیے علم معاشیات نے ہی انسان کی راہنمائی کی۔ دور حاضر میں جب تمام دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے اس وجہ سے علاقائی اور بین الاقوامی اقتصادی مسائل ابھر آئے ہیں۔ مثلاً افراط زر، مہنگائی، کساد بازاری، بیروزگاری، قلت پیداوار، زرعی اور صنعتی مسائل، زرمبادلہ کی قلت، بیرونی تجارت میں عدم توازن، بیرونی قرضہ جات، پست معیار زندگی وغیرہ۔ بلکہ یہ کہنا بھی بجا ہوگا کسی ملک کی ترقی کا دار و مدار ہی معیشت پر ہے۔ اگر ملک میں معیشت معاشی اصولوں کے مطابق مضبوط بنیاد پر ہے اور عوام خوش حال ہیں تو وہ ملک ترقی یافتہ کہلاتا ہے اگر کوئی ملک معیشت کے لحاظ سے پسماندہ ہے۔ تو وہ پسماندہ ملک کہلاتا ہے۔ گویا ملکوں کی ترقی اور سالمیت کا انحصار ہی معیشت پر ہے اگر ملک معاشی لحاظ سے پسماندہ ہے۔ غربت عام ہے تو وہ ملک بیرونی استعماری قوتوں کے استحصالی ہتھکنڈوں کا بہت جلد شکار ہو جاتا ہے۔ وہ ملک خودمختاری تک کھو بیٹھتا ہے۔ لوگ غربت اور افلاس کی وجہ سے عزت نفس سے عاری اور اپنے مذہب کو بھی ترک کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ جب سربراہ مملکت بنے تو سب سے پہلے مسلمانوں کی خوش حالی کی طرف توجہ کی۔ کاد الفقر ان یکون کفراً (فقر، کفر کا بھی باعث بن جاتا ہے) بیان فرما کر ریاست کی معاشی ذمہ داری کو اجاگر کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی مر گیا تو عمر جواب دہ ہوگا۔

علم معاشیات کا ارتقاء

جیسا کہ پہلے یہ ذکر کیا جا چکا ہے انسان کے سامنے روٹی کا مسئلہ آغاز سے ہی تھا مرور زمانہ سے یہ مسئلہ زیادہ سنگین ہوتا چلا گیا اور علم معاشیات نے ہی اس سنگینی کو دور کیا۔ اب یہ معاشی تاریخ مختلف ادوار سے گزر کر دور حاضر میں ایک سائنس کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ دور حاضر کے علم معاشیات پر بحث کرنے سے پہلے قدیم تاریخ پر مختصراً تبصرہ ضروری ہے۔

قدیم تاریخ

قدیم دور میں انسانوں کی آبادی وہاں بود و باش اختیار کرتی تھی۔ جہاں پانی بکثرت ہو۔ زمین ہموار ہو، آب و ہوا گرم ہو۔ اسی لیے عموماً قدیم آبادی کے مراکز دریاؤں کے ڈیلٹاؤں میں پائے جاتے ہیں۔ آغاز میں آبادی کم پیداوار زیادہ تھی۔ اس لیے روٹی کا مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ جب قوموں کی نقل مکانی سے لڑائی کا سلسلہ شروع کیا۔ طاقت ور قوم نے کمزور قوم کو غلام بنا لیا۔ وہ حاکم قوم کے مزدور بن

Marfat.com

گئے۔ اس طرح معاشرہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ آقا اور غلام۔ غلام اپنے آقاؤں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مختلف پیشے اختیار کرتے اس دور میں زراعت کا پیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا جبکہ ایک حرفہ حقارت کی نگاہ سے کیونکہ اہل حرفہ غلام ہوتے تھے۔ قدیم یونانیوں اور ہندوؤں میں طبقاتی تقسیم معاشی مسئلہ کی وجہ سے وجود میں آئی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ضروریات کی تکمیل کے لیے باہمی لین دین شروع ہوا تو سود کا رواج ہو گیا اسی طرح قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اقوام میں معاشی بے اعتدالیاں شروع ہو گئی تھیں مثلاً اکتناز، کم ناپ تول اور حصول دولت کے دیگر ناجائز ذرائع وغیرہ علم معاشیات کی قدیم تاریخ میں ان اشاروں کے علاوہ مزید تفصیلات نہیں ملتیں۔ البتہ یونان کی تاریخ میں افلاطون نے مسئلہ معاشیات پر بحث کی ہے اس لیے یونانی معاشرہ کے مسئلہ معاشیات پر بحث کی جاتی ہے کہ اس وقت معاشیات کے کیا خدوخال تھے۔

افلاطون کا معاشی نظریہ

سب سے پہلے افلاطون نے اپنی مشہور کتاب ری پبلک (Republic) میں معاشی نظریہ پیش کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں مملکت نوع انسان کی ضروریات کی وجہ سے وجود میں آتی ہے۔ دنیا میں کوئی فرد خود مکتفی نہیں ہم میں سے ہر ایک کی مختلف اور متعدد ضروریات ہیں۔ ضروریات کے اختلاف اور تنوع کے لیے ضروری ہے کہ ان کے بہم پہنچانے والے بھی متعدد اور متنوع ہوں۔ ایک شخص اپنی ایک ضرورت کے لیے دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اور دوسرا اپنی کسی ضرورت کے لیے تیسرے کا دست نگر جب اس قسم کے تمام افراد یک جا ہو جائیں تو اس کا نام مملکت ہو جاتا ہے یہ تمام افراد مملکت ایک دوسرے سے اپنی اپنی چیزوں کا تبادلہ کرتے ہیں اور ایسا کرنے میں ہر فرد یہ سمجھتا ہے کہ اس تبادلہ میں اس کا اپنا فائدہ ہے۔'' اس کے بعد افلاطون لکھتا ہے کہ ''ہمیں اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے کہ جب ایک شخص وہی کام کرے جس سے اسے فطرتاً مناسبت ہے اور اسے ٹھیک وقت پر کرے تو اس سے اس کی محنت نہایت عمدہ نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ لہٰذا تقسیم عمل کا اصول عین فطرت کے مطابق ہے۔''

اس اصول کے مطابق افلاطون ریاست میں معاشرہ کو مختلف طبقات میں تقسیم کرتا ہے۔ ان میں سے ایک طبقہ غلاموں کا بھی ہے جو مختلف حرفہ جات میں کام کر کے معاشرے کی ضروریات اور احتیاجات کو پورا کرتا ہے۔

ملکیت کا نظریہ بیان کرتے ہوئے افلاطون لکھتا ہے ''تم اپنے آپ کو اور اپنی املاک کو اپنی ذاتی ملکیت مت تصور کرو۔ سب کچھ تمہارے خاندان کی مشترکہ ملکیت ہے۔ تمہارے موجودہ خاندان ہی کی نہیں بلکہ ماضی میں گزرے ہوئے اور مستقبل میں آنے والے خاندان کی بھی۔''

Marfat.com

گویا خاندان اور اس کی املاک اس کی ذاتی ملکیت نہیں یہ سب ریاست کی ملکیت ہیں۔ مشترکہ ملکیت کا تصور سب سے پہلے افلاطون نے پیش کیا۔

ارسطو کا نظریہ

ارسطو بھی افلاطون کی طرح ریاست کو خاندان اور فرد دونوں پر فائق تصور کرتا ہے اور ریاست کا فرض قرار دیتا ہے کہ وہ افراد کو بنیادی ضروریات بہم پہنچائے۔ ملکیت کے متعلق افلاطون سے الگ نظریہ پیش کرتا ہے ارسطو کہتا ہے کہ زمین کی ملکیت کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ا۔ زمین کے متعین رقبے مختلف افراد میں تقسیم کیے جائیں لیکن ان کی پیداوار تمام افراد کی احتیاجات کے لیے یکجا جمع کر لیا جائے۔

۲۔ زمین مشترکہ تحویل میں رہنے دی جائے اس پر کھیتی باڑی مشترکہ ہو۔ لیکن اس کی پیداوار مختلف افراد میں تقسیم کر دی جائے۔

۳۔ زمین بھی سب کی مشترک رہے اور اس کی پیداوار بھی مشترکہ۔ اس کے بعد مشترکہ جائیداد کے نقائص بیان کرتا ہے اور نجی ملکیت کے فوائد بیان کرتا ہے آخر کار اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ مشترکہ ملکیت میں کم سے کم چیزیں ہونی چاہئیں اور نجی ملکیت میں زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئیں۔

قدر (Value) سے متعلق ارسطو کا یہ نظریہ ہے کہ تمام اشیاء کا مبادلہ ایک متعین معیار کے مطابق ہونا چاہیے وہ معیار انسان کی احتیاج ہے جس چیز کی ضرورت (طلب)(Demond) زیادہ ہو۔ اس کی قیمت بہت زیادہ ہونی چاہیے۔ اشیاء کے تبادلہ کے لیے جنسی تبادلہ (Barter system) کے بجائے سکوں (Currency) کو ترجیح دیتا ہے۔ سود کو ظلم قرار دیتا ہے زراعت اور افزائش مویشی کو طبعی اور فطری پیشے قرار دیتا ہے کیونکہ یہ پیشے انسان کی طبعی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ افلاس جرائم اور بغاوت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس وجہ سے ریاست کا امن قائم رکھنے کے لیے اہم فریضہ یہ ہے، کہ وہ انسان کی ضروریات کو پورا کرے تاکہ ملک میں نہ جرائم ہوں اور نہ بغاوت۔

رومن معاشیات

رومن تہذیب بھی معاشی لحاظ سے مختلف گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ زراعت، تجارت اور حرفت پر معیشت کا دار و مدار تھا۔ اس دور کے رواج کے مطابق غلاموں کی کثرت تھی۔ محنت مزدوری، کا وہی کام کرتے تھے۔ سود کو معیوب گردانا جاتا تھا۔ چنانچہ سسرو (Cicero) نے کاٹو (Cato) کا ایک قول نقل کیا ہے کہ "سود اور قتل ایک ہی چیز ہے۔"

رومن امپائر میں نجی ملکیت کا رواج تھا۔ مراعات یافتہ لوگ بڑی بڑی جاگیروں کے مالک ہے۔

Marfat.com

رومن امپائر میں معاشی ناہمواریاں شدید صورت میں پائی جاتی تھیں۔ تمام ملکی دولت پر مراعات یافتہ طبقے کا قبضہ تھا۔ جس کی وجہ سے وہ عیش کوشی کی تاریک وادی میں بھٹکے ہوئے تھے ہر امیر و سرمایہ دار تسابق اور تکاثر کی دوڑ میں تھا۔ معاشرہ میں نمائش ثروت کے عجیب و غریب نمونے پائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ملکی صنعت امراء کی مرضیات کی تکمیل کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئیں۔ اس کے برعکس رعایا معاشی بدحالی کے آخری حد تک پہنچ گئی اور معاشرہ میں رفاہیت کا نام ونشان تک نہ رہا۔

زمانہ قدیم کی تمام تہذیبیں مصر، ایران، ہندوستان وغیرہ معاشی گروہ بندیوں میں جکڑی ہوئی تھیں۔ ایک خاص مراعات یافتہ طبقہ تھا۔ انہی کے ہاتھوں میں دولت سمٹ کر آ گئی تھی۔ دوسرا طبقہ محرومین کا تھا۔ اس میں غلام سب سے زیادہ خستہ حال تھے۔ وہ تمام انسانی حقوق سے محروم تھے۔

قدیم زمانہ کے تاریک معاشی دور کے بعد ملک عرب میں محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کی طرف سے بنی نوع انسان کے لیے ایک ابدی اور ازلی مکمل ضابطہ حیات لے کر مبعوث ہوئے۔ اس ضابطہ حیات میں معاشی نظام تھا۔ اس نظام کے خدوخال اس کتاب میں بیان کرنے کی سعی ناتمام ہے۔ اس تمام نظام ہائے معاشیات کے تقابلی جائزہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ دنیا کی فلاح اسلامی معاشی نظام میں ہی مضمر ہے۔

مرکنٹلزم

یورپ میں سولھویں صدی عیسوی میں معاشیات نے ایک علم کی حیثیت اختیار کی۔ اس زمانے کا سب سے پہلا معاشی نظام جو مطالعہ میں آتا ہے وہ مرکنٹلوم کہا جاتا ہے۔ یہ نظام اٹھارویں صدی تک رائج رہا۔ اس نظام کو اٹلی کے ایک ماہر معاشیات سرّا (Serra) نے ۱۶۰۳ء میں پیش کیا۔ یہ دور قومیت پرستی کا دور تھا۔ جس میں فرد کی آزادی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ مرکنٹلوم اس نظریہ سے بہت متاثر تھا۔ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ معاشی ترقی کے لیے ریاست کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کیا جائے۔ جس کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ ممالک غیر کے ساتھ زیادہ تجارت کی جائے تاکہ ان کی دولت اپنے ملک میں لائی جائے بلکہ اس وجہ سے مغربی ممالک نے دنیا کے دیگر ممالک میں تجارتی روابط بڑھائے بعض کمزور ممالک کو زیر کیا۔ ان ممالک کی دولت کو دونوں ہاتھوں لوٹا اور اپنے ملک کو اقتصادی لحاظ سے مضبوط کیا۔ چونکہ اس نظریہ میں انسان کی مادی ضرورتوں کی تکمیل کو اولیت حاصل تھی۔ اس لیے اس نظریہ کے نتیجہ میں مفاد خویش کا جذبہ ابھرا۔ چنانچہ ہابز (Hobbs) جیسا فلاسفر اس مفاد پرستانہ نظریہ سے متاثر ہو کر لکھتا ہے "انسان جو کچھ کرتا ہے اپنے مفاد کے لیے کرتا ہے" اور فورٹرے (Fortrey) کہتا ہے کہ انسان کا جذبہ معرکہ مفاد ہوتے ہیں نہ کہ دلائل۔" فائدے کی امید وہ کشش ہے جس کا مقابلہ کوئی اور چیز نہیں کر سکتی مذکورہ تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یورپ میں جس معاشی نظام نے جنم لیا۔ اس کی بنیاد مادیت (Materialism) پر تھی۔ اس مادیت نے آگے جا کر سرمایہ داری کی شکل اختیار کر لی۔ اسی جذبہ کے تحت سود کی حمایت کی گئی۔

Marfat.com

فزیوکریسی

جب مرکنٹلزم کی برائیاں ظاہر ہونے لگیں معاشرہ میں ایثار کی جگہ خود غرضی نے لے لی۔ مزدور طبقے کی حالت دگرگوں ہونے لگی تو اٹھارویں صدی کے وسط میں مارکنٹلزم کے خلاف شدید ردعمل شروع ہوا۔ اور فرانس کے مفکرین نے ایک نیا نظریہ فزیوکریسی (Physiocracy) پیش کیا۔ جس کے معنی ہیں۔ ''فطرت کی حکمرانی'' انھوں نے مارکنٹلزم کے خلاف زراعت کو بنیادی حیثیت دی۔ قومیت کی جگہ بین الاقوامیت کا تصور پیش کیا ان کا یہ نظریہ تھا کہ معاشرہ کی تشکیل فطرت کے اصولوں کے مطابق ہونی چاہیے۔ جب فطرت کے اصولوں سے انحراف ہوگا۔ اس کا اثر معاشرے پر پڑے گا۔ اس طرح انسان فطرت کے اصولوں کا پابند ہے۔ اس نظریہ کے مفکرین فرد کے حقوق کے بہت بڑے حامی تھے لیکن اس کے ساتھ افراد کے باہمی تعاون واشتراک پر بہت زور دیتے تھے۔

ذاتی ملکیت کو قانون فطرت کے مطابق قرار دیتے ہیں۔ زراعت کو ایک معزز کام اور تمام دولت کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔ ان کا مشہور مقولہ ہے کہ غریب کاشت کار، غریب مملکت، غریب شہنشاہ۔

ترگاٹ کا نظریہ

اس معاشی نظام میں ترگاٹ کے نظریہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اپنی کتاب "Formation and Distibution of Wealth" میں اس نظام کے بنیادی خدوخال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہر شخص کے پاس اتنی ہی زمین ہونی چاہیے جس سے اس کی ضروریات، و احتیاجات پوری ہوسکیں لیکن ایسا نہیں ہوا کہ جس نے جتنی زمین سنبھالی وہ اس کی ملکیت بن گئی۔ چونکہ زمین کی کاشت سے ہر ایک ضروریات پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ انسان کو خوراک کے علاوہ اور بھی بے شمار چیزوں کی ضرورت ہے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے معاشرہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگیا۔ ایک کاشت کاروں کا گروہ دوسرا صنعت وحرفت والوں کا گروہ تیسرا اجیروں کا طبقہ تھا۔ ترگاٹ مالکان اراضی کو ''عقیم طبقہ'' کہتا ہے۔ اس کے نزدیک مالک زمین ہونے کی وجہ سے خود بیکار بیٹھا رہتا ہے اور دوسروں کو زمین دے کر کاشت کرواتا ہے۔ معاشرہ کو کچھ پیدا کر کے نہیں دیتا۔ اس وجہ سے یہ طبقہ بانجھ ہے۔

تبادلہ اجناس میں وقت پیش آئی تو قیمتی دھاتوں کو بطور معیارِ تبادلہ اختیار کرلیا۔ اس طرح کرنسی کا وجود عمل میں آیا اگر مالک زمین یا صنعت کار کو اپنے پیشے کے لیے کسی چیز کے حصول کے لیے کرنسی کی ضرورت پڑی تو دوسرے سے عارضی استعمال کے لیے قرض لے لی۔ تو کرنسی دینے والے نے قرض پر معاوضہ لینا شروع کردیا تو اس طرح سود کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ جس نے ایک اور عقیم طبقہ پیدا کردیا۔ جو دوسروں کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے عارضی وقت کے لیے قرضہ دیتے تھے۔

Marfat.com

آدم سمتھ

۱۷۲۳ء کو کوک کیلڈی خائف (اسکاٹ لینڈ) میں پیدا ہوا۔ ماہر معاشیات اور فلسفی تھا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر فرانس گیا۔ ڈیوڈ ہیو سے ملاقات ہوئی۔ اس سے بہت متاثر ہوا۔ ۱۷۵۹ء میں اس نے پہلی تصنیف "تھیوری اف مورل اسٹیمنٹس" شائع کی۔ ۱۷۷۶ء میں اس کی شہرہ آفاق کتاب دولت اقوام (ویلتھ اف نیشنز) شائع ہوئی۔ اس کتاب کے یورپ کی ہر زبان میں ترجمے ہوئے۔ اس کتاب پر سرمایہ داری کی اساس ہے۔ آدم سمتھ کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ دولت کی اصل محنت (Labour) ہے لہٰذا دولت کا سرچشمہ زمین نہیں بلکہ صنعت کاری ہے۔ اسی تصور سے یورپ میں صنعت کاری کا درخت بارآور ہوا۔ یہ نظریہ فزیوکریسی سے مختلف تھا نجی ملکیت کا زبردست حامی تھا۔ اس وجہ سے ذاتی ملکیت پر کسی قسم کی پابندی کو جائز قرار نہیں دیتا۔ سود کو جائز قرار دیتا ہے۔ سمتھ کا نظریہ معیشت خالصۃً مادہ پرستانہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے یہی تصور چند اشتراکی ممالک نکال کر ساری دنیا میں رائج ہے اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی ممالک بھی اسی نظریہ پر عامل ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

سمتھ کے پیروکار

سمتھ کا نظریہ معیشت "نجی ملکیت کا فروغ" یورپ میں مشہور ہوا۔ تو اس کے نظریہ کو تین ماہرین معاشیات بینتھم، مالتھوس اور ریکارڈو نے آگے بڑھایا۔ سرمایہ داری کو فروغ دیا۔ بینتھم اپنے نظریہ افادیت کے لیے مشہور ہے۔ اس نظریہ کی رو سے انسان کے عمل کا جذبہ محرکہ حصول لذت اور دفع کرب ہے۔ اس نظریہ کی رو سے بینتھم نے دولت کو وسیلہ مسرت اور لذت قرار دیا ہے۔ اس کا یہ نظریہ ہے جتنے زیادہ افراد خوش حال ہوں گے وہ معاشرہ اتنا ہی زیادہ کامیاب ہوگا۔ اس لیے حصول دولت کے راستے میں کسی حکومت کو بھی کسی فرد کے عمل میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔ حتیٰ کہ سود کی شرح کے تعین میں بھی حکومت کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ شرح مقرر کرے۔ یہ کام بھی صاحب دولت ہی کا ہے۔ شرح مقرر کرنا بھی مداخلت کے مترادف ہے۔

نظریہ افادیت فلسفہ فطرت سے بالکل متضاد ہے۔ اس فلسفہ نے انسان کو بالکل مادہ پرست بنا دیا اور اخلاقی اقدار کی جڑ پر تبر رکھ دیا۔

سمتھ کے فلسفہ معیشت کو آگے بڑھانے والوں میں سے دوسرا مالتھوس ہے جو نظریہ "اصول آبادی" (Principle of Population) کے لیے مشہور ہے۔ جب یہ کتاب اس کے نام کے بغیر پہلی دفعہ منصۂ شہود پر آئی تو اعتراضات کی بوچھاڑ ہوگئی مالتھوس نے ۱۸۰۳ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔ جس میں معترضین کے جوابات دیے۔

Marfat.com

مالتھوس کے نزدیک نوع انسانی کو سب سے زیادہ خطرہ افزائش آبادی ہے۔ جس تناسب سے آبادی بڑھ رہی ہے اس کے مقابل پر زمین میں تو پھیلاؤ نہیں ہوسکتا۔ ایک وقت آئے گا پیداوار کی کمی کی وجہ سے انسانیت تباہ ہو جائے گی۔ مالتھوس نے افزائش آبادی کی روک تھام کے لیے طریقے بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ بطیب خاطر جنسی تعلقات سے رک جائے۔ دوم اگر ایسا نہیں کرے گا تو پھر قدرت کی طرف سے ایسے حوادثات مثلاً وبا کی بیماریاں زلزلے سیلاب پیدا ہوں گے جو آبادی کو اپنی حد میں رکھیں گے۔ یا پھر خود انسان اپنے ہاتھ سے اپنے پر ایسی جنگ مسلط کرے گا جس میں لاکھوں جانیں تباہ ہو جائیں گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ انسان بطیب خاطر جنسی تعلقات سے باز آ جائے۔ ایچ۔ سی کریسی نے اپنی مشہور کتاب ''اصول عمرانیات'' (Principle of Social Science) میں نظریہ افزائش آبادی کے مزعومہ خطرہ کو خالق کائنات کے منصوبہ کے منافی قرار دے کر باطل قرار دیا ہے اس طرح ہربرٹ اسپنسر نے بھی اس خطرہ کو رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ انسان جوں جوں ذہنی ترقی کرتا جائے گا توں توں افزائش آبادی کم ہوتی جائے گی۔

سمتھ کا تیسرا پیروکار ریکارڈو تھا۔ اس کی مشہور کتاب "The Principle of Political Theory and Taxation" ہے۔ جس نے سمتھ کے نظریہ کو آگے بڑھایا یہ کتاب یورپ میں معاشی نظام میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں زمین کی پیداوار کی تقسیم پر بحث ہے ریکارڈو کہتا ہے کہ پیداوار کے تین حصے کرنے چاہئیں ایک حصہ مالک اراضی کا جسے وہ زمین کا کرایہ (Rent) کہتا ہے۔ دوسرا حصہ سرمایہ دار کا جو زراعت میں لگاتا ہے اس کا نام نفع (Profit) رکھتا ہے۔ تیسرا حصہ مزدور کا جو کاشتکاری کرتا ہے اس کا نام اجرت (Wages) ہے۔

مزدور کی اجرت کے متعلق اس کا یہ نظریہ تھا کہ:

''مزدور کی فطری اجرت اس قدر ہے کہ جس سے وہ زندہ رہ سکے اور اپنی نسل کو اس طرح باقی رکھ سکے کہ وہ نہ کم ہونے پائے اور نہ زیادہ۔''

مزدور کی اجرت کے متعلق ہی وہ نظریہ ہے جس نے بعد میں بے شمار مفاسد پیدا کیے۔ سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان ایک کشمکش شروع ہوگئی۔

ریکارڈو کا نظریہ معاشیات خالص مادہ پرستانہ تھا۔ جس نے معاشیات کو ایک جداگانہ سائنس کی حیثیت دی۔ اس کے بعد معاشی اصطلاحات اصول وضع ہونے لگے۔ اس کے ساتھ نجی ملکیت اور آزاد تجارت پر مبنی معیشت کے نقصان بیان کیے جانے لگے۔ مزدور کی حق تلفی کے خلاف آواز اٹھنے لگی۔ ان آوازوں میں سے پہلی آواز فرانسیسی ماہر معاشیات سسمانڈے (Sismondi 1773-1842) نے اٹھائی۔ سسمانڈے نے مالتھوس اور ریکارڈو کے معاشی نظریات، نجی ملکیت اور انفرادی لذائذ پر شدید تنقید کی۔ اور کہا معاشی اصول وہی صحیح ہے جو اجتماعی خوش حالی کا ضامن ہو نہ کہ فرد کی۔ تقسیم دولت کے متعلق اس

Marfat.com

کا یہ نظریہ تھا کہ سرمایہ اور صارفین (Consumers) کے درمیان برابر تقسیم ہو۔اس کی ہمدردیاں مزدور کے ساتھ تھیں۔صرف اس حد تک وہ باوقار زندگی گزار سکے۔ سمتھ، مالتھس اور ریکارڈو کے نظریہ کے برعکس ملکی معیشت پر اجتماعی کنٹرول کا حامی تھا۔ اسی طرح اخلاقیات کو معیشت سے الگ نہیں کرتا تھا۔

یورپ صنعتی انقلاب اور سرمایہ داری کے بداثرات کی وجہ سے ایسے موڑ پر کھڑا تھا۔ مزدور طبقہ کی بدحالی کی وجہ سے طبقاتی کشمکش شروع ہو گئی۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے۔ ان مفسد حالات میں مزدوروں کے ہمدرد مفکر بھی پیدا ہو گئے۔ ان مفکرین نے واعظانہ رنگ میں سرمایہ داروں کو مزدوروں کی خستہ حالی کی طرف متوجہ کیا۔ ان مفکرین میں سے پہلا مفکر ماہر معاشیات سائمن (Saint Simon) تھا۔ اس نے اجتماعی خوش حالی پر اپنے نظریہ معیشت کی بنیاد رکھی اور کہا کہ معاشرہ کی اس رنگ میں تشکیل ہونی چاہیے کہ تمام افراد کام کریں کوئی بیکار بیٹھ کر محض اپنے سرمایہ کی بناء پر دوسروں کی محنت پر زندگی بسر نہ کرے۔ جب اس واعظانہ نصیحت پر سرمایہ داروں نے کان نہ دھرے تو پھر بعض ایسے ماہر معاشیات مفکر پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ جن کے فکر میں سرمایہ داروں کے خلاف آگ برس رہی تھی۔ اسی کے نتیجہ میں اشتراکی تحریک نے جنم لیا۔ مزدوروں میں جذبہ اجتماعیت پیدا کرنے کی پہلی آواز رابرٹ اون (Robert Owen) کی تھی۔ اس نے اپنے فکر کی بنیاد خود اپنے عملی نمونہ پر رکھی اس نے گلاسکو کے قریب، نیولینارک کی بستی میں ایک کارخانہ خریدا۔ جس میں مزدوروں کے علاوہ بچے بھی شریک کار تھے۔ اس نے بچوں سے مشقت لینا بند کر دی۔ مزدوروں کے لیے عمدہ رہائش گاہیں بنوائیں بچوں کی تعلیم کے لیے مدرسے اور علاج معالجہ کے لیے ڈسپنسریاں بنائیں۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ سرمایہ دار کے لیے پانچ فی صد منافع کافی ہے۔ زیادہ سے زیادہ منافع اجیروں کی فلاح و بہبود پر ہونا چاہیے۔ اس فکر اور عمل سے سرمایہ دار طبقہ مخالف ہو گیا۔ لیکن ان کی قطعاً پروانہ کی۔ لیکن اس دور کے پادریوں کی سرمایہ داروں کی حمایت اور مذہب کی غلط تعبیر کرنے کی وجہ سے اون مذہب کا مخالف ہو گیا۔ اس وجہ سے مذہبی حلقہ بھی اس کا مخالف ہو گیا لیکن اس نے مزدوروں کی اصلاح و بہبود کے کام کو جاری رکھا۔ مارکس بھی اس سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

اون کا یہ نظریہ تھا کہ انسانی ترقی کے راستے میں تین موانع ہیں نجی ملکیت، مذہب اور شادی۔ اس کا خیال تھا ان کو مٹائے بغیر معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ تاریخی لحاظ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دور حاضر میں اشتراکی نظریہ کا موسس اون ہی ہے۔

اون کے بعد اشتراکی مصلح لوئی بلان (Louis Blane) تھا یہ فرانس کا ایک انقلابی راہنما اور ماہر معاشیات تھا۔ اس کا یہ نظریہ تھا کہ حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر فرد کو روزگار مہیا کرے نیز اجیروں کو اتنا معاوضہ ملنا چاہیے جس سے اپنی تمام احتیاجات زندگی پوری کر سکیں اشتراکی نظریہ کا ایک اہم فرد پرادھن

Marfat.com

(Proudhan) تھا۔ اس کا یہ نظریہ تھا کہ جائیداد خالص چوری ہے اور جائیدادوں کے مالک چور ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ جائیداد دوسروں کی محنت پر ہی بنتی ہے۔ محنت کوئی کرتا ہے اس کا پھل دوسرا کھاتا ہے زمین کے متعلق اس کا یہ نظریہ تھا کہ عطیہ خداوندی ہے۔ جس پر کسی کو حق ملکیت حاصل نہیں ہوسکتا۔ نہ وہ بٹائی پر دی جاسکتی ہے اور نہ کرایہ پر۔ یہ انسانی ضروریات کو پورا کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔ یہ اشتراکی مملکت میں مشترکہ جائیداد کا بھی قائل نہیں تھا۔

یورپ میں ایک طرف نجی ملکیت کے خلاف اور مزدور کی فلاح و بہبود کے حق میں ایک زبردست لہر اٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی نجی ملکیت کو فروغ دینے کی بھی وکالت چل رہی تھی مارشل الفرڈ (Marshall Alfred) ان ماہرین معاشیات میں سے تھا جو نجی ملکیت کو معاشیات کی چابی قرار دے رہا تھا۔ مارشل انفرادی ملکیت کا پرُزور حامی تھا اور اس کو معاشرہ کی فلاح کے لیے ضروری قرار دیتا تھا۔ اس کے نزدیک نجی ملکیت کو ختم کرنے سے حصول دولت کا جذبہ محرکہ سرد پڑ جاتا ہے۔

لارڈ جان مینارڈ کینز (Lord John Maynard Keynes) بھی نابغہ روزگار ماہر معاشیات میں سے تھا۔ جس نے اپنی مشہور کتاب "The General theory of employment interest and money" میں کلی معاشیات کا تصور پیش کر کے معاشیات کے میدان میں انقلاب برپا کیا۔ پہلے نظریات کو باطل قرار دے کر نئے تقاضوں کے مطابق نئے نظریات معاشیات پیش کیے۔ پہلی جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کی وجہ سے کساد بازاری کا دور دورہ تھا۔ کینز نے اس کساد بازاری کو ختم کرنے کے لیے نظریے پیش کیے جن پر عمل کر کے کافی حد تک کساد بازاری پر قابو پایا گیا۔ اس کے نزدیک ملک کی معاشی حالت درست کرنے کے لیے حکومت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ملک میں تقسیم دولت کے لیے مساویانہ نظام قائم کرے۔

کارل مارکس سے قبل ہی اشتراکی معیشت کا تصور رائج تھا لیکن کارل مارکس نے اس نظریہ کو اتنا آگے بڑھایا اب اشتراکی تصور کارل مارکس کا ہی سمجھا جاتا ہے چونکہ اشتراکی نظریہ معاشیات پر آئندہ صفحات میں بحث کی جاتی ہے اس لیے یہاں مزید لکھنا لاطائل اور تکرار کا موجب ہوگا۔

Marfat.com

باب ۲

معاشی نظام و تحریکات

(نظریہ اجتماعیت، اشتمالیت کیمونزم۔ فاشزم
سرمایہ داری نظام۔ قرآن اور سرمایہ دار)

Marfat.com

معاشی نظام و تحریکات

موجودہ دور میں معاشی مسئلہ کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔ جس کے حل کرنے کے لیے مختلف قسم کی تحریکیں اٹھی ہیں ان میں سے اجتماعیت، کیمونزم، سوشلزم، فاشزم اور سرمایہ داری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسلام کا معاشی تصور بیان کرنے سے قبل ان تحریکات کا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ اسلامی اقتصادی نظام کی برتری واضح ہو سکے۔

نظریہ اجتماعیت

نظریہ اجتماعیت کو ارتقائی یا آئینی اشتراکیت (Evolutionary constitutional louiripion) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مغربی ممالک میں مختلف ناموں سے وجود میں آیا۔ فرانس میں اس کو اجتماعیت (Collectivism) اور انگلستان میں فابینزم (FAbanism) کہتے ہیں۔ یہ نظریہ، نظریہ انفرادیت کی ضد ہے مشہور ماہر عمرانیات جوڈ اس نظریہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''اجتماعی اشتراکیت ایک ایسی حکمت عملی یا نظریہ ہے جو ایک مرکزی جمہوری قوت و اختیار کے ذریعے حالت موجودہ کی نسبت بہتر طور پر دولت کی تقسیم اور پیداوار کو عمل میں لانا چاہتا ہے۔''

معاشرہ اور فرد کا باہمی تعلق

اجتماعی اشتراکین نہ تو نظریہ انفرادیت کو تسلیم کرتے ہیں جس کی رو سے فرد کو معاشرے اور سیاست کا مرکزی نقطہ خیال کیا جاتا ہے اور نہ نظریہ اشتراکیت کے بنیادی اصول طبقاتی جنگ کو مانتے ہیں جس کی رو سے معاشرہ سرمایہ دار اور مزدور طبقے میں بٹ گیا ہے ان کی لڑائی ازل سے ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ وہ فرد کو معاشرہ کا ایک ضروری عضو قرار دیتے ہیں اور فرد اور معاشرہ کے درمیان رشتہ اتحاد نہایت ضروری ہے کیونکہ نہ تو فرد بغیر معاشرہ کے زندہ رہ سکتا ہے اور نہ معاشرہ کی عمارت بغیر فرد کے تعمیر ہو سکتی ہے تاہم اجتماعی اشتراکین کہتے ہیں کہ موجودہ معاشرہ غیر منصفانہ تقسیم دولت کی وجہ سے صحیح خطوط پر منظم نہیں چند افراد کی خوشی اور آرام کے لیے بہتوں کو دکھ اور مصیبت کی بھٹی میں جھونک دیا گیا ہے۔ اس خرابی کو طبقاتی جنگ سے نہیں بلکہ جمہوری ریاست کی کارروائی سے ختم کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

۲۔ تدریجی اصلاح

نظریہ اجتماعیت ریاست کے خاتمہ کے نظریے کو صحیح تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ریاست کے وجود کو ضروری سمجھتا ہے جو دولت کی غیر منصفانہ اور غیر مساویانہ تقسیم پیداوار کو تدریجاً ختم کردے گی اس کام کے لیے اجتماعی اشتراکین اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ جمہوری ریاست قانون سازی سے گاہے بگاہے ایسے قوانین وضع کرے جن سے سرمایہ دارانہ معاشرہ میں رفتہ رفتہ اصلاح ہونی شروع ہو جائے۔ اس تدریجی اصلاح کے لیے موثر پروپیگنڈہ ضروری خیال کرتے ہیں۔

نظریہ اجتماعیت کے مقاصد

ا۔ حکومت تمام ذرائع پیدائش دولت اپنی تحویل میں لے لے تاکہ آزادانہ مسابقت کی دوڑ ختم ہو جائے۔ ۲۔ مصنوعات کو عوامی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مناسب معیار کے مطابق تیار کیا جائے۔ ۳۔ عوام قوم اور ملک کی بہبود کی خاطر کام کریں۔ ۴۔ سرمایہ دارانہ معاشرے کو ختم کرے اور مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے نظریہ اجتماعیت ضروری ہے۔

اسلام اس بات کا حامی نہیں کہ تمام وسائل پیدائش حکومت اپنی تحویل میں لے لے۔ اسلام نے وسائل پیدائش کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہ وسائل پیدائش جو انفرادی ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے افراد تنگی اور تکلیف محسوس کریں ان کو اجتماعی ملکیت قرار دیا ہے رسول کریم ﷺ نے اصولی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا **المسلمون شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاء والنار**[1] سارے انسان پانی، چارے اور آگ میں شریک ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے اصولی طور پر صرف تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ درحقیقت حدیث کا یہی منشاء ہے کہ قدرتی وسائل پیدائش جن پر انسان کی محنت نہ لگی ہو اور وہ ہوں افادہ عوام کے لیے تو وہ حکومت کی تحویل میں ہوں گے۔ فقہاء اسلام نے مذکورہ ہدایت کی روشنی میں مزید قدرتی وسائل پر انفرادی ملکیت کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ ابن قدامہ نے نمک، گندھک، مومیاتی اور مٹی کے متعلق لکھا ہے **لا تملک بالاحیاء ولا یجوز اقطاعها من الناس لا احتجار دون المسلمین لان فیه ضرر للمسلمین و تضیقًا علیهم** یعنی نہ آباد کرنے اور نہ حکومت سے جاگیر ملنے کی صورت میں ان کا کوئی مالک بن سکتا ہے اور نہ یہ امر جائز ہے کہ عام مسلمانوں کو ان اشیاء سے فائدہ حاصل کرنے سے روک دیا جائے کیونکہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا اور ان پر تنگی ہوگی۔

---

1. ابوعبیدہ کتاب الاموال صفحہ ۲۹۵، ابوداؤد کتاب البیوع باب فی منع الماء۔ ابو یوسف کتاب الخراج صفحہ ۱۱۵، ابن ماجہ باب المسلمون شرکاء فی ثلاث۔

دوسرے وسائل پیدائش جن پر اسلام انفرادی ملکیت جائز قرار دیتا ہے ان پر بھی فرد کے حق ملکیت پر معاشرے کے مفاد کی خاطر ضروری قیود عائد کرتا ہے اور انفرادی مال و دولت میں ان کا حق قرار دیتا ہے اور ضرورت سے زائد دولت کو اپنے پاس روکے رکھنے کو ناجائز قرار دیتا ہے۔

تمام ذرائع پیدائش دولت حکومت کی تحویل میں چلے جانے کے نقصانات

ا۔ فرد کی ذات ریاست کے وجود میں گم ہو جاتی ہے۔ جس سے ہر فرد کی ذہنی نشوونما رک جاتی ہے۔ ہر فرد ریاستی مشین کا ایک پرزہ بن جاتا ہے۔ اس کی اپنی شخصیت، انفرادیت اور انانیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہی چیز قوموں کی تباہی کا ذریعہ ہے۔

۲۔ فرد کو ہر قسم کی ملکیت سے محروم کر دینا اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ انسان کے اندر قدرت کی طرف سے ذاتی ملکیت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اسی جذبہ کے تحت وہ محنت کرتا ہے تمام وسائل پیدائش دولت حکومت کی تحویل میں چلے جانے سے انسان کا جذبہ محنت سرد پڑ جاتا ہے۔

۳۔ حکومت عوام کو چند سرمایہ داروں کی غلامی سے نجات دلا کر اپنی غلامی میں لے لیتی ہے جس طرح عوام سرمایہ دارانہ نظام میں بے بس ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس نظام کے سامنے غلاموں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں کیونکہ تمام سیاسی، قانونی اور اقتصادی اختیارات حکومت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ انفرادی حیثیت تو بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اس نظام میں برسراقتدار طبقہ اتنا طاقت ور ہوتا ہے اور عوام اتنے بے بس، برسراقتدار طبقہ طاقت کے نشہ میں جائز ناجائز کرے لیکن عوام اس کے خلاف کسی قسم کی آواز اٹھا نہیں سکتے۔

اشتمالیت کمیونزم (Communisiom)

کارل مارکس کا فلسفہ معاشیات سمجھنے سے پہلے ہیگل کا فلسفہ جدلیت کا سمجھنا ضروری ہے۔ کارل مارکس کے نزدیک تمام کائنات مسلسل تغیر پذیر ہے۔ ہر شے میں تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔ اشیاء درحقیقت تصورات کا مظہر ہیں گویا یہ کائنات دنیائے تصورات (World of Ideas) ہے۔ کوئی تصور مکمل نہیں ہے اپنی ناتمامیت اور کمی کو پورا کرنے کے لیے اسی تصور کے بطن سے ایک نیا تصور جنم لیتا ہے جو پہلے تصور کی ضد ہوتا ہے پھر دونوں تصورات کی باہمی کشمکش اور جنگ وجدل سے ایک تیسرا تصور پیدا ہوتا ہے۔ ہیگل پہلے ناتمام تصور کو (Thesis) کی اصطلاح دیتا ہے دوسرے تصور کا نام Anti thesis رکھتا ہے دونوں تصورات کے ٹکراؤ اور کشمکش سے جو تصور پیدا ہوتا ہے۔ اس کا نام (Synthesis) رکھتا ہے۔ یہ تصور دونوں تصورات سے اعلیٰ ہوتا ہے اور دونوں کے محاسن اپنے اندر رکھتا ہے۔ مرور زمانہ سے اس نئے تصور کے بطن میں پھر خامیاں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ جب اس تصور پر خامیاں غالب آ جاتی ہیں تو اس سے

Marfat.com

پھر ایک تصور (Antithesis) جنم لیتا ہے دونوں کی جنگ و جدل سے ایک نیا تصور (Synthesis) معرض وجود میں آ جاتا ہے۔ گویا کائنات میں ارتقاء اضداد کی کشمکش اور جنگ و جدل جاری و ساری ہے تا آنکہ باہم کشمکش سے ایک عالمگیر تصور (Universal idea) یا مطلق تصور (Absolute idea) پیدا ہو جائے گا۔ ہیگل کے نزدیک یہ غیر منقطع جنگ اسی عالمگیر یا مطلق تصور کے لیے ہے۔ اس کا نام ہیگل روح کائنات (World spirit) رکھتا ہے۔ اسی جدلیت سے تہذیبیں جنم لیتی ہیں۔ پھر مٹتی ہیں یہ سلسلہ اس وقت تک جاری و ساری رہے گا تا آنکہ وہ آخری تہذیب وجود میں آ جائے جو روح کائنات کی آخری شکل ہو گی۔

کارل مارکس کا نظریہ

کارل مارکس نے ہیگل کے نظریہ جدلیت کو تو قبول کر لیا لیکن اس نے کہا یہ کشمکش اور جنگ و جدل تصورات میں نہیں کیونکہ تصورات ذہن کی پیداوار ہیں اصل جنگ مادی اشیاء میں ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

"اضداد کی جنگ و پیکار بجا و درست لیکن یہ جنگ و جدل تصورات میں نہیں ہوتی کیونکہ تصورات تو انسانی ذہن کی پیداوار ہیں۔ ان کا الگ مستقل وجود ہی نہیں۔ کائنات میں مادی اشیاء ہی درحقیقت اپنا وجود رکھتی ہیں۔ اس لیے جنگ و پیکار مادیت ہی کی دنیا میں ہنگامہ آراء ہے۔ مارکس کے اپنے الفاظ میں "تصورات" کیا ہیں؟ مادی دنیا کا وہ عکس جو انسان کے دل پر مرتسم ہوتا ہے اور جسے وہ ذہنی افکار کی راہوں سے پیش کرتا ہے۔"

مارکس سے پوچھا گیا کہ مادی اشیاء میں تو جنگ و جدل نظر نہیں آتی پھر مادی اشیاء میں نظریہ جدلیت کیا معنی رکھتا ہے اس نے کہا دنیا میں اہم مسئلہ روٹی ہے اس لیے دنیا میں اشیاء سے مراد وسائل پیداوار (Means of production) ہیں جن لوگوں کے قبضہ میں وسائل پیداوار ہوتے ہیں وہ ایک طبقہ بن جاتے ہیں۔ جن لوگوں کو یہ قابض طبقہ پیداوار کے لیے بطور ذرائع استعمال کرے گا وہ دوسرا طبقہ بن جاتا ہے۔ اب جنگ طبقات میں ہو گی۔ ایک طبقہ جنم لیتا ہے اس کی ضد دوسرا طبقہ وجود میں آ جاتا ہے انہی کی جنگ و پیکار میں تیسرا طبقہ پیدا ہو جائے گا جو پہلے دونوں طبقات کے محاسن اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ لڑائی جاری و ساری رہے گی۔ تا آنکہ ایک ایسا دن آ جائے گا جب دنیا میں طبقاتی تفریق ختم ہو جائے گی تمام انسان ایک جماعت بن جائیں گے۔ کارل مارکس اسی آخری عہد کا نام اشتراکیت (Communism) رکھتا ہے۔ مادی جدلی طریقہ ارتقاء کا نام (Dialectic materialism) ہے اور ہیگل کی روح کائنات کو تاریخی قوت (Force of History) کا نام دیتا ہے۔ کارل مارکس کہتا ہے کہ انسان ازل سے مسئلہ روٹی کے لیے طبقاتی لڑائی لڑ رہا ہے۔ اسے تاریخ کی معاشی تعبیر (Economic Interpretation of History) کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

مختصر سوانح حیات کارل مارکس

کارل مارکس رائن لینڈ کے شہر ترائر (Trier) میں ۵ مئی ۱۸۱۸ء کو ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوا۔ جب کارل مارکس چھ سال کا ہوا تو اس کا خاندان دائرہ نصرانیت میں داخل ہو گیا جب مارکس سترہ سال کا ہوا تو بان (Boun) یونیورسٹی میں داخل ہوا اور قانون کی ڈگری حاصل کی اس یونیورسٹی میں ہی ہیگل کے فلسفہ سے متاثر ہوا۔ اعتقادات کو خیر باد کہا۔ آہستہ آہستہ اس پر الحاد اور دہریت کا رنگ چڑھتا گیا اور اپنے طائر فکر کی پرواز کے لیے پر تولنے لگا۔ پیرس میں ایک روزنامہ کی ادارت مل گئی۔ اس کے انقلابی خیالات کی وجہ سے پرچہ قانونی گرفت میں آ کر بند ہو گیا۔ معا بعد اس کے لیے ایک اور در کھل گیا۔ پیرس میں ہی ایک انتہا پسند اخبار جرمن زبان میں شائع ہوتا تھا۔ کارل مارکس نے اس میں طبع آزمائی شروع کر دی۔ یہاں بھی قانون حرکت میں آیا تو فرانس کی حکومت کی سفارش پر مارکس کو پیرس سے نکال دیا گیا۔ وہ برسلز آ گیا صحرا نوردی میں ہی انگلو سے دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے۔ انگلو رابرٹ اوون (Robert owen) کا دوست تھا۔ رابرٹ اوون اشتراکی خیالات کا پرچار کیا کرتا تھا۔ انگلو اشتراکی خیالات تو پہلے ہی رکھتا تھا۔ لیکن جب مارکس سے ملاقات ہوئی۔ تو انگلز انقلابی اشتراکیت کا حامی ہو گیا۔ ۱۸۴۵ء میں انگلو مارکس کو انگلستان لے آیا۔ ۱۸۴۷ء میں انھوں نے لندن میں مزدوروں کا ایک جلسہ منعقد کیا اور اشتراکی بین الاقوامی لیگ کی بنیاد رکھی جس کی طرف سے ایک اشتراکی منشور کا اعلان کیا۔ مارکس کے لندن کے ایام بڑے پرُ آلام تھے۔ ایک بڑے کنبے کی پرورش کا بوجھ اس کے سر پر تھا۔ اس کا گھر غربت اور افلاس کا آئینہ دار تھا۔ خود سرطان کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ ان عسرت اور بیماری کے ایام میں بڑی دماغی محنت کی۔ دن رات برٹش میوزیم میں گزارے۔ اور اپنی انقلاب آفرین کتاب سرمایہ (Capital) کا مسودہ تیار کیا۔ بے شمار رسائل اور چھوٹی چھوٹی کتب لکھیں لیکن کتاب ''سرمایہ'' سے قبل ایک مشہور کتاب لکھی جس کا نام "A Critique of Political Economy" ہے۔ ۱۴ مارچ ۱۸۸۴ء کو یہ اشتراکی انقلاب کا قائد اس دار فانی سے چل بسا۔

کمیونزم کا تاریخی پس منظر

جب یورپ جاگیرداری نظام سے سرمایہ داری نظام میں داخل ہوا۔ سرمایہ دار نے جب حصول زر کے لیے کم سے کم خرچ پر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا چاہا۔ تو اس طرح یورپ میں ایک غیر عادلانہ معاشی نظام وجود میں آ گیا۔ مزدور بے بسی اور محکومی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ دوسری طرف سائنس کی ترقی کی وجہ سے مشینوں کی بہتات ہو گئی۔ سرمایہ دار ممالک میں بے روزگاری حیرت انگیز سرعت کے ساتھ بڑھنے لگی۔ امریکہ میں ۱۹۳۳ء کے وسط میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ نفوس بیکار تھے۔ جرمنی میں پچاس لاکھ،

Marfat.com

جاپان اور انگلستان میں تینتیس لاکھ مزدور بے روزگاری کا شکار ہوئے۔ بعض ماہرین معاشیات کا اندازہ ہے کہ ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۳ء میں تمام دنیا میں بیس کروڑ انسان بیکار تھے۔ جب سرمایہ دارانہ نظام کی مضرت، منفعت سے بڑھ گئی۔ اس کے سڑے متعفن زدہ نظام سے اشتراکیت نے جنم لیا۔ آدم سمتھ اور ریکارڈو جیسے مفکرین نے پہلے ہی سرمایہ داری کے خلاف فکر دی ہوئی تھی۔ لیکن وہ اپنی فکر منظم نہ کر سکے تھے۔ وہ صرف ایک نظریہ کی حد تک تھی۔ جب کارل مارکس نے سرمایہ داری نظام کے خلاف آواز بلند کی۔ تو یہ آواز نظریہ کی حد سے نکل کر تنظیم کی شکل اختیار کر گئی تو کئی ممالک سے سرمایہ داری کا جنازہ نکل گیا۔ اشتراکی فکر کی پہلی تجربہ گاہ روس تھا۔ اس کے بعد یہ فکر عملی اور تنظیمی رنگ میں کئی دوسرے ممالک میں جا چکا ہے۔

کمیونزم کے اجزائے ترکیبی

کمیونزم کو دوسرے معاشی تصورات کے مقابلہ پر زیادہ پذیرائی محض اس وجہ سے نصیب ہوئی۔ کہ اس کے ترکیبی عناصر میں زیادہ توازن تھا۔ یہ تمام دوسری تحریکات کے اہم اصولوں پر محیط ہے جب کارل مارکس نے اپنا تصور معاش وضع کیا تو اس نے رائج الوقت تصورات اور نظریات سے کماحقہ استفادہ کیا۔ یہ انیسویں صدی کا وسط تھا اور انگلینڈ میں ریکارڈو اور ایڈم سمتھ علم الاقتصاد کے استاد سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے کرایہ اور اجرت کے متعلق انسانیت نواز نظریات قائم کیے اور وہ علمی حلقوں میں مقبول ہو رہے تھے۔ فرانس میں والٹیئر کے سیاسی نظریات نے انقلاب برپا کر دیا تھا۔ قدیم جبر و استبداد مٹ چکا تھا۔ سیاست پر آزادی، مساوات اور اخوت کے نئے نقوش مرتسم ہو چکے تھے۔ جرمن پر ہیگل کا فلسفہ مسلط تھا۔ لوگ ریاست کے ساتھ الوہیت کو وابستہ کرنے لگ گئے تھے اور سٹیٹ کی ہمہ گیری میں اپنی روحانی اور مادی نجات سمجھتے تھے کارل مارکس کے ظہور کے وقت خیالات کے یہ تین دھارے مغرب میں بہہ رہے تھے اور یہ ناممکن تھا کہ مارکس ان سے متاثر نہ ہوتا۔ چنانچہ یہ اثر پذیری تھی کہ اس کے نظریے کا ضمیر انگلینڈ کے اقتصادیات فرانس کے سیاسیات اور جرمن کے مابعد الطبیعات سے اٹھایا گیا۔ یہی وجہ ہے کمیونزم میں فلسفہ، اقتصاد اور سیاست تینوں چیزیں موجود ہیں۔ مارکس کا کمال شرف اولیت اس میں ہے کہ اس نے ان تینوں عناصر کو ایسا متوازن کر دیا کہ ان کے باہمی ملاپ سے ایک تصور حیات وجود میں آیا یہی اس کی شہرت کا راز ہے۔

ہیرلڈ لاسکی لکھتا ہے کہ "کمیونزم نصب العین بھی ہے اور لائحہ عمل بھی۔" خوبی اور برتری فلسفہ، اقتصاد اور سیاست کے امتزاج سے پیدا ہو گئی ہے اگر ان میں سے کوئی ایک عنصر بھی مفقود ہوتا تو اس کی علمی اور عملی حیثیت میں فرق آ جاتا۔

ان اجزائے ترکیبی کی مناسبت سے کمیونزم کے بھی تین پہلو ہیں۔

۱۔ تاریخ کی مادی تعبیر (Materialistic Interpretation of History) اس کو فلسفہ کی حیثیت حاصل ہے۔

Marfat.com

۲۔ نظریہ قدر زائد (Theory of Surplus Value) یہ کیمونزم کا اقتصادی پہلو ہے۔

۳۔ طبقاتی جنگ (Class war) یہ مارکس کی سیاست ہے جس سے ذاتی ملکیت مٹ کر کیمونزم بروئے کار آتی ہے۔

اجزائے ترکیبی کی وضاحت

تاریخ کی مادی تعبیر

بقول ہیرلڈ لاسکی کیمونزم نصب العین بھی ہے اور طریقہ کار بھی۔ اس نے اس جملہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ ایک مکمل نظام حیات ہے سوشلزم اس کی ابتدائی صورت ہے اگرچہ عام گفتگو میں یہ دونوں مترادف سمجھے جاتے ہیں لیکن علمی اور نظری لحاظ سے یہ فرق ہے کہ سوشلزم ترقی پذیر ہو کر کیمونزم میں متبدل ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں ہی یہ ایک مکمل نظام فکر کہلا سکتا ہے۔ برٹرانڈرسل کا قول ہے کہ "کیمونزم نے مذہب کی نفی کر کے ایک اور لادین مذہب بنالیا ہے اس لیے اس کا مذہب تاریخی مادیت ہے اس کی سیاست طبقاتی جنگ ہے اس کی معاشیات قدر زائد کا نظریہ ہے۔"

تاریخی مادیت کا یہ مطلب ہے کہ ہر دور میں انسانی زندگی کا مرکز اور محور اس دور کا نظام پیداوار دولت ہے۔ جس طرح اہل مذہب کا دعویٰ ہے کہ مذہب انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہو کر ان کی تشکیل کرتا ہے۔ اس طرح پیداوار دولت کا نظام کیمونزم کے نظریہ کے مطابق اپنے زمانے کے افکار کی تشکیل کرتا ہے حتیٰ کہ اس دور کا مذہب اور نظام اخلاق بھی اس نظام پیداوار دولت کے تابع ہوتے ہیں۔ کیمونسٹوں کے نزدیک سرمایہ داری کے نظام میں دولت آفرینی کا تصور غیر محدود ہے۔ اس لیے سرمایہ دار پر کوئی قدغن نہیں ہوتی سرمایہ داری کے دور کا مذہب بھی غیر محدود ملکیت کے حق میں فتویٰ صادر کرتا ہے اور حق ملکیت کو مفید یا محدود کرنے کو الہٰی قوانین کے خلاف ورزی قرار دیتا ہے چاہے غیر محدود ملکیت سے دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہوتی چلی جائے اور سارا معاشرہ سرمایہ داروں کا معاشی غلام بن کر رہ جائے۔ چنانچہ یورپ میں عیسائیت نے امارت اور ثروت کو لعنت قرار دے کر غرباء کو افلاس سے مانوس کر دیا ہے اور اہل ثروت کو مال و دولت جمع کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی۔ جب بھی سرمایہ داروں کے سلب ونہب کے خلاف آواز اٹھی اہل کلیسا نے اس کو خدائی قوانین کی نافرمانی قرار دے کر اس کو دبا دیا۔ حکومتیں بھی کلیسا کے فتاویٰ پر پابند ہو کر مزدوروں کو اپنے حق لینے سے روکتی رہیں ان پامال شدہ حقوق کی بحالی کے لیے کیمونزم نے مزدوروں کو حصول حق کے لیے ابھارا۔ اس طرح کیمونزم کی سیاست یعنی طبقاتی جنگ نے جنم لیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سرمایہ دار ممالک میں بھی مزدوروں کو ہڑتال کا حق عطا ہوا۔ اس طرح ان کی مزدوریوں کی شرحیں متعین ہوئیں اور سرمایہ داروں کی تالہ بندی پر قدغن لگا دی گئی۔

Marfat.com

نظریہ قدر زائد

طبقاتی جنگ کے جواز کے لیے قدر زائد کا نظریہ بروئے کار آیا اس کا یہ مفہوم ہے کہ ایک مزدور جتنا کام کرتا ہے اس کی محنت کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا مثلاً اگر وہ روزانہ چالیس پچاس روپے کا کام کرتا ہے تو اس کو روزانہ دو یا چار روپے ملتے ہیں باقی رقم یعنی چھتیس یا چھیالیس روپے کارخانہ دار لے جاتا ہے اس طرح کارخانہ دار سرمایہ دار بنتا جاتا ہے اور اس کی دولت میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس رفتار سے مزدور کی ناداری میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک وقت ایسا آ جاتا ہے جب سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان ایسی وسیع خلیج حائل ہو جاتی ہے کہ سرمایہ دار اپنے آپ کو اعلیٰ انسان سمجھنے لگتا ہے اور مزدور ادنیٰ انسان متصور ہونے لگتا ہے چونکہ استحصال کا ڈراما کارخانہ کے اندر ہر وقت موجود رہتا ہے اس لیے سرمایہ دار اور مزدور میں مغائرت ترقی کرتے کرتے عداوت تک پہنچ جاتی ہے اور اس کا ٹکراؤ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ کارخانہ میں مزدور کی عددی قوت کہیں زیادہ ہوتی ہے اور کارخانہ دار عددی لحاظ سے بہت کمزور صورت میں ہوتا ہے اس لیے مزدور کی عزت نفس بیدار ہو جاتی ہے استحصال کا منظر بڑا اشتعال انگیز ہوتا ہے۔

طبقاتی جنگ

یہ المناک کیفیت کچھ عرصہ رہتی ہے حتیٰ کہ نقطہ احتراق آ جاتا ہے اس وقت کمیونزم کی سیاست یعنی طبقاتی جنگ کا آغاز ہو جاتا ہے۔

یہ طبقاتی جنگ سرمایہ داری کا خاتمہ اور کمیونزم کے آغاز پر منتج ہوتی ہے۔ اس کو کمیونزم کا دوسی انقلاب کہتے ہیں۔ اس انقلاب سے مزدور اقتدار اعلیٰ پر قابض ہو جاتے ہیں۔ تمام وسائل پیداوار زمین، کانیں، جنگلات، کارخانے، بیرونی تجارت، نقل و حمل اور خبر رسانی کے تمام شعبے قومی ملکیت میں لے لیے جاتے ہیں۔ حکومت اپنی انتظامی مشینری کے ذریعے ان کا انتظام و انصرام کرتی ہے ان ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی رفاہ عامہ پر خرچ ہوتی ہے۔ وطن سے فرار ہونے والے افراد کی جاگیریں حکومت بحق سرکار ضبط کر لی جاتی ہیں تمام قسم کا کاروبار سرکاری وساطت سے کیا جاتا ہے۔ بنجر زمینوں کو آباد اور آباد زمینوں کو زیادہ زرخیز بنانے کے منصوبے تیار کیے جاتے ہیں ملک کے ہر فرد کو اس کی اہلیت اور صلاحیت کے مطابق کام کی فراہمی کی ذمہ داری حکومت پر گردانی جاتی ہے بچوں کے لیے مفت تعلیم بیماروں کے لیے طبی امداد حکومت کے ذمہ ہوتی ہے ہر قسم کی تفریق ختم کر دی جاتی ہے۔ مارکس اشتراکی منشور[1] میں لکھتا ہے۔

میں تاریخ میں جس نظریہ کا اضافہ چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ:

[1] شائع شدہ ۱۸۱۸ء۔

Marfat.com

۱۔ انسانی طبقات مادی پیداوار کے مختلف پہلوؤں سے وابستہ ہیں۔

۲۔ طبقاتی نزاع کا فطری نتیجہ مزدوروں کی آمریت ہوگا۔

۳۔ یہ آمریت درحقیقت ایک عبوری دور ہوگا۔ اس کے بعد تمام طبقات کی تفریق مٹ جائے گی اور ایک آزاد اور ہموار معاشرہ کا قیام عمل میں آ جائے گا۔

اشتراکیت اور مذہب

کارل مارکس کے دور میں سرمایہ دار اور کلیسا یک جان تھے۔ کلیسا سرمایہ دار کا محافظ تھا نادار اور مفلس لوگوں کا سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ردعمل کو ٹھنڈا کرنے کے لیے غربت اور مفلسی کو من جانب اللہ قرار دے کر صبر شکر کی تعلیم دیتا، کارل مارکس کا جہاں نشتر تنقید سرمایہ دار کے خلاف چلا وہاں مذہب بھی مارکس کی تنقید کی زد میں آ گیا چنانچہ وہ اپنی کتاب (Critiqne of the Philosophy of law of Hegel) میں لکھتا ہے "مذہب انسانی ذہن کی پیداوار ہے انسان مذہب کی پیداوار نہیں۔ مذہب سے وہی انسان وابستہ رہ سکتا ہے جو یا تو ابھی تک اپنے مقام انسانیت سے بے خبر ہو۔ یا جس نے اس مقام کو پا کر پھر اسے کھو دیا ہے۔ مذہب مظلوموں کی سسکیاں، ایک پتھر کی دنیا کا قلب اور ان حالات کی روح ہے جن میں روحانیت کا نام نہیں مذہب کے فنا میں حقیقی انسانی مسرت کا راز پنہاں ہے اخلاقیات، مذہب، مابعد الطبیعیات اور دیگر تمام تصورات سب کے سب حقیقی آزادی کے دشمن ہیں۔ ان کی کوئی تاریخ نہیں تاریخ صرف مادی انسان کی ہے۔

اپنی کتاب "Capital" (سرمایہ) میں لکھتا ہے۔

اخلاقیات، مذہب، مابعد الطبیعیات اور اسی قسم کے دوسرے تصورات اپنا آزاد وجود کہیں نہیں رکھتے۔ ان کی نہ کوئی تاریخ ہے نہ نشوونما بجز اس کے کہ انسان جب اپنے معاشی ذرائع کو نشوونما دیتا ہے تو اس حقیقت کے ساتھ ساتھ اپنے افکار و تفصیلات کو بھی بدلتا رہتا ہے (انہی کا نام مذہب و اخلاقیات ہے) شعور انسانی پر محاکمہ نہیں کرتا۔ انسانی زندگی شعور کا تعین کرتی ہے۔"

کارل مارکس کہتا ہے۔

"خدا کا تصور ایک واہمہ ہے اس عالم کے ارتقائی وجود میں آج کسی بادشاہ یا خدا کے لیے جگہ باقی نہیں۔" (سوشلزم اور اسلام ص ۷۹ مصنفہ شوکت علی گیلانی)

لینن مارکس کہتا ہے۔

"مذہب لوگوں کے لیے افیون ہے اس لیے نظریہ مارکس کی رو سے دنیا کے تمام مذاہب اور کلیسا سرمایہ داری کے آلہ کار ہیں جن کے توسط سے مزدور جماعت کے حقوق کو پامال کیا جاتا ہے اور انھیں فریب دیا جاتا ہے لہٰذا مذہب کے خلاف جنگ کرنا ہر اشتراکی کے لیے ضروری ہے تاکہ دنیا سے مذہب کا وجود ہی

Marfat.com

ٹ جائے۔'' (سوشلزم اور اسلام ص ۴۵ از شوکت علی گیلانی)

''ہمیں مذہب کے خلاف جنگ کرنی چاہیے یہ کام مادی نظریہ اور دوسرے لفظوں میں مارکسی تعلیم کی ابجد ہے طبقاتی جنگ کے ساتھ ساتھ مذہب کے خلاف بھرپور جنگ بھی جاری رہنی چاہیے اور معاشرے کے اندر مذہب کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔'' (کلیات لینن ایڈیشن ۱۹۵۲ ص ۲۷۴)

اشتراکی خصوصیات

نجی ملکیت کا خاتمہ

تمام ذرائع پیدائش دولت حکومت کی تحویل میں چلے جانے سے نجی ملکیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ منافع جو تاجروں زمین داروں اور کارخانہ داروں کی جیبوں میں جاتا ہے وہ حکومت کے خزانہ میں آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح ریاست مالی لحاظ سے بہت مضبوط ہو جاتی ہے کارل مارکس کمیونسٹ پارٹی کے منشور میں لکھتا ہے۔ ''اس تحریک کا مقصد وحید یہ ہے کہ دنیا سے ذاتی ملکیت اور شخصی اور انفرادی حقوق کے خیال کو فنا کر دیا جائے اور اس طرح جب مزدوروں کی جماعت کو تسلط حاصل ہو جائے تو تدریجاً سرمایہ داروں کے تمام املاک وخزائن پر قبضہ کر لیا جائے اور یوں ملکی پیداوار کے تمام وسائل و ذرائع مزدوروں کی جماعت کی حکومت کے ہاتھ میں مرکوز کر دیے جائیں گے۔'' (بحوالہ سوشلزم اور اسلام مصنفہ شوکت علی گیلانی ص ۳۹)

استحصال کا خاتمہ

اجتماعی ملکیت سے استحصال کا خاتمہ ہو جاتا ہے اس نظام کے تحت ذاتی منافع کے حصول کا امکان نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے کسی شعبے میں بھی زیردستوں کے استحصال بند ہو جاتا ہے۔

طبقاتی کشمکش کا خاتمہ

جب تمام پیدائش دولت کے ذرائع ریاست کے قبضہ میں آ جاتے ہیں۔ آجروں کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ جو طبقاتی کشمکش کا سبب ہوتا ہے۔ تو ریاست میں صرف ایک طبقہ رہ جاتا ہے وہ کارندوں کا اور اشتراکی اصول کے مطابق وہی صاحب اقتدار ہوتے ہیں۔

جامع منصوبہ بندی

حکومت ایک جامع منصوبہ بندی کے تحت ذرائع پیدائش دولت کو زیادہ سے زیادہ مفید طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کرتی ہے جس سے ملک کی ضروریات آسانی سے پوری کی جاسکتی ہیں۔

Marfat.com

ضیاع وسائل کا خاتمہ

چونکہ تمام وسائل پیداوار کا استعمال ایک منصوبہ بندی کے تحت ہوتا ہے۔ اس لیے اشیاء ضرورت اتنی ہی مقدار میں پیدا کی جاتی ہیں جتنی ضرورت ہوتی ہے اس سے وسائل کا ضیاع جو سرمایہ دارانہ مقام میں ظہور میں آتا ہے ختم ہو جاتا ہے۔ اس طرح اشتہار بازی کے اخراجات کی وجہ سے اشیاء مہنگی ہو جاتی ہیں۔ اس سے نجات مل جاتی ہے۔

ضروریات زندگی کی فراہمی

پیدائش دولت کے وسائل ریاست کے تحت آ جانے کی وجہ سے عوام کو ضروریات زندگی فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہو جاتی ہے چنانچہ اس نظام کے تحت ہر شخص کو اس کی ضروریات فراہم کی جائیں گی۔ اور عوام کو معاشی تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔

بے جا تفاوت کا خاتمہ

نجی ملکیت میں عوام کی آمدنیوں میں بے جا تفاوت ہوتا ہے ایک طبقہ امیر ترین اور دوسرا نان جویں کا محتاج، اشتراکی نظام سے آمدنیوں میں بے جا تفاوت ختم ہو جاتا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کے منشور کی رو سے سرمایہ داروں نے جو ظلم وتشدد برپا کر رکھا ہے اس کا واحد علاج یہ ہے کہ دنیا سے طبقاتی تفریق کو مٹا دیا جائے عمرانی زندگی کے مصائب والام صرف جماعتی امتیازات کی بنیاد پر ہیں اور اس کا ازالہ مزدوروں کی جماعت کا برسر اقتدار آ کر عالمگیر یکسانیت ومساوات پیدا کرنا ہے۔

ارتکاز دولت کا خاتمہ

ہر شخص کو ریاست اس کی ضرورت کے مطابق اشیاء ضرورت فراہم کرتی ہے اور کسی کے پاس دولت کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے تو اس طرح کسی کے پاس بھی دولت کا ارتکاز نہیں ہو سکتا۔

معاشی ناہمواریوں کا خاتمہ

اس نظام کے تحت سرمایہ دار کا وجود ختم ہو جاتا ہے ریاست ہی تمام دولت کی مالک ہوتی ہے اس وجہ سے معاشی ناہمواریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

بے روزگاری کا خاتمہ

اشتراکی نظام میں عوام کو روزگار مہیا کرنا ریاست کا کام ہے اس وجہ سے ریاست عوام کو ان کی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق روزگار مہیا کرے گی۔

سود کا خاتمہ

اس نظام کے تحت سود کی لعنت ختم ہو جاتی ہے۔ سود کی وجہ سے بے شمار معاشرتی اور اقتصادی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

معاشی بحران کا خاتمہ

کسی ملک میں معاشی بحران کساد بازاری کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ کساد بازاری عموماً زائد از ضرورت پیداوار کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس نظام کے تحت تمام اشیاء ضرورت ملکی طلب کے عین مطابق پیدا کی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے معاشی بحران کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اصلاحات

۱۹۰۷ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان سٹالین کی اصلاحات کی وجہ سے ۲۰ لاکھ کسانوں اور ان کے خاندانوں کو زمینیں مل گئیں۔ جنگ کے دوران ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۷ء تک اصلاحات جاری رہیں۔ جنوری ۱۹۱۶ء تک ایک کروڑ ۶۰ لاکھ میں سے ۶۲ لاکھ خاندان ان اصلاحات سے مستفید ہوئے چنانچہ ۱۹۱۷ء میں جب لینن نے زمینوں کا نعرہ لگایا تو اس وقت تک تین چوتھائی زمین کسانوں کی ملکیت زار کے ان قوانین کی وجہ سے بن چکی تھی۔

خامیاں

انفرادی جدوجہد کے رشتہ کی بندش

ہر انسان کی فطرت میں یہ جذبہ ہے کہ جس کام میں ذاتی فائدہ ہو وہ اس میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے جس کام میں اسے فائدہ نظر نہ آتا ہو تو اس میں دلچسپی نہیں لیتا۔ اشتراکی فلسفہ کی رو سے کسی فرد کو بھی اس کی محنت کا پھل نہیں ملتا بلکہ ریاست کی تحویل میں چلا جاتا ہے۔ ریاست لوگوں کی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ جب کسی فرد کو یہ معلوم ہو کہ وہ کتنا ہی اچھا کام کرے اپنے پیشے میں کتنی ہی مہارت حاصل کر لے اس کی مہارت کا صلہ اس کو نہیں ملے گا اور اس کو ضروریات و احتیاجات کے لحاظ سے اس شخص کے برابر سمجھا جائے گا جو اس سے کم درجہ فن میں مہارت رکھتا ہے تو وہ طبعی طور پر اپنے فن میں دلچسپی لینا ترک کر دے گا اس سے اس کی خداداد صلاحیتوں اور استعدادوں کے تمام سوتے خشک ہو جائیں گے اور انفرادی جدوجہد کے راستے مسدود ہو جائیں گے۔

Marfat.com

جبر و اکراہ

اشتراکی فلسفہ کی رو سے انقلاب کبھی بھی جمہوری طریقہ سے نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تمام وسائل پیدائش پر سرمایہ داروں کے قبضہ ہوتا ہے وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے سیاست پر چھا جاتے ہیں۔ اگر جمہوری طریقہ سے انقلاب لانے کی کوشش کی جائے تو سرمایہ دار طبقہ کبھی بھی اس کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ انقلاب تلوار کی نوک پر لایا جائے اور سرمایہ داروں کی طاقت ختم کرنے کے لیے ان کی جائیدادیں چھین لی جائیں اگر وہ مزاحمت کریں تو ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ روس میں لوگوں کو ان کی جائیدادوں سے زبردستی بے دخل کرنے کے لیے ۱۹ لاکھ نفوس کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ۲۰ لاکھ لوگوں کو سزائیں دی گئیں اور چالیس لاکھ آدمیوں کو ملک چھوڑنا پڑا۔

آمریت کی ترویج

اشتراکی فلسفہ کی رو سے جب ریاست تمام وسائل پیدائش دولت پر قابض ہو جاتی ہے تو برسر اقتدار طبقہ سیاسی لحاظ سے بہت طاقت ور ہو جاتا ہے۔ باقی تمام لوگ اس طبقہ کے سامنے بے بس ہوتے ہیں۔ اس طرح ملک میں آمریت رائج ہو جاتی ہے۔

علم کے راستہ میں رکاوٹ

اس تحریک کا یہ لازمی نتیجہ ہے علم کی ترقی رک جاتی ہے کیونکہ کوئی فرد بھی اپنی اعلیٰ ذہنی استعدادوں کو بروئے کار نہیں لاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر فرد کو یہ معلوم ہے کہ خواہ وہ کتنا ہی ذہنی ترقی کر جائے۔ اس کو وہی ملے گا۔ جس کی اس کو ضرورت ہے تو اس طرح اس کے دل میں علمی ترقی کی تڑپ ختم ہو جاتی ہے۔

آزاد معاشرے کا فقدان

جب تمام وسائل پیدائش دولت برسر اقتدار طبقہ کے ہاتھ میں آ جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آزاد معاشرے کا وجود ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ آزاد معاشرہ اس وقت وجود میں آتا ہے۔ جب برسر اقتدار طبقہ اور عوام کے درمیان سیاسی رشتہ قائم ہو اور حاکم طبقہ عوام کے سامنے جواب دہ ہوں۔ اشتراکی فلسفہ کی رو سے عوام برسر اقتدار طبقہ کے اقتصادی غلام بن جاتے ہیں اور وہ برسر اقتدار طبقے کے خلاف کسی قسم کی آواز اٹھا نہیں سکتے اس طرح اشتراکی نظام حکومت میں آزاد معاش سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

غیر فطری نظام

اشتراکی نظام غیر فطری اور غیر طبعی ہے۔ یہی وجہ ہے اشتراکی نظام اپنی صحیح صورت میں کسی ملک

Marfat.com

میں رائج نہیں ہو سکا۔ جب اس نظام کو روس میں عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو اس کے بنیادی اصولوں میں تبدیلی کرنا پڑی۔ عوام کو ایک حد تک ذاتی ملکیت رکھنے کی اجازت دی گئی اور اجرتوں میں بھی امتیاز قائم رکھا۔

اجرتوں میں فرق قائم رکھا گیا۔ ۱۹۵۲ء میں ایک نامہ نگار نے مندرجہ ذیل رپورٹ شائع کی۔

''سویٹ چیمبر آف کامرس کے صدر کو سولہ ہزار روبل ماہانہ ملتے ہیں جبکہ وزیروں کی تنخواہیں بیس ہزار روبل اور اکیڈمی آف سائنس کی تنخواہ تیس ہزار روبل ماہانہ ہے۔''

خطرناک زوال

جب برسر اقتدار طبقے اور عوام کا رشتہ سیاسی منقطع ہو جاتا ہے تو حکومت زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ حکومت کی زندگی کا دار و مدار ہی عوام پر ہے نظام اشتراکی برسر اقتدار طبقے اور عوام کے درمیان رشتہ سیاسی منقطع کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برسر اقتدار طبقے کے انتخاب میں عوام کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اشتراکی حکومت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔

مذہب کا انکار

اشتراکیت ایک معاشی اور عمرانی تحریک تھی۔ کارل مارکس کے دور میں سرمایہ داروں کا غلبہ تھا مزدور ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے۔ کلیسا سرمایہ داروں کو تحفظ دے رہا تھا۔ کلیسا کے اس عمل کا یہ رد عمل ہوا کہ کارل مارکس نے مذہب سے انکار کر دیا۔ وہ اپنی کتاب **Crilique of the Philisophy of law of Hegel** میں لکھتا ہے۔

''مذہب انسانی ذہن کی پیداوار ہے۔''

اپنی ایک اور کتاب سرمایہ (Capital) میں لکھتا ہے۔

اخلاقیات، مذہب، مابعد الطبیعیات اور اس قسم کے دوسرے تصورات اپنا آزاد وجود کہیں نہیں رکھتے ان کی نہ کوئی تاریخ ہے نہ نشو و نما بجز اس کے انسان جب اپنے معاشی ذرائع کو نشو و نما دیتا ہے تو اس حقیقت کے ساتھ ساتھ اپنے افکار و تخیلات کو بھی بدلتا رہتا ہے (انہی کا نام اس کے مذہب اور اخلاقیات و اقدار ہے) شعور انسانی زندگی پر محاکمہ نہیں کرتا۔ انسانی زندگی شعور کا تعین کرتی۔

لینن مارکس کے حوالہ سے لکھتا ہے۔

''مذہب لوگوں کے لیے افیون ہے۔'' **(Lenin P 240)**

جب اشتراکی نظریہ کی رو۔ سے مذہب واہمہ ہے۔ افیون ہے تو لازمی طور پر اشتراکی نظریہ اخلاقی قدریں بھی اشتراکی نظریہ کے مطابق ہوں گی۔ ان اخلاقی اقدار کی بنیاد مذہب نہیں ہوگا۔ اشتراکی منشور میں واضح طور پر مرقوم ہے۔

''کمیونزم اخلاقی اقدار کا خاتمہ کرتا ہے۔'' (اسلام اور اشتراکیت مصنفہ صادق محمد ص ۳۸)

ایک مشہور کمیونسٹ ادیب کا فقرہ ہے۔ ''میرے سامنے اگر ایک طرف اخلاق رکھ دیا جائے اور دوسری طرف پاجامہ تو میں پاجامے کو اخلاق پر ترجیح دوں گا۔'' (اسلام اور اشتراکیت از صادق محمد ص ۳۸)

لینن نے ۱۹۲۰ء میں یوتھ کمیونسٹ لیگ کی تیسری کانگریس میں کہا تھا۔

ہم ان تمام ضوابط اخلاق کو مسترد کرتے ہیں جو کسی مافوق البشر سرچشمہ یا غیر طبقاتی تصور کے پیدا کردہ ہوں۔ ہم اعلانیہ کہتے ہیں کہ اخلاقیات کا اس قسم کا تصور فریب ہے، دھوکا ہے۔ یہ تصور زمینداروں اور سرمایہ داروں کے مفاد کے تحفظ کی خاطر محنت کشوں اور کاشت کاروں کے دلوں کو تاریکی اور دھند میں رکھنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا ضابطہ اخلاق، محنت کشوں کی طبقاتی جنگ کے مفاد کے تابع ہے۔ یہی ہمارے ضابطہ اخلاق کا سرچشمہ ہے۔ سرمایہ داروں کا دعویٰ ہے کہ ان کا ضابطہ اخلاق احکام خداوندی پر مبنی ہے۔ (ہم اس کو ٹھکراتے ہیں) ہم خدا...... کچھ نہیں جانتے ہم اسے مانتے ہی نہیں۔ اخلاق انسانی معاشرہ ہی کا نام ہے۔ اس سے ماوراء جو کچھ ہے فریب ہے ہم کسی ابدی صداقت کے قائل نہیں۔ اس قسم کے اخلاق کے متعلق جس قدر افسانے وضع کیے گئے ہیں ہم ان سب کا پردہ چاک کر کے رکھ دیں گے۔

(Morx-Engels-Markism P.461-465)

فلسفہ اشتراکیت پر ناقدانہ نظر

فلسفہ اشتراکیت کی رو سے کوئی شے علیٰ حالہٖ قائم رہ ہی نہیں سکتی اضداد کی جنگ جاری ہے۔ ایک طبقہ پیدا ہوتا ہے پھر اسی میں سے اس کی ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ دونوں کی کشمکش سے تیسرا طبقہ پیدا ہوتا ہے جو دو طبقوں کی خوبیاں اپنے اندر سمو لیتا ہے اور خامیاں پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ جنگ و پیکار جاری رہتا ہے تا آنکہ ایک ایک لاجماعتی معاشرہ وجود میں آ جائے۔ یہ ایک لازمی امر ہے جب معاشرہ لاجماعتی وجود میں آ جاتا ہے تو پھر کشمکش باقی نہ رہے گی اور نہ سلسلہ ارتقاء جاری رہے گا۔ گویا لاجماعتی معاشرہ ایک جمود کی شکل اختیار کر جائے گا جبکہ مارکس کے فلسفہ کی رو سے کوئی شے جامد نہیں رہ سکتی۔ اس میں تغیر واقع ہوگا۔ دوسری طرف لاجماعتی معاشرہ کے قیام کے بعد تاریخ کا وہ عمل رک جاتا ہے گویا اشتراکی فلسفہ تضادات کا شکار ہے۔ ایک طرف طبقاتی کشمکش سے سلسلہ ارتقاء جاری ہے دوسری طرف غیر طبقاتی معاشرہ کے قیام کے بعد سلسلہ ارتقاء ختم ہو جاتا ہے۔

فلسفہ اشتراکیت کی رو سے طبقاتی جنگ منظم مربوط اور منطقی طریقے سے جاری ہے۔ ایک چیز ہے اسی سے اس کی ضد پیدا ہوتی ہے دونوں کی کشمکش سے ایک تیسری شے پیدا ہوتی ہے جو پہلی دونوں اشیاء کے محاسن اپنے اندر لے لیتی ہے اور خامیوں کو پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔ تیسری نمودار ہونے والی چیز پھر جدل و

Marfat.com

پیکار کی ایک کڑی بن جاتی ہے۔ پھر طبقاتی کشمکش شروع ہو جاتی ہے سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہر صاحب دانش یہ جانتا ہے۔ اس قسم کی مربوط صورت کے پیچھے ایک صاحب بصیرت قوت محرکہ ہونی چاہیے لیکن کارل مارکس کسی ایسی قوت کا قائل نہیں بلکہ وہ کہتا ہے یہ سلسلہ ''تاریخ کی قوت'' سے چل رہا ہے۔ جبکہ تاریخ خود حوادث رفتہ کا نام ہے۔ اس کا ظہور کسی دوسری قوت کا محتاج ہے محتاج چیز کسی منظم مربوط اور منطقی طریقہ کار کو آگے نہیں بڑھا سکتی۔

کارل مارکس کے نزدیک یہ ایک ایسی اٹل تحریک ہے جو تاریخ کی قوت سے چل رہی ہے۔ جس کے چلانے میں کسی انسانی قوت کا عمل دخل نہیں یہ خود ہی ایک غیر طبقاتی معاشرہ پر منتج ہو جائے گی۔ جب کہ اشتراکین کا عمل اس کے برخلاف ہے۔ وہ غیر طبقاتی معاشرہ قائم کرنے اور مزدوروں کے حقوق دلانے کے لیے مزدوروں کو سرمایہ داروں کے خلاف اکساتے اور ابھارتے ہیں۔ ان کے نزدیک غیر طبقاتی معاشرہ کی تشکیل کے لیے سرمایہ داروں کو نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔ لینن اپنی کتاب ''ریاست اور انقلاب'' (State and Revolution) میں لکھتا ہے کہ سرمایہ داری نظام حکومت کی جگہ اشتراکی حکومت کا برسراقتدار لانا تشدد آمیز انقلاب کے بغیر ناممکن ہے۔

مارکس لکھتا ہے۔

''سرمایہ داروں نے جو ظلم و تشدد برپا کر رکھا ہے اس کا واحد علاج یہ ہے کہ دنیا سے جماعتی تفریق کو مٹا دیا جائے عمرانی زندگی کے مصائب و آلام صرف جماعتی امتیازات کی بناء پر ہیں اور اس کا آزالہ مزدوروں کی جماعت کا برسراقتدار آ کر عالمگیر یکسانیت و مساوات پیدا کرنا...... اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ دنیا سے ذاتی ملکیت اور شخصی اور انفرادی حقوق کے خیال کو فنا کر دیا جائے اور اس طرح جب مزدوروں کی جماعت کو تسلط حاصل ہو جائے تو تدریجاً سرمایہ داروں کے تمام املاک و خزائن پر قبضہ کر لیا جائے۔ یہ مقاصد صرف اس طرح حاصل ہو سکتے ہیں کہ موجودہ نظام معاشرت کو مسلح قوت کے ذریعہ تباہ و برباد کر دیا جائے۔''

کارل مارکس ایک طرف یہ کہتا ہے طبقاتی جنگ تاریخ کی قوت سے جاری ہے یہ خود بخود غیر جماعتی معاشرہ پر منتج ہو جائے گی۔ دوسری طرف غیر جماعتی معاشرہ کے قیام کے لیے سرمایہ داروں کو فنا کے گھاٹ کے اتارنے کی تلقین کر رہا ہے اور کہتا ہے سرمایہ داروں کو تباہ و برباد کیے بغیر یہ غیر جماعتی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا۔ گویا نظریہ اور عمل میں بعد المشرقین ہے۔

اشتراکیت کے چار اصول اور ان پر تنقید

اشتراکیت کے چار بنیادی اصول ہیں۔

ا۔ طبقات کو ختم کر کے غیر جماعتی معاشرہ قائم کرنا۔

Marfat.com

۲۔ اشتراکی نظام کے استحکام کے لیے پرولتاری آمریت قائم کرنا۔

۳۔ ذرائع پیداوار اور ثروت پر جابرانہ قبضہ۔

۴۔ بقدر طاقت عمل اور بقدر عمل اجرت کی بنیاد پر دولت کی تقسیم۔

اصول اوّل

اشتراکین کا یہ نظریہ ہے انفرادی ملکیت کی وجہ سے معاشرہ دو حصوں میں بٹ چکا ہے سرمایہ دار اور مزدور، ایک امیر اور دوسرا غریب۔ یہ طبقاتی تقسیم اشتراکی اصول کے خلاف ہے لہٰذا یہ طبقاتی تقسیم ختم کر کے ایک غیر جماعتی معاشرہ قائم کیا جائے۔

اشتراکیت اقتصاد کی بنیاد پر معاشرہ کو دو حصوں (سرمایہ دار اور مزدور) میں تقسیم کرنے میں غلطی پر ہے۔ جبکہ معاشرہ کو تقسیم کرنے کے اور بھی کئی عوامل ہیں۔ کبھی معاشرہ مذہب کے نام پر تقسیم ہوتا ہے اور کبھی سیاست کے نام پر حتیٰ کہ رنگ و نسل کے لحاظ سے بھی معاشرہ کئی حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ لہٰذا معاشرہ کو صرف اقتصاد کی بناء پر تقسیم کرنا اشتراکیت کی بنیادی غلطی ہے جس طرح اقتصاد کے لحاظ سے تقسیم جور و ستم کا سبب بنتی ہے اور معاشرتی زندگی کے لیے سم قاتل ہے اس طرح دیگر وجوہ کی بناء پر معاشرتی تقسیم نقصان دہ ہے۔

اشتراکی انقلاب کے بعد کیا ضمانت ہے کہ اشتراکی معاشرہ میں اقتصادی تقسیم کے علاوہ دیگر تقسیم کرنے والے عناصر ختم ہو جائیں گے۔ روس میں اشتراکی انقلاب آیا۔ کیا اس وقت مذہبی تقسیم ختم ہو گئی تھی۔ روسی معاشرہ ویسے ہی مذہب کی بنیاد پر تقسیم تھا۔ جیسا کہ پہلے تھا اس طرح نسلی اعتبار سے بھی تقسیم پائی جاتی ہے۔ مذہبی اور نسلی طبقاتی تقسیم کے علاوہ اشتراکیت اقتصادی تقسیم کو بھی ختم نہیں کر پائی کیونکہ اشتراکی نظام میں بحسب عمل دولت کی تقسیم خود بھی طبقیت پیدا کر دیتی ہے۔ لوگ مختلف استعدادوں اور قوتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ زیادہ قوت والا شخص زیادہ محنت کا معاوضہ پائے گا۔ تاریخ بتاتی ہے اشتراکی معاشرہ سیاسی لحاظ سے بھی منقسم ہو جاتا ہے۔ ایک وہ طبقہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں عنان حکومت ہوتی ہے وہ سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے ان کی مخالفت موت کو آواز دینے کے مترادف ہے جیسا کہ روس کی تاریخ بتاتی ہے کہ جس نے بھی حکمران قیادت کی مخالفت کی۔ اس کی زندگی جہنم کا ایندھن بن گئی۔ اشتراکی اور غیر اشتراکی معاشرے میں فرق صرف یہ ہے کہ غیر اشتراکی معاشرہ میں سیاسی حکمران طبقہ سرمایہ دار ہوتا ہے جبکہ اشتراکی معاشرہ میں صاحب فکر سیاسی حضرات وغیرہ۔ ظلم و ستم دونوں معاشروں (اشتراکی اور غیر اشتراکی) میں مشترکہ عنصر ہے۔ غیر اشتراکی معاشرہ میں سرمایہ دار مذہبی اور فوجی طبقے کی معاونت سے سیاست پر غالب ہیں۔ جبکہ اشتراکی معاشرہ میں اپنی جمع کردہ طاقت سے مخالفین خواہ وہ اشتراکی کیوں نہ ہوں، کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اشتراکیت نے جو غیر طبقاتی نعرہ بلند کیا تھا۔ وہ محض دھواں تھا۔ جو ہوا میں اڑ گیا۔ اس کا

Marfat.com

کوئی وجو نہیں۔

کیمونسٹ مفکر رقمطراز ہے "روس کے اندر طبقہ واریت پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ یہاں امراء بھی ہیں اور غرباء بھی غالب ہیں اور مغلوب بھی ان کے معیار زندگی میں نمایاں فرق ہے۔ ریل کے ڈبوں، جہازوں اور ریستورانوں میں مختلف درجوں کا پایا جانا اس طبقہ واریت کی کھلی اور بین دلیل ہے۔ خوش نصیب لوگ صحت افزاء مقامات پر بڑے بڑے محلات میں نہایت آرام وعیش کی زندگی بسر کرتے ہیں مگر بہت سے سیاہ بخت جھونپڑیوں تک کے محتاج ہیں۔"

اشتراکیت کا دوسرا اصول

پرولتاری کی حکومت قائم کرنے کے لیے تشدد آمیز انقلاب ضروری ہے۔ چنانچہ لینن اپنی کتاب ریاست اور انقلاب "State and Revolution" میں لکھتا ہے۔

"سرمایہ داری نظام حکومت کی جگہ اشتراکی حکومت کا برسراقتدار آ جانا تشدد آمیز انقلاب کے بغیر ناممکن ہے۔"

اس کتاب میں دوسری جگہ انجلو کے ایک مقالہ کا اقتباس دیتے ہوئے لینن لکھتا ہے۔

انقلاب ایک ایسا عمل ہے جس کی رو سے آبادی کا ایک حصہ دوسرے حصہ پر اپنا اختیار و تسلط، قوت و استیلا، نوک شمشیر، گولیوں کی بوچھاڑ اور آتشیں گولوں کے دھماکوں سے زبردستی کر لیتا ہے۔ ڈکٹیٹر شپ کے متعلق سٹالن (Stalin) اپنی کتاب لینن ازم (Leninism) میں خود لینن کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ:

ڈکٹیٹر ایسی مختار عام ہستی کا نام ہے جس کا وجود قاطبۃً قوتوں کے ہجوم پر مبنی ہو۔ ایسی مطلق العنان ہستی جو کسی قانون اور ضابطہ کی پابند نہ ہو۔ آئینی نظام حکومت کے علمبردار سن لیں اور خوب غور سے سن لیں کہ ڈکٹیٹر شپ کے معنی ہیں قوت غیر محدود اور قاہرہ قوت جو جبر واکراہ پر مبنی ہو اور جسے آئین و دستور اور قانون وشریعت سے کچھ سروکار نہ ہو۔

مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ پرولتاری نظام قائم کرنے کے لیے بھی مار دھاڑ اور قتل وغارت لازمی ہے۔ پھر اس نظام کے برقرار رکھنے کے بھی ڈکٹیٹر شپ کی ضرورت ہے۔ ڈکٹیٹر شپ کی سٹالن نے جو تعریف کی ہے۔ وہ اوپر گزر چکی ہے۔ جو نظام زندگی میں مار دھاڑ کے ذریعہ وجود میں آتی ہے اور اپنے وجود قائم رکھنے کے لیے ایک آمر کا محتاج ہے۔ وہ نظام غیر فطری نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ دنیا کا کوئی مفکر نہیں جو آمریت کو پسند کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے جس ملک میں نظام اشتراکیت آیا ہے۔ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ اس نظام میں تبدیلیاں کرنی پڑیں اور آمریت کی جگہ لفظ جمہوریت نے لے لی۔ کسی حد تک نجی ملکیت کی بھی اجازت دے دی گئی۔ اس دور میں اشتراکیین خود ہی اپنے وضع کردہ اصول نظام آمریت

Marfat.com

سے ہٹ گئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اس نظام کے کھوکھلا پن ہونے کی کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

تیسرا اصول

انفرادی حق ملکیت کا خاتمہ اور ثروت اور ذرائع پیداوار پر اشتراکی قبضہ ہے۔ کارل مارکس کیمونسٹ پارٹی کے منشور میں لکھتا ہے۔

''اس تحریک کا مقصد وحید ہے کہ دنیا سے ذاتی ملکیت اور شخصی انفرادی حقوق کے خیال کو فنا کر دیا جائے اور اس طرح جب مزدوروں کی جماعت کو تسلط حاصل ہو جائے تو تدریجا سرمایہ داروں کے تمام املاک وخزائن پر قبضہ کر لیا جائے اور یوں ملکی پیداوار کے تمام وسائل و ذرائع مزدوروں کی جماعت کی حکومت کے ہاتھ میں مرکوز کر دیے جائیں۔''

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار مارکس اور لینن کے حوالے سے لکھتا ہے۔

مشترکہ ملکیت اور وسائل پیداوار کا اجتماع انفرادی و شخصی حقوق و املاک کا مکمل انقطاع سوشلسٹوں کا نصب العین۔

زرعی مسئلہ کے بارے میں لینن لکھتا ہے۔

زمین کا قومیانہ جس کا مطلب زمین کی نجی ملکیت کا خاتمہ ہے۔ حقیقت میں تمام نجی ذرائع پیداوار پر بالعدم ایک کاری ضرب لگا۔ ئے گا اس لیے مزدوروں کو چاہیے کہ وہ ہر ممکن طریقے پر ان اصلاحات کے نفاذ میں مدد کریں۔ (Lenin selected works P.98)

نجی ملکیت کا جذبہ طبعی ہے یہی وہ جذبہ محرکہ ہے جو زیادہ سے زیادہ حصول کی طرف لے جاتا ہے۔ نجی ملکیت کے خاتمہ سے یہ طبعی جذبہ بھی سرد پڑ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے محنت اور سعی کا عمل رک جاتا ہے۔ اس طرح جب نجی ملکیت کے بعد ریاست کے قبضہ میں آ جاتی ہے تو انسان دو وقت کی روٹی کے لیے ایوان مقتدرہ کا محتاج ہو جاتا ہے۔ اس سے اس کی آزادی ختم ہو جاتی ہے وہ ایک قسم کا ریاست کا غلام بن جاتا ہے۔ یہ بھی غلامی کی ایک شکل ہے۔

اشتراکیت کا چوتھا اصول

تقسیم دولت بسبب عمل ہے۔ یعنی اشتراکی نظام میں جب طبقاتی تقسیم ختم ہو جاتی ہے۔ ملکیت کی کوئی بنیاد سوائے عمل کے کچھ باقی نہیں رہتی اور عمل ہی قیمت کی بنیاد ہوتا ہے یعنی جو شخص جس قدر زیادہ عمل کرے گا اس کی قدر قیمت پائے گا۔ یہ اصول خود ہی طبقیت کو جنم دیتا ہے کیونکہ تمام انسان ایک جیسی استعدادوں کے مالک نہیں ہوتے اچھی استعدادوں والا شخص زیادہ محنت کرے گا۔ وہ زیادہ قیمت پائے گا۔ جو شخص کم استعدادوں کا مالک ہے وہ کم قیمت پائے گا۔ اس طرح ایک طبقاتی معاشرہ وجود میں آ جائے گا۔

اس تضاد کے دو ہی حل ہیں ایک تو اپنے اصول کے تحت ایک نئے معاشرہ کو جنم دے جس کے خلاف تمام اشتراکیین نے دن رات کوشش کی تھی۔ دوم اپنے اصول سے دست بردار ہو کر اعلیٰ استعدادوں والے ہنرمند مزدوروں کی اجرت کا ایک حصہ کاٹ لے تاکہ تقسیم مساوی طریقے سے ہو اور طبقاتی تقسیم وجود میں نہ آئے یہ ایک سرمایہ دارانہ سرقہ ہے۔ اس کے خلاف کارل مارکس نے لڑائی لڑی تھی کہ سرمایہ دار مزدور کی محنت کی پوری اجرت نہیں دیتا۔ مزدور نے اپنی مقرر کردہ اجرت سے جو زیادہ کمایا ہے کارل مارکس اس کو زائد قدر کا نام دیتا ہے یہ اس کا نفع ہے۔ کارل مارکس کے نزدیک یہ نفع ہی سرقہ ہے۔

جدلی عمل اور اسلام

ہیگل اور کارل مارکس کے فلسفہ جدلیت پر مختصراً بحث کی جاچکی ہے ہیگل اپنے فلسفہ جدلیت کی بنیاد تصورات پر رکھتا ہے کہ تصورات میں کشمکش اور جدل و پیکار جاری ہے۔ کوئی تصور مکمل نہیں۔ اس لیے ہر آن ان میں تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں ہر نا تمام تصور سے ایک بہتر تصور نمودار ہوتا ہے۔ کارل مارکس اس فلسفہ جدلیت کا بنیاد مادیت پر رکھتا ہے۔ کارل مارکس نے اضداد کی جنگ و پیکار کو درست قرار دیا لیکن یہ کہا یہ کشمکش اور جنگ و جدل تصورات میں نہیں بلکہ مادیت ہی کی دنیا میں یہ ہنگامہ آرائی ہے اور انسان کی ساری تاریخ اسی طبقاتی جنگ کی داستان ہے۔

اسلام بھی قرآن مجید میں اضداد کی تعلیم دیتا ہے۔ کہیں ظلمت اور نور کا ذکر کرتا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۗ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (بقرہ ۲:۲۵۷) اللہ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لاتے ہیں وہ ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے ولی شیطان ہیں وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیرے کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہی آگ والے ہیں اور وہ اسی میں رہیں گے۔

اس آیت کریمہ میں نور اور ظلمت، ظلمت اور نور کا ذکر کیا ہے۔ دونوں ضدین ہیں۔

قرآن میں کسی جگہ اضداد کا ذکر حی اور میت کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ. (الروم ۳۰:۱۹) مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ. (الانعام ۶:۹۵) (زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے)

کسی جگہ اضداد کو اعمیٰ اور بصیر کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَا یَسْتَوِی

Marfat.com

الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرِ. (فاطر ۳۵:۱۹) اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اس آیت کے آگے اضداد ظلمت اور نور، ظل اور حرور اور احیاء اور اموات کا ذکر ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ. (فاطر ۳۵:۲۰.....۲۲) اور نہ اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور دھوپ اور نہ ہی زندے اور مردے برابر ہیں۔

اس طرح ایمان اور کفر، جنت و دوزخ بھی ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے قرآن کی رو سے حی کون ہے اور میت کون ہے۔ اعمٰی اور بصیر کون ہیں؟ بصیر اور مومن وہ ہیں جو قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصولوں کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ اسی طرح میت اعمٰی اور کافر وہ ہیں جو قرآنی ضابطہ حیات کو چھوڑتے ہیں یہی لوگ اصحاب النار ہیں گھاٹا پانے والے ہیں۔ ناکام و نامراد ہیں۔ ہیگل اور مارکس کے نزدیک تصورات اور مادیت میں جنگ و جدل خود بخود جاری ہے اور جاری رہے گی لیکن اسلام کے نزدیک یہ اضداد قرآنی اصولوں کو اختیار کرنے اور چھوڑنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب ایک شخص یا قوم قرآنی اصولوں پر عمل پیرا ہے وہ حی اور بصیر اور مومن ہے۔ جو ان اصولوں کو چھوڑ جاتا ہے تو وہی شخص یا قوم میت اور کافر کے زمرہ میں آ جاتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک ان اضداد کے پیچھے قرآنی ضابطہ کارفرما ہے اگر قرآنی ضابطہ پر عمل کیا جائے تو مثبت نتیجہ نکلتا ہے اور چھوڑ دیا جائے تو منفی نتیجہ پیدا ہوتا ہے گویا قرآنی ضابطہ پر عمل کرنے اور نہ کرنے سے یہ اضداد وجود میں آتے ہیں۔ گویا ہیگل اور کارل مارکس کا یہ ادّعا بالکل غلط ہے کہ اضداد میں جدل و پیکار کا نتیجہ ہمہ بہتر صورت میں نکلتا ہے۔ لیکن اسلام کے نزدیک قرآنی اصولوں پر عمل کرنے سے اچھا نتیجہ اور اصولوں کو چھوڑنے سے برا نتیجہ نکلتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی غلط ہے کہ اضداد کی مصالحت سے ایک نئی چیز پیدا ہوتی ہے جو پہلے دونوں طبقات کی خوبیاں اپنے اندر رکھتی ہے۔ لیکن اسلام کی رو سے اچھائی اور برائی کا تعلق قرآنی اصولوں پر عمل کرنے اور چھوڑنے سے ہے۔

تاریخ کی روشنی میں جب فلسفہ اضداد کا مطالعہ کیا جائے تو اسلامی فلسفہ کی صداقت واضح ہوتی ہے۔ جب کسی فرد اور قوم نے خدا کے ضابطہ کی خلاف ورزی کی تو وہ فرد اور قوم تباہ و برباد ہوگی۔ قرآن مجید نے بھی ان افراد اور اقوام کا ذکر کیا ہے۔ جنھوں نے ضابطہ الٰہی کی مخالفت کی وہ افراد اور قومیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ جن افراد اور اقوام نے الٰہی احکام کی پیروی کی وہ ترقی کے راستہ پر گامزن ہو گئیں۔ مسلمانوں کی مثال ہمارے سامنے ہے جب تک ان اصولوں پر گامزن رہے جن پر چل کر کوئی قوم ترقی کر سکتی ہے۔ ترقی کی منازل طے کرتے چلے گئے۔ جب خدا کے فرامین کو بھلا دیا تو وہ تنزل کی اتھاہ گہرائیوں میں گر گئے۔ مسلمان اس وقت تک ترقی حاصل نہیں کر سکتے ہیں جب تک قرآنی اصولوں پر کاربند نہیں ہوتے یہی وہ کلیہ ہے جس کے متعلق قرآن کا فیصلہ ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا

Marfat.com

(فاطر ۳۵: ۴۳) تو اللہ کے اصول میں تبدیلی نہیں پائے گا۔

ہیگل کا یہ فکر بھی غلط ہے کہ ہر تصور ایک خاص نہج پر پہنچ کر اپنی ضد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسلام کے نزدیک ہر وہ تصور یا نظریہ جس کی بنیاد صحیح ہے اس کے اندر کوئی منفی پہلو پیدا نہیں ہوتا۔ ضد یا منفی پہلو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس نظریہ پر افراط و تفریط سے عمل کیا جائے۔ یہی صعودی اور نزولی غلو ہے اسلام نے غلو سے روکا ہے جو ضد پیدا کرتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (النساء ۴: ۱۷۱۔ المائدہ ۵: ۷۷) اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ غلو افراط سے بھی ہوتا ہے اور تفریط سے بھی۔ جب نظریہ میں غلو پیدا ہوگا۔ تو اس کے منفی اثرات نمودار ہوں گے۔ اسی لیے سورہ فاتحہ میں افراط اور تفریط سے بچنے اور اعتدال پر قائم رہنے کی دعا سکھائی ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ o صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحہ ۱: ۵......۷) ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا نہ ان لوگوں کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ وہ جو گمراہ ہوئے۔

صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو افراط اور تفریط سے پاک ہو۔ منعم وہ لوگ ہیں جو افراط اور تفریط میں مبتلا نہیں ہوتے اور مغضوب علیہم والضالین وہ لوگ ہیں جو افراط اور تفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ پس اسلام کی رو سے اس نظریہ اور تصور میں ضد اور منفی عنصر ظاہر ہوتا ہے جو افراط اور تفریط کا شکار ہو۔ صراط مستقیم یعنی اعتدال کا رستہ اختیار کرنے کی وجہ سے ہی قرآن مجید نے امت مسلمہ کو امت وسطیٰ کہا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ ۱۴۳) اس طرح ہم نے تم کو امت وسطیٰ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔

چونکہ یہ کتاب اسلام کے اقتصادی نظام پر لکھی جارہی ہے اس لیے اقتصادی نظام کے ایک کلیہ کی مثال دے کر اپنے مدعا کو مزید واضح کرتا ہوں وہ ہے پیدائش دولت اور تقسیم دولت۔ دور حاضر میں پیدائش دولت اور تقسیم دولت میں ہی افراط اور تفریط سے کام لیا گیا ہے۔ سرمایہ داری نظام نے پیدائش دولت اور تقسیم دولت پر بغیر کسی پابندی کے فرد کو مطلق العنانی دے رکھی ہے۔ یہ افراط کا رستہ ہے اس افراط کے بطن سے دوسرا نظریہ اشتراکیت پیدا ہوا اس نظریہ نے تفریط سے کام لیا یعنی پیدائش دولت اور تقسیم دولت کے اختیارات سلطنت کے حوالے کر دیے۔ اب دنیا ان دو نظاموں یعنی سرمایہ داری اور اشتراکیت کی وجہ سے آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑی ہے اس کے برعکس اسلام کا اقتصادی نظام اعتدال پر قائم ہے جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ یہی نظام دنیا کو آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچا سکتا ہے۔

مارکس اور مذہب

اشتراکیین نے جہاں سرمایہ داری کو مزدوروں کے لیے وبال جان قرار دیا وہاں مذہب کو مورد الزام ٹھہرا کر معاشرہ کو اس سے پاک کرنے کی تلقین کی ہے۔ لینن لکھتا ہے۔

Marfat.com

"سرمایہ داری کی غیر مرئی قوتوں نے ذہن انسانی میں ایک ڈر کی صورت پیدا کر دی ہے جس سے ایک حاکم اعلیٰ کے تخیل کی بنیاد پڑی۔ اسے انسان نے خدا کے نام سے پکارنا شروع کر دیا سو جب تک خدا کا تخیل ذہن انسانی سے فنا نہ کر دیا جائے یہ لعنت کی طرح دور نہیں ہو سکتی۔

(C.F.Hammer and sickle mark patirick)

ایک اور جگہ لکھتا ہے۔

"مذہب لوگوں کے لیے افیون ہے۔" (Lenin P.240)

پھر لینن کہتا ہے۔ "مذہب کو تباہ کرنا اور دہریت کو فروغ دینا ہمارا مقصد اولین ہے۔" (لینن ۲۴۳)

ایک مارکسٹ کے لیے مادہ پرست ہونا ضروری ہے یعنی مذہب کا دشمن۔ لیکن جدلی مادیت پرست ہونا چاہیے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے مذہب کی مخالفت محض نظری اور تجریدی (Abstract) طریق سے نہیں کرنی چاہیے اسے عوامی جدوجہد کے ذریعے مذہب کی مخالفت کرنی چاہیے۔ (صفحہ ۲۴۵)

انجلز کہتا ہے۔

مذہب اس کے سوا کچھ نہیں کہ جو خارجی قوتیں انسان کی روزمرہ کی زندگی کو کنٹرول کرتی ہیں۔ ان کا عکس انسانی ذہن پر منعکس ہو جاتا ہے۔ (Anti Duhring)

فیورباخ کہتا ہے۔

فطرت اور انسان کے سوا کائنات میں کسی شے کا وجود نہیں وہ بلند و بالا ہستیاں جن کا وجود مذہبی افسانہ گروں نے تراش کر رکھا ہے۔ خود اپنی ہی ذات کے طلسمی عکس ہیں۔

(Essence of Christianity)

اشتراکیین نے جن مذاہب کو سامنے رکھ کر تنقید کا نشانہ بنایا ہے وہ یونان قدیم، روم کے مذاہب، عیسائیت اور یہودیت تھے۔ جیسا کہ برفو (Robert Briffcult) لکھتا ہے۔

عیسائیت کا جرم یہ ہے کہ اس نے اپنی ساری تاریخ میں ہمیشہ استبداد کا ساتھ دیا ہے اور اسے قوت بہم پہنچانے کا ذریعہ بنی ہے سوائے ان حالات کے جہاں خود کلیسا کا مفاد غریبوں کے مفاد کے ساتھ وابستہ ہو گیا تھا۔ اس نے کبھی اپنا اثر و قوت کمزوروں کی آزادی اور مستبد قوتوں کے مظالم کی روک تھام میں صرف نہیں کیا۔ اس کے برعکس اس نے ہمیشہ جور و ستم اور جبر و استبداد کی حمایت کی۔"

اس کے بعد برفو ہسپانیہ کے پروفیسر ڈاکٹر فالٹیڈ گریسیا (Dr Faltade Gracia) کے الفاظ نقل کرتا ہے۔

"عیسائیت میں عدل کا تصور بھی اسی طرح نامانوس ہے جس طرح ذہنی دیانت کا۔ یہ اس کے تصور اخلاق سے یکسر باہر شے ہے عیسائیت نے ان لوگوں سے تو شفقت و ہمدردی کا اظہار کیا جن پر ظلم و ستم

Marfat.com

ہوں لیکن خود ظلم وستم سے ہمیشہ تسامح برتا ہے۔" (The Marking of Humanity P 322)

یہ ہے وہ عیسائیت جو یورپ کا مذہب تھی۔ اس طرح اشتراکیین نے اس نظر سے یورپ کے دیگر مذاہب کو دیکھا۔ لیکن ان کی یہ تنقید تمام مذاہب خصوصاً اسلام کو مزدوروں کا دشمن سمجھنا اور سرمایہ دار کی حمایت کرنا عدم علمی پر مبنی ہے۔

اشتراکیین کا ابطال

اشتراکیین کا پادریوں کی سرمایہ داریوں کی حمایت کرنے کی وجہ سے فلسفہ مذہب کو جھٹلانا جہالت پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اشتراکیت کی نمو کے وقت پادریوں اور سرمایہ داروں کے مفادات ایک تھے۔ اس وجہ سے پادریوں کی حمایت کا پلڑا سرمایہ داروں کی طرف جھکا ہوا تھا۔ اس کا فلسفہ مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ پادریوں کی حمایت کی وجہ سے مذہب کی جڑ پر تبر رکھ کر دینا سراسر جہالت ہے اس دور کے پادری خود جاگیردار اور سرمایہ دار تھے جو خدا کے نام پر عوام کو لوٹ کر اپنی تجوریاں بھر رہے تھے کسی مذہب نے بھی کسی رنگ میں عوام کو لوٹنے کی اجازت نہیں دی۔ اشتراکیین کی جہالت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مرور زمانہ سے یورپ کے مذاہب اپنی اصل تعلیم کی چمک کھو بیٹھے تھے۔ ہر مذہب توحید، اخوت، مساوات، رواداری، شفقت علی الناس کی تعلیم دیتا ہے۔ غصب ونہب، ظلم وستم، بددیانتی، جھوٹ، فریب سے روکتا ہے۔ اگر کوئی مذہب کا نام لینے والا مذہب کے سنہری اصولوں کو چھوڑ کر غلط رستے پر گامزن ہو جاتا ہے تو اس میں مذہب کا کیا قصور بلکہ غلط راستہ اختیار کرنے والے کا ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں اشتراکیت کی نمو کے وقت مذہبی طبقہ اپنے مفادات کی خاطر غلط راستہ پر گامزن تھا۔ پادریوں کے گم گشتہ راہ کی وجہ سے مذہب کو ہی باطل قرار دینا سراسر ناانصافی اور غلطی ہے۔

اشتراکیین کی تیسری غلطی یہ ہے کہ وہ مذہب کی تاریخ سے ہی ناواقف ہیں۔ اسلام سے پہلے تمام مذاہب اپنے وقت کی کسی معاشرتی برائی کو مٹانے اور تمدنی زندگی کے کسی پہلو اجاگر کرنے کے لیے آئے مثلاً حضرت شعیب کو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی ایک معاشی برائی کو ختم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا جو زمین میں فساد کا موجب تھی۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا. (الاعراف ۷:۸۵) اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس کھلی دلیل آ چکی۔ سو ماپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے قوم مدین میں کیل اور میزان میں کم تول اور تجیس کا مرض پیدا ہو گیا تھا۔

جو زمین میں فساد کا موجب تھا۔ اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب کو بھیجا۔ اشتراکیین کے لیے ایک روشن دلیل ہے کہ حضرت شعیب نے سرمایہ داری کا رستہ ہی مسدود کر دیا ہے ساتھ یہ بتایا ہے کہ غصب ونہب کی بنیاد پر سرمایہ داری زمین میں فساد کا موجب ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ اسیری سے نجات دلانے کے لیے بھیجا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم خداوندی سے فرعون کے دربار میں جاتے ہیں تو سب سے پہلے یہ بات پیش کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیٓ اِسْرَآءِ یْلَ. (الاعراف ۷:۱۰۵) سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ. (ابراہیم: ۵) اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف نکال۔

ظلمت سے مراد اسیری ہے اور نور سے مراد حریت ہے۔ بنی اسرائیل کی غلامی صرف تمدنی ہی نہیں تھی بلکہ اقتصادی غلامی کا بھی نشانہ بنے ہوئے تھے غرض کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو تمدنی، سیاسی اور اقتصادی غلامی سے نجات دلانے کے لیے مبعوث ہوئے۔ الانبیاء کی تاریخ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مختلف انبیاء علیہم السلام مختلف مشن لے کر مبعوث ہوئے۔ تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ کوئی نبی سرمایہ داروں، جاگیرداروں کی حمایت کے لیے آیا ہو الغرض اشتراکیت کی نمو کے وقت پادریوں اور مذہبی اجارہ داروں کا سرمایہ داری کی حمایت اپنے ذاتی مفاد کے لیے تھی نہ کہ کسی مذہب کی تعلیم کی رو سے۔

مذہب حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا۔ تکمیلی مراحل طے کرتا ہوا رسول کریم ﷺ پر آ کر مکمل ہوا۔ یہی اسلام کا دعویٰ ہے گویا اسلام سے قبل کے مذاہب اپنی تعلیم کے لحاظ سے مکمل ہی نہ تھے۔ ان کی تعلیم زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہی نہ تھی۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس کی تعلیم زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اس وجہ سے اشتراکیین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ نامکمل مذاہب پر تنقید کریں۔ سرمایہ داری پر بحث کے دوران یہ بتایا جائے گا اور اسلام نے کس طرح سرمایہ داری کے بداثرات کو دور کیا ہے۔

اشتراکیوں نے جنگ عظیم کے دوران مذہب کے بارے میں اپنا معاندانہ رویہ تبدیل کر کے مذہب کی مخالفت ترک کر دی تھی اور روس میں تمام مذہبی فرقوں کو اعتقاد اور عمل کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ عبادت گاہوں کے دروازے کھل گئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر مذہب لوگوں کے لیے افیون ہے اور معاشرہ کے لیے سم قاتل ہے تو پھر جنگ عظیم کے دوران مذہب کی تعلیم پر عمل کرنے کی آزادی کیوں دی گئی۔

گویا پہلی اور دوسری جنگ عظیم نے مذہب پر اشتراکی تنقید کو باطل کر دیا کہ مذہب معاشی قوتوں کا رہین منت ہے بلکہ یہ بتا دیا کہ مذہب ایک فطری چیز ہے۔ مذہب کے فطری ہونے کی سب سے بڑی

Marfat.com

دلیل یہ ہے کہ ہر قوم اور ہر نسل میں مذہب مشترک امر ہے جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مذہب ایک فطری چیز ہے۔ جرمن کا ایک حکیم لکھتا ہے۔

''مذہب ابدی چیز ہے مذہب جس حاسہ کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانہ میں معدوم نہیں ہوسکتا۔''
(بحوالہ الکلام مصنفہ شبلی ص ۲۳)

پروفیسر سبیٹر (Sabater) لکھتا ہے۔

''میں کیوں پابند مذہب ہوں؟ اس لیے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا پابند مذہب ہونا میری ذاتیات میں ہے لوگ کہیں گے کہ یہ وراثت یا تربیت یا مزاج کا اثر ہے سب نے خود اپنی رائے پر اعتراض کیا لیکن میں نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل نہیں ہوتا مذہب کی ضرورت جس قدر مجھ کو اپنی ذاتی زندگی کے لیے ہے اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے مذہب کی شاخ و برگ ہزاروں مرتبہ کاٹ ڈالے ہیں لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے جو کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔ مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہیں۔ انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوئی ہے اور اسی سے قوت پاتی ہے۔'' (الحیوۃ سال اول بحوالہ الکلام مصنفہ مولانا شبلی ص ۲۳،۲۴)

جو تحریک، مذہب کی مخالف ہو وہ یقینی طور پر اقدار حسنہ سے بھی عاری ہوگی۔ مارکسیت کا یہی المیہ ہے۔ اس تحریک کے راہنماؤں نے مذہب کی حقیقی روح سے نابلد ہونے کی وجہ سے اقدار حسنہ کو بھی ترک کر دیا۔ چنانچہ لینن اپنی ایک تقریر میں نوجوانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

''ہمارے خیال میں اخلاق کا نظریہ ہمیشہ جماعت کے مفاد کی جنگ کے ماتحت ہونا چاہیے ہر وہ حربہ جو قدیم غاصبانہ نظام معاشرت کے خلاف اور مزدوروں کی تنظیم کی تائید میں استعمال کرنا ضروری سمجھا جائے عین اخلاق ہے اشتراکیین کا اخلاق و شریعت تو صرف اس قدر ہے کہ ڈکٹیٹر شپ کی قوت وسطوت کا استحکام واستبقاء کس صورت سے ہوسکتا ہے اس کے خلاف جو کچھ ہے سب ناجائز ہے چنانچہ جماعتی مفاد کی خاطر جرائم کا ارتکاب دروغ بافی فریب وہی عین حق وصداقت ہے۔ نہیں! بلکہ معاندین کے خلاف کذب و افتراء ہی بعض اوقات سب سے اہم حربے ہوتے ہیں۔ (Gandhi and lenon by R.E.Miller) مارکسیت میں دروغ گوئی اور فریب دہی صرف دوسروں کے ساتھ ہی جائز نہیں بلکہ اپنوں کے ساتھ بھی کی جا سکتی ہے چنانچہ (Gallancz) اپنی کتاب (Our threatened value) میں لکھتا ہے کہ (D.G.Lucknz) سے پوچھا گیا کہ کیا اشتراکی جماعت کے عمائدین کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی جماعت کے افراد سے بھی جھوٹ اور فریب دہی سے کام لیں تو جواباً کہا کہ ''اشتراکی اخلاق کی رو سے یہ فریضہ سب سے اہم ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے کہ عند الضرورت بددیانتی اور بے ایمانی سے کام لیا جا سکتا ہے یہ سب سے بڑی قربانی تھی جس کا ہم سے انقلاب نے مطالبہ کیا۔''

اسلامی اقتصادی نظام اور اشتراکی نظام کا موازنہ

اشتراکی اقتصادی نظام کے بعض امور اسلامی اقتصادی نظام سے متقارب اور ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ لیکن اساسی طور پر دونوں نظاموں کی رائیں الگ الگ ہیں۔

اسلامی نظام اور اشتراکی نظام کے درمیان جن امور میں ہم آہنگی اور اتفاق پایا جاتا ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ اسلام اور اشتراکیت دونوں نظام اکتناز اور احتکار اور چند ہاتھوں میں دولت کی تحدید کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس سے صرف ملک کی معاشی حالت ہی تباہ نہیں ہوتی بلکہ معاشرتی اور سیاسی زندگی پر بھی کاری ضرب پڑتی ہے معاشرہ طبقاتی جنگ کا شکار ہو جاتا ہے اور سیاست پر سرمایہ دار طبقہ محض اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے غالب آ جاتا ہے۔ اس طرح تمام معاشرہ سرمایہ داروں کے آہنی چنگل میں پھنس جاتا ہے۔

۲۔ دونوں نظاموں کی اساس عام معاشی مفاد پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی ضروریات زندگی میسر ہوں اور کوئی بھی ان سے محروم نہ رہے۔

۳۔ دونوں نظام اپنی اقتصادی پالیسی میں دنیا کے تمام لوگوں کو یکساں شمار کرتے ہیں۔

۴۔ دونوں نظام جماعت کے مفاد کو فرد کے مفاد پر مقدم کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا امور میں ہم آہنگی اور موافقت کے باوجود دونوں نظاموں میں بنیادی اختلاف ہے۔ اسلامی اقتصادی نظام ان تمام برکتوں کا حامل ہے جو اشتراکی اقتصادی نظام میں نظر نہیں آتی ہیں اور ان تمام برائیوں سے پاک ہے جو اس ملحدانہ نظام میں پائی جاتی ہیں۔

پہلا اختلاف

اسلام کائنات کی ہر شے کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت قرار دیتا ہے پھر ان اشیاء میں ایک کثیر حصہ تو وہ ہے جس سے تمام انسان مساوی استفادہ کرنے کے مستحق ہیں۔ اس وجہ سے حکومت ان اشیاء کو اپنے قبضہ میں رکھتی ہے۔

کچھ ایسی اشیاء ہیں جن میں امین کے طور پر انفرادی ملکیت تسلیم کی گئی ہے۔ ان میں انفرادی ملکیت تسلیم کیے بغیر فطری اور قابل عمل نظام معیشت قائم نہیں ہو سکتا۔ مفصل بحث بعد میں آئے گی۔

اشتراکی اقتصادی نظام دولت اور تمام ذرائع دولت کو حکومت کی ملکیت قرار دے کر انفرادی ملکیت کو بالکل مٹا دیتا ہے۔ اس اصول سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک خرابی تو یہ ہے کہ حکومت چھوٹے سرمایہ داروں کو ختم کر کے خود ایک عظیم سرمایہ دار ادارہ بن جاتی ہے اور عوام حکومت کے سامنے بے بس ہو

Marfat.com

جاتے ہیں۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ انسانوں کے قوائے عمل میں مسابقت کی تحریک ختم ہو جاتی ہے کیونکہ جب ہر فرد یہ سمجھتا ہے کہ اس کی تمام ضروریات کے پورا کرنے کی ذمہ داری بھی حکومت پر ہے اور اس کی محنت اور جدوجہد کا ثمر بھی حکومت کے پاس جاتا ہے تو وہ کیونکر اپنے قواء دماغی اور قواء جسمانی کو کام میں لائے اور محنت کے میدان میں کس لیے گوئے مسابقت حاصل کرے۔

دوسرا اختلاف

اسلام حق معیشت کی مساوات کے اعتراف کے ساتھ معاشی تفاوت سے انکار نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ **نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا.** (الزخرف ۴۳:۳۲) ہم نے ان کے درمیان ان کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔

اسلام میں اقتصادی مساوات کا یہ مفہوم نہیں کہ سوسائٹی کے تمام افراد معاشی لحاظ سے بالکل برابر ہو جائیں اور ان میں کسی طرح کا بھی فرق نہ رہے۔ اس قسم کی مساوات نہ تو عملی زندگی میں پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہو گی۔ یہ مساوات اصول فطرت کے خلاف ہے۔ ہر انسان مختلف استعدادیں اور قابلیتیں لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ایک شخص ایک کام کو اعلیٰ استعداد رکھنے کی وجہ سے قلیل مدت میں کر سکتا ہے اور وہی کام گھٹیا استعداد کا مالک زیادہ عرصہ میں کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو مختلف استعدادیں اور صلاحیتیں دے کر پیدا نہ کرتا بلکہ سب انسان ایک ہی قسم کی صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتے تو دنیا کا تمام نظام ہی بگڑ جاتا۔ دنیا کا کاروبار چلانے کے لیے ضروری ہے کہ مزدور بھی ہوں، منتظم بھی، افسر بھی ہوں، ماتحت بھی ہوں، قائد بھی ہوں متبعین بھی ہوں، سپہ سالار بھی ہوں سپاہی بھی ہوں، یہی طبعی تفاوت دنیا کے نظام کی اساس ہے۔ اگر یہ اساس ختم کر دی جائے تو دنیا کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا اور معاشرہ کی صحت مندانہ نشوونما رک جائے گی۔ مگر اس معاشی تفاوت کے باوجود حصولِ دولت اور صرف دولت پر قیود عائد کرتا ہے تاکہ فطری معاشی تفاوت اپنی حدود کو پار کر کے غیر فطری اور مصنوعی معاشی تفاوت کی حدود میں نہ داخل ہو جائے اور سرمایہ داری کی شکل اختیار نہ کرے۔

اس کے برعکس اشتراکی نظام معاشی تفاوت اور اختلاف درجات کا انکار کرتا ہے اور سوسائٹی کو معاشی مساوات پر قائم کرنا چاہتا ہے۔

اگر اشتراکی مساوات کو اس کی پہلی تجربہ گاہ یعنی روس کی سرزمین میں دیکھیں تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مساوات تو کجا بلکہ اجرتوں کے درمیان جو فرق موجود ہے وہ کسی طرح بھی سرمایہ دارانہ نظام سے مختلف نہیں ہے۔

Marfat.com

''اناطوشب نے اکتوبر ۱۹۳۴ء کے ایک مطالعہ کی روشنی میں یہ نتائج بیان کیے تھے کہ کل تنخواہ پانے والوں میں صرف دو فیصد کو پانچ صد روبل یا اس سے زیادہ ملتے ہیں اور اٹھتر فیصد وہ ہیں جن کو دو سو چالیس روبل سے کم ملتے ہیں۔ اور ان میں ایک تہائی وہ ہیں جن کو ایک سو بیس روبل سے کم ملتے ہیں۔''

(Labour in the Sovit P.24)

۱۹۵۲ء میں ایک نامہ نگار نے مندرجہ ذیل رپورٹ شائع کی۔

''سویٹ چیمبر آف کامرس کے صدر کو سولہ ہزار روبل ماہانہ ملتے ہیں جبکہ وزیروں کی تنخواہیں بیس ہزار روبل اور اکیڈمی آف سائنس کے صدر کی تنخواہ تیس ہزار روبیل ماہانہ ہے۔''

(Aspect of Sovit Economk Calsutta P.21)

روس میں ملازموں کی تنخواہوں میں مختلف شرحوں کا ذکر روس کے ایک معیشت دان نے کیا ہے۔

''اصلاحات کے بعد گریڈ اول چھ (Pay-scale) میعار تنخواہ ہوں گے جس کے اندر چالیس مختلف شرحیں ہوں گی۔'' **(Kommunist no:3 feb 1966 P.2)**

لینن نے (State and Revolution) میں صاف طور پر کہا ہے۔ اشتراکی سوسائٹی میں اجرتوں میں مساوات ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی نظام بھی خواہ وہ بظاہر کتنا ہی دلربا اور حسین نظر آئے۔ اصول فطرت کے خلاف ہو وہ دیرپا چل نہیں سکتا۔ اشتراکیوں نے مزدوروں کے لیے ایک خوبصورت نعرہ مساوات بلند کیا تھا لیکن جب اس نعرہ کو عملی لباس پہنانے کا وقت آیا تو نعرہ بلند کرنے والے ناکام ہو گئے اور پھر اپنے اصول سے منحرف نظر آنے لگے۔

خردشیف نے کہا۔

''ہم اجرتوں میں ہر فرق کو مٹانے کے مخالف ہیں۔ ہم اجرتوں کو ایک سطح پر لانے کی مخالفت کریں گے۔ یہی لینن کی تعلیم ہے۔'' **(Sovit world P.346)**

الغرض اشتراکی اسی اصول کی طرف آنے شروع ہو گئے ہیں جو آج سے چودہ سو سال قبل اللہ تعالیٰ نے ایک اُمّی نبی پر وحی کے ذریعہ نازل کیا تھا۔

تیسرا اختلاف

اسلام سرمایہ داری اور سرمایہ اندوزی کے خلاف ہے اور جمع شدہ سرمایہ کو تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے اور سرمایہ کو گردش میں رکھنا چاہتا ہے لیکن ایک ایسے قانون کے ذریعہ جو عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ اس کے برعکس اشتراکیت سرمایہ داری اور سرمایہ اندوزی کو تلوار کی نوک سے ختم کرنا چاہتی ہے۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جس زمین پر اشتراکیت نے قدم رکھا ہے وہاں سرمایہ داروں کے خون سے زمین سرخ ہوگئی۔

Marfat.com

لیکن جہاں جہاں اسلام پہنچا اس نے سرمایہ داروں سے سرمایہ ضرور لیا اور غرباء میں تقسیم کیا۔ لیکن منصفانہ قانون کے تحت، جس کی وجہ سے غرباء طبقہ کے دلوں میں امراء کے لیے محبت پیدا ہو گئی اور دونوں طبقوں کے درمیان اخوت کا رشتہ مضبوط ہو گیا۔

چوتھا اختلاف

اسلام تقسیم کار اور جبری محنت کا قائل نہیں ہے۔ ہر شخص کو یہ کامل آزادی ہے کہ وہ جو چاہے کام کرے بشرطیکہ وہ اسلام کی تعلیم کے منافی نہ ہو۔ یہ پابندی بھی معاشرہ کی بہتری اور بھلائی کے لیے ہے اور عین فطرت کے مطابق ہے۔ اس کے برعکس اشتراکی اقتصادی نظام تقسیم کار اور جبری محنت کا حامی ہے جس سے انسانی محنت اپنے اختیار اور مرضی کے فطری حق سے محروم ہو جاتی ہے جس کا محنت کی کارکردگی اور ذہنی اور جسمانی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ یوگوسلاویہ کے مشہور سوشلسٹ مسلان جیلاس کے بیان سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

''اس نئے طبقہ کا طریقہ یہ ہے کہ یہ مزدور اور کسان دونوں کا خون چوستا ہے۔ مزدوروں کے سلسلہ کی حالت یہ ہے۔ اشتراکی نظام کی ایک لازمی خصوصیت جبری محنت ہے۔'' **(The new clan P16)**

پانچواں اختلاف

اسلام کے معاشی اصول اتنے پائیدار ہیں کہ ان کو کسی زمانہ میں بھی بدلنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور زمانہ کے تمام تقاضوں کو پورا بھی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اشتراکیت کے اصول اتنے جامد ہیں کہ وہ زمانہ کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج روس کو اشتراکی اصولوں میں ترمیم کرنا پڑی ہے جس شکل میں کارل مارکس نے اشتراکیت کو بیان کیا ہے وہ آج وہاں بدلی ہوئی ہے۔

انفرادی ملکیت کے عقلی دلائل

ا۔ تمام حکماء کے نزدیک یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ افراد مختلف استعدادیں اور صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہم روزمرہ کی زندگی میں کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی اعلیٰ ذہانت اور استعداد کی بنا پر تجارت اور صنعت میں ترقی کر جاتا ہے دوسرا شخص جو ان صلاحیتوں سے محروم ہوتا ہے وہ ترقی نہیں کرتا۔ ایک ہی استاد کے پاس بیٹھ کر سبق سننے والے شاگردوں میں سے اقبال، علامہ مشرقی بنتے ہیں دوسرے نوکری کے لیے دربدر پھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ امام رازیؒ، امام ابن تیمیہ ابن رشد وغیرہ کے نہ معلوم کتنے ہم مکتب تھے لیکن تمام کے تمام نہ امام رازی بنے ہیں اور نہ امام ابن تیمیہ اور نہ ابن رشد۔

یہی حالت جسمانی کام کرنے والوں کی ہے ایک مزدور دو گھنٹے میں وہ کام کر جاتا ہے جو اس کا

Marfat.com

ساتھی تین یا چار گھنٹوں میں بھی نہیں کر سکتا۔
اگر ان فطری صلاحیتوں کو نظر انداز کر کے سب افراد کو حقوق میں مساوی کر دیا جائے اور تمام کو صرف ان کی ضرورت کے مطابق ہی دیا جائے تو فطری صلاحیتوں کے ابھارنے اور ترقی دینے کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔

۲۔ انسانی فطرت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اپنی محنت کو بار آور دیکھنا پسند کرتا ہے۔ جب ایک شخص کو یہ معلوم ہو کہ اس کی محنت کا معاوضہ نہیں ملے گا بلکہ حکومت اس کی ضرورت کے مطابق دے گی۔ تو وہ محنت اور سعی بلیغ کرنے سے دل چرانا شروع کر دے گا اور محنت میں لذت محسوس نہیں کرے گا۔ جس کام پر اس کو لگایا جائے گا تو وہ کرہا سرانجام دے گا۔ اس طرح تجارتی، صنعتی، حرفتی، علمی، ترقی رک جائے گی۔

۳۔ یہ انسان کا خاصا ہے کہ وہ اپنی ذاتی ملکیت میں لذت محسوس کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی دولت کے استعمال کرنے میں آزاد ہوتا ہے اور اس میں اپنی عزت پاتا ہے لیکن نفی ملکیت میں نہ وہ لذت محسوس کر سکتا ہے اور نہ وہ اپنی عزت پاتا ہے بلکہ وہ حکومت کا اپنے آپ کو ہر ضرورت کے لیے محتاج پاتا ہے۔ اس سے وہ عزت نفس سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور حکومت کا غلام بھی بن جاتا ہے اور انسانیت کے مقام سے گر کر حیوانیت کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے۔

۴۔ تمام عقلاء کے نزدیک یہ امر مسلمہ ہے کہ مالک اور مختار ہونا صفت کمال ہے اور مجبوری عیب اور عار ہے۔ ذاتی ملکیت کی نفی مجبوری اور لاچاری کا نام ہے۔ انسان دن رات کوشش کرنے کے باوجود کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔ اس طرح اس کی صفت کمال ختم ہو جاتی ہے اور وہ ذلت اور پستی کے گڑھے میں گر جاتا ہے کیونکہ انسان اپنی اسی صفت کی وجہ سے ہی ارفع مقام حاصل کر سکتا ہے، جب یہ صفت مر جائے تو انسان جیتا جی مرا ہوا ہوتا ہے۔ وہ چلتا پھرتا ہے کوشش بھی کرتا ہے لیکن مجبور ہوتا ہے۔ مجبوری انسان کو قعرِ ذلت میں پھینک دیتی ہے۔

۵۔ انفرادی ملکیت کی نفی کے ساتھ انسان مشین کے ایک پرزے کی طرح ہو جاتا ہے جس طرح مشین کا پرزہ دن رات کام کرتا ہے لیکن وہ اپنی محنت کا پھل نہیں پاتا۔ اسی طرح اشتراکی نظام میں مشین کے پرزے کی طرح انسان بن جاتا ہے۔ دن رات کام کرتا ہے لیکن اس کا پھل وصول نہیں کر سکتا۔ اس کی محنت کا تمام پھل حکومت لے جاتی ہے۔ اس سے اس کی شعوری حس اور خودمختاری ختم ہو جاتی ہے۔

۶۔ انفرادی ملکیت کی نفی سے انسان کی ترقی اور رفعت کی تمام خواہشیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جتنی چاہے محنت اور کوشش کرے اس کو اس کی محنت کا پھل نہیں ملے گا۔

اس کو وہی ملے گا جو حکومت نے اس کے لیے تجویز کیا ہے۔

ان عقلی دلائل کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ انفرادی ملکیت کی نفی غیر فطرتی ہے۔ اسلام نے انفرادی ملکیت کو جائز قرار دیتے ہوئے اس پر فطری پابندیاں بھی عائد کر دی ہیں۔ جن کی وجہ سے انفرادی ملکیت کے بداثرات پیدا نہیں ہوئے۔

فاشزم کا اقتصادی نظام

فاشزم کا اقتصادی نظام نہ تو کامل طور پر سرمایہ دارانہ ہے اور نہ اشتراکی۔ بلکہ دونوں نظاموں کا ایک مرکب نظام، کارپوریٹ (Corporate) ہے۔ مسولینی نے کارپوریٹ نظام کی بنیاد ۱۹۳۵ء میں رکھی۔ اس کے مطابق سارے ملک کے صنعتی، تجارتی، زراعتی وغیرہ نظام کو مختلف کارپوریشنوں میں منقسم کر دیا۔ ہر ایک صنعت وحرفت، تجارت، زراعت وغیرہ کی اپنی اپنی کارپوریشن ہوتی جس میں سرمایہ دار اور مزدور طبقہ شامل ہوتا۔ کارپوریشن سرمایہ داروں اور مزدوروں کے فرائض اور حقوق کا تحفظ کرتی تھی۔ بظاہر یہ نظام کسی اشتراکیت سے مطابقت رکھتا ہے مگر فاشزم انتہا پسندانہ عیشلوم پر ایمان رکھتی ہے۔ جبکہ کسی اشتراکیت میں ایسا نہیں ہے۔ ایسے ہی یہ نظام انجمنی اشتراکیت سے مماثلت رکھتا ہے۔ گویا یہ نظام نجی اجتماعی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

مسولینی کے الفاظ میں کارپوریٹ نظام کی تین بنیادیں ہیں۔ ایک پارٹی کلیت پسند ریاست اور شدید نظریاتی احساس، پہلی دو بنیادیں فاشزم نے خود مہیا کی ہیں اور آخری بنیاد پراپیگنڈہ کے ذریعہ حاصل کی ہے۔

سرمایہ داروں اور مزدوروں کو اپنے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے الگ الگ انجمنیں تشکیل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ کارپوریشن خود ہی ہر دو فریق کے حقوق و فرائض متعین کرتی اور پھر ہر فریق کو مجبور کرتی کہ وہ مقرر کردہ حقوق و فرائض کو سرانجام دے۔ کارپوریشن حکومت کے سامنے جواب دہ ہوتی کہ عوام کہاں تک حقوق و فرائض کو پورا کر رہے ہیں۔ اس طرح تمام افراد کارپوریشنوں کے نظام میں منسلک ہو گئے۔ حکومت نے مرکز میں تمام کارپوریشنوں کا ایک ایوان قائم کیا جو پارلیمنٹ کے قائم مقام ہوتا تھا۔ اس ایوان میں ہر کارپوریشن اپنے اپنے نمائندے بھیجتی تھی جو حکومت کی پالیسی کے ماتحت کارپوریشنوں کے قوانین مدون کرتی تھی۔

اسلام اور فاشزم کا موازنہ

نظریہ فاشزم اشتراکیت کی طرح فرد کو جماعت میں گم کر دیتا ہے۔ اس کی ذاتی حیثیت جماعت میں مدغم ہو جاتی ہے اور اس کی شخصیت آزادانہ نشوونما سے رک جاتی ہے۔

اسلام ہر فرد کی آزادانہ نشوونما کا حامی ہے اور اس نے ہر قسم کی غلامی کی زنجیروں کو توڑا ہے اور حریت انسانی کا اعلان کیا ہے۔ ارشادالٰہی ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ. (البلد ۹۰: ۱۱.....۱۳) سو وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے۔ کسی گردن کا آزاد کرنا۔ یہ آیات انسان کی شخصی، سیاسی، تمدنی، روحانی اور اقتصادی ہر قسم کی غلامی سے نجات کا اعلان کرتی ہیں۔

آزادی کی حدود

اسلام نے سوسائٹی کو پُرامن بنانے کے لیے آزادی کی حدود مقرر کر دی ہیں۔ اگر وہ حدود مقرر نہ کی جائیں تو زمین میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ اسلام نے اقتصادی امور میں جہاں آزادی بخشی ہے وہاں کچھ حدود بھی مقرر کر دی ہیں۔ وہ حدود اکتساب دولت تصرف دولت اور انتقال دولت کے متعلق ہیں۔ پھر صاحب دولت پر فرائض عائد کر دیے ہیں۔ یہ وہ طبعی حدود ہیں جن سے نہ تو کسی شخص کی آزادی مجروح ہوتی ہے اور نہ آزادی فساد کا رنگ اختیار کرتی ہے بلکہ یہ آزادی سوسائٹی کے لیے رحمت کی نشانی بن جاتی ہے۔

اکتساب دولت تصرف دولت اور انتقال دولت وغیرہ کی کیا حدود ہیں۔ ان کا مفصل ذکر بعد میں آئے گا۔

سرمایہ داری نظام

جس طرح اشتراکیت نے سرمایہ داری کے بطن سے جنم لیا ہے اسی طرح سرمایہ داری نے جاگیرداری سے وجود میں آئی۔ اس کی تاریخ ایک لمبی تاریخ ہے اسلام سے پہلے بھی تمام ترقی یافتہ سلطنتوں میں سرمایہ داری نظام رائج تھا۔ جب اس نظام کے بداثرات عوام پر پڑنے لگے تو وہ سلطنتیں ان بداثرات کی وجہ سے مٹ گئیں اس کی جگہ اسلام کا صالح نظام وجود میں آ گیا۔

دنیا کے اہم ترین معاشی نظاموں میں سرمایہ داری نظام سب سے زیادہ اہم اور موثر ہے۔ ہر معاشی نظام قدرتی مادی وسائل اور خودساختہ آلات اور علوم وفنون پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر معاشی نظام قانون یا رواج کے مطابق ایسے معاشرتی ضوابط مہیا کرتا ہے۔ جس سے ملکی وسائل عوام کی ضروریات کی اشیاء پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے جا سکیں۔ کسی معاشی نظام کی ہیئت جاننے کے لیے ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ مادی اور انسانی وسائل کے علاوہ خودساختہ آلات کن کی ملکیت میں ہیں۔ صرف بچت، سرمایہ کاری کے علاوہ پیدائش دولت، صرف دولت اور تقسیم دولت کا اختیار کس کے پاس ہے۔ نجی افراد یا اداروں کے پاس یا حکومت کے پاس۔

سرمایہ داری نظام انفرادی پسند پر قائم ہے۔ اسے عدم مداخلت کا نظام اور آزادانہ معاشی نظام

Marfat.com

بھی کہتے ہیں۔ اگر چہ یہ نظام اپنی صحیح اور مکمل شکل میں کبھی رائج نہیں ہوا مگر انیسویں صدی کے نصف اول میں ایسا ملتا جلتا نظام انگلستان میں موجود تھا۔ آج کل یہ نظام برطانیہ کے علاوہ فرانس، جرمنی اور امریکہ میں بالخصوص پایا جاتا ہے۔ اس نظام کے تحت حکومت عوام کی معاشی سرگرمیوں میں بالکل مداخلت نہیں کرتی۔ اس کا کام اندرونِ ملک امن و امان قائم رکھنا اور بیرونی حملے کی صورت میں مدافعت کرنا ہوتا ہے۔ اس نظام کے تحت تمام زمینیں، کارخانے، کانیں اور دیگر تمام ذرائع پیدائش افراد یا اداروں کی ملکیت ہوتے ہیں۔ وہ وسائل پیدائش کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ ہر فرد کو مصرف کے علاوہ پیشے کے انتخاب میں بھی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ کام یا فرصت میں سے جسے چاہے ترجیح دے ہر کام ملکی قوانین کے احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ گویا لوگوں کو تمام معاشی امور میں مکمل آزادی ہوتی ہے۔

سرمایہ داری کی تعریف

انسائیکلوپیڈیا امریکانہ میں ان الفاظ میں سرمایہ داری تعریف کی گئی ہے۔

Capitalism is the type of economy in which capital is privately owned and may be freely used by the owners as they wish in attempting to make profits from their economic enterprises. (Encyclopedia Americana volume 5 P.599.)

سرمایہ دارانہ معیشت معاشی نظام کی ایک ایسی قسم ہے جس میں سرمایہ نجی ملکیت ہوتا ہے اور سرمایہ کار اپنے معاشی کاروبار کی بدولت حصول نفع کے لیے اسے جس طرح چاہئیں استعمال میں لانے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔

ولیم این لوکس (Welliam N.Loucks) نے ان الفاظ میں تعریف کی ہے۔

Capital is a system of economic organization in which individual person singly in groups privately owned production resources, including land and possess the right to use these resources generally in whatever manner they choose.

(Camparative economic systems P.112.)

سرمایہ دارانہ نظام ایک ایسی معاشی تنظیم ہے جس میں افراد انفرادی طور پر یا اجتماعی حیثیت سے پیداواری ذرائع بشمول زمین کے مالکانہ حقوق کے، لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ ان ذرائع کو جس طرح چاہیں استعمال میں لانے کے مکمل طور پر مجاز ہوتے ہیں۔

اس سے مراد وہ معاشی نظام ہے جس میں افراد کو ذاتی ملکیت کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

سرمایہ کاری اور پیداوار کے متعلق فیصلے بھی نجی افراد کرتے ہیں اور اشیاء و خدمات کی پیداوار اور ان کی بازار میں فراہمی منافع کی خاطر کی جاتی ہے اس نظام کے تحت اشیاء و خدمات کی قیمتوں کا تعین ان کی طلب اور رسد کے باہمی آزادانہ عمل اور ردعمل سے ہوتا ہے۔

(Marit students Encyclopedia vol-4 P.181.)

کارل مارکس کے نزدیک سرمایہ دارانہ نظام سے مراد اشیاء خدمات کی پیداوار کا وہ نظام ہے جس میں بنیادی طور پر پیدا کنندگان کے دو طبقے شامل ہوتے ہیں۔ ایک سرمایہ دار جو ذرائع پیداوار (زمین اور سرمایہ) کے مالک ہوتے ہیں۔ فنی طریق پیدائش، پیداوار اور اشیاء کی فروخت کے متعلق بنیادی نوعیت کے معاشی فیصلے کرتے ہیں اور کاروبار کے منافع کے عوض ان شرائط پر فروخت کرتے ہیں جس کا انحصار تلاش روزگار کے لیے سرگردان ان کی تعداد اور ان کی خدمات کی طلب پر ہوتا ہے۔

(The Social Science Encyclopedia 2nd edition P.72.)

سرمایہ داری نظام کی خصوصیات

ا۔ ذاتی یا نجی ملکیت

سرمایہ داری نظام کے تحت ہر شخص کو ذاتی ملکیت کا حق حاصل ہوتا ہے تمام وسائل پیدائش نجی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ مالکین کو اپنے مفاد کے مطابق استعمال کرنے کی مکمل طور پر اجازت ہوتی ہے۔ حکومت ان وسائل کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے۔ لوگوں کو جائیداد بنانے، انھیں بیچنے اور وارثین کو منتقل کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ نجی ملکیت کا حق غیر محدود ہے۔

۲۔ معاشی آزادی

سرمایہ داری نظام میں ہر شخص اپنی املاک کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ وہ کسی دوسرے فرد کی اطاعت کا محتاج نہیں ہوتا۔ اسے پیشے کے انتخاب میں بھی آزادی ہوتی ہے۔ حکومت نہ تو پیشے کے انتخاب میں مداخلت کرتی ہے اور نہ ہی کاروباری معاہدوں میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔ لوگ عموماً اپنے انفرادی اور شخصی فائدہ کی خاطر جدوجہد کرتے ہیں۔ وہ چاہیں تو زمین پر گندم کی کاشت کریں یا کپاس کی۔ اگر مفید سمجھیں تو اس زمین کو ٹھیکہ پر دے دیں۔ یا اس پر کوئی عمارت تعمیر کر لیں وہ صرف اپنے لیے منافع کماتے ہیں۔ انھیں دوسروں سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اس طرح قومی آمدنی کا بیشتر حصہ سرمایہ داروں اور زمینداروں کے پاس جمع ہو جاتا ہے۔ مزدور کو اس کی محنت و کاوش کا صلہ نہیں ملتا۔ ان کا استحصال ہوتا ہے۔

معاشی آزادی کی وجہ سے ہر فرد صرف اور پیدائش و دولت کے متعلق آزادانہ فیصلہ کرتا ہے۔ تمام

Marfat.com

کاروباری ادارے طریق پیدائش اور پیمانہ پیدائش کا خود فیصلہ کرتے ہیں۔ عاملین پیدائش یعنی زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم اپنی خدمات کی فروختگی یا انھیں کرایہ پر دینے کے متعلق خود فیصلے کرتے ہیں۔

صارف انفرادی طور پر خود فیصلے کرتا ہے کونسی چیز صرف کرے اور کتنی مقدار میں صرف کرے۔ اپنی آمدنی کتنی صرف کرے اور کتنی بچائے۔ ایسے تمام فیصلوں میں وہ خود مختار ہے۔ اس نظام کے تحت صارف کی حیثیت ایک مطلق العنان حاکم کی طرح ہے۔ آجر اسی کی پسند اور ناپسند کو پیش نظر رکھتا ہے۔ آجر جب صارف کی پسند کا خیال نہیں کرتا تو اسے نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ صارف اپنی پسند یا ناپسند کا اظہار قیمت کے ذریعے کرتا ہے جس پر وہ شے خریدنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

۳۔ طبقاتی کشمکش

اس نظام کی ایک بڑی خصوصیت دولت کی غیر مساویانہ تقسیم ہے۔ امیر بہت امیر ہوتے ہیں جنھیں زندگی کا ہر عیش میسر ہوتا ہے۔ غریب بہت غریب ہوتے ہیں جو نان ونفقہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس سے معاشرہ دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ امیر وسائل پیدائش کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے قبضہ میں بڑے بڑے کارخانے اور وسیع زمینیں ہوتی ہیں۔ ملکی دولت کا زیادہ حصہ ان کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ امیر کو ترقی کے تمام موقع میسر ہوتے ہیں جبکہ غریب ان سے محروم ہوتا ہے طبقاتی کشمکش اس نظام کا خاصہ ہے۔ آجر اور اجیر اور زمیندار اور مزارع کے درمیان جھگڑا ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ آج کل صنعتی مزدور، کان کن اور تجارتی ملازمین اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اور روس، چین اور مشرقی یورپ کے ممالک میں مزدور انقلاب برپا کر چکا ہے۔ جہاں مزدور کامیاب نہیں ہوا۔ وہاں وہ اپنے نمائندوں کی معرفت آجرین کے ساتھ اجرتوں کی شرح اور شرائط کار طے کرتے ہیں۔ حکومت بھی مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے قوانین نافذ کرتی ہے۔ اس جدوجہد اور تحفظ کے باوجود مزدور اپنی معاشی آزادی کھو چکا ہے کیونکہ ذرائع پیدائش پر اقلیت کا قبضہ ہے۔ اس لیے باروزگار ہوتے ہوئے بھی بیروزگاری کی تلوار ہمیشہ اس کے سر پر لٹکتی رہتی ہے۔

۴۔ تقسیم کار

پیدائش دولت تخصیص کار کے اصولوں پر ہوتی ہے۔ یہ اصول ہر معاشی نظام میں کارفرما ہوتے ہیں۔ اشتراکیت میں تقسیم کار میں لوگوں کی پسند کا کوئی دخل نہیں ہوتا جبکہ سرمایہ داری نظام میں لوگوں کی پسند اہم کردار ادا کرتی ہے اور باہمی مبادلات اور منڈی کے تقاضوں کی وجہ سے معرض وجود میں آتی ہے۔ البتہ لوگ اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق کوئی پیشہ اختیار کرتے ہیں اور بعد میں جب منڈی کی وسعت کی وجہ سے پیدائش دولت وسیع ہو جاتی ہے تو تقسیم کار بھی سادہ سے پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ ہر شخص اپنی صلاحیت

Marfat.com

کے مطابق اشیاء بناتا ہے اور منڈی میں اسے فروخت کر کے اپنی ضرورت کی دوسروں کی پیدا کی ہوئی چیزیں خرید لیتا ہے۔

۵۔ قیمتوں میں میکانیت

یہ نظام قیمتوں کی میکانیت کی وجہ سے چلتا ہے۔ قیمتوں کے بغیر یہ نظام چل ہی نہیں سکتا۔ کسی پیشہ یا کاروبار شروع کرنے سے پہلے ہر فرد کے پیش نظر منافع ہوتا ہے۔ منافع لاگت اور قیمت میں فرق کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ طریق پیدائش میں ردوبدل نہ ہونے کی وجہ سے مصارف پیدائش تو عرصہ قلیل میں یکساں رہتے ہیں مگر قیمت میں تغیر وتبدل ہوتا ہے۔ جس سے منافع کی شرح بھی متاثر ہوتی ہے۔ کسی شے کی قیمت چڑھنے میں طلب اور رسد دونوں اثر انداز ہوتے ہیں۔ طلب بڑھنے یا رسد کم ہونے سے قیمت بڑھ جاتی ہے۔ صارف اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار قیمتوں کے ذریعے ہی کرتے ہیں۔ جو شے انھیں زیادہ پسند ہو وہ اس کی زیادہ قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ قیمتوں کی میکانیت سے آجرین بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ آجر ہمیشہ اسی سے رسد فراہم کرے گا جس کی قیمت زیادہ ہوگی۔ اصول رسد کے مطابق شے کی قیمت بڑھنے سے رسد پھیلتی ہے اور قیمت کم ہونے سے رسد سکڑ جاتی ہے۔ طریق پیدائش کے علاوہ پیمانہ پیدائش بھی قیمتوں کی میکانیت کی وجہ سے متعین ہوتے ہیں۔ قیمت کا تعین رسد اور طلب کی باہمی مطابقت سے ہوتا ہے۔

۶۔ آزاد مقابلہ

آزاد مقابلہ اس نظام کی ایک اور اہم خصوصیت ہے۔ تمام اشیاء کی خرید وفروخت آزادانہ طریق پر ہوتی ہے۔ گاہک اپنی مرضی کے مطابق منڈی سے چیزیں خریدتے ہیں اور فروخت کار اپنا منافع بڑھانے کے لیے گاہکوں کو مختلف طریقوں سے اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ اس طرح طلب اور رسد کی دونوں متضاد قوتیں ایک دوسرے کے ساتھ برسر پیکار ہوتی ہیں۔ اکثر اوقات رسد فراہم کرنے والے متحد ہو کر اجارہ داریاں بھی قائم کر لیتے ہیں جس سے انھیں من مانی قیمت وصول کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور بسا اوقات صارفین بھی یکجا ہو کر بلند قیمتوں کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ اشیاء کی منڈی میں مقابلہ کے علاوہ دیگر منڈیوں میں بھی مقابلہ پایا جاتا ہے۔ ہر کاریگر دوسرے کاریگر سے مقابلہ کرتا ہے۔ زمین کی ہر اکائی دوسری اکائی کے ساتھ مختلف استعمالات کے لیے مقابلہ کرتی ہے اور اس طرح سرمایہ کی ہر اکائی بھی دوسری اکائی کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔

۷۔ کساد بازاری اور بے روزگاری

بچت اور سرمایہ کاری، صرف اور پیدائش دولت میں عدم مطابقت کی وجہ سے سرمایہ داری نظام

Marfat.com

اکثر اوقات معاشی بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔ اشیاء کی قیمتیں گر جاتی ہیں۔ قیمتیں گرنے سے منافع کم ہو جاتا ہے جس سے پیمانہ پیدائش محدود ہو جاتا ہے۔ اس سے بہت سے مزدور کام سے نکال دیے جاتے ہیں۔ یہ بیروزگاری مجموعی قوت خرید کو گھٹا کر معیشت کو کساد بازاری کا شکار بنا دیتی ہے۔

۸۔ آجر کی اہمیت

آجر اس نظام کا مرکزی کردار ہے۔ پیداواری ذرائع اس کی ہدایت کے تحت کام کرتے ہیں۔ وہی عوامل پیدائش کو استعمال کر کے مادی وسائل کو بروئے کار لاتا ہے۔ پیدائش کے معاملے میں وہ تنہا معاشرے کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ وہ کاروبار کی ابتداء اور انتظام ہی نہیں کرتا بلکہ احتمال نقصان بھی برداشت کرتا ہے۔ تشکیل سرمایہ کا وہی سب سے بڑا منبع ہے۔

آزاد نظام معیشت میں قیمتوں کی میکانیت اور نظام اشیاء اور خدمات کی پیدائش مبادلے اور تقسیم کو متعین کرتا ہے۔ صارف اپنی پسند، ذوق اور ترجیحات کا اظہار قیمتوں کے ذریعے ہی کرتا ہے۔ اگر صارفین کی کپڑے کی طلب بڑھ جائے تو کپڑے کی قیمتیں بھی بڑھ جائیں گی۔ صارفین کی ان ترجیحات سے اس امر کا فیصلہ کیا جائے گا کہ کونسی شے پیدا کر لی جائے۔ کتنی مقدار میں پیدا ہو۔ کہاں پیدا کی جائے۔ کیسے پیدا کی جائے اور اس کا کتنا حصہ کسے ملے۔ اسی سے عاملین پیدائش کے معاوضوں کا تعین ہوگا۔ وسائل پیدائش کا تعین بھی قیمتوں کی میکانیت سے ہی ہوگا۔ اس نظام میں کوئی منصوبہ بندی بورڈ نہیں ہوتا۔ یہ قیمتوں، مصارف اور منافعوں پر اثر انداز ہو کر خود بخود چلتا رہے گا۔

ماضی میں صارف کی حاکمیت مسلم سمجھی جاتی رہی ہے۔ وہ ترجیحات کے ذریعے احکامات صادر کرتا ہے جس کی تعمیل آجرین رسد کی فراہمی کی صورت میں کرتے رہے ہیں لیکن جدید دور میں صارف کی فوقیت کو کچھ دھچکا سا لگ چکا ہے۔ آج کل آجر موجودہ طلب کے تقاضوں کو مدنظر رکھنے کی بجائے مستقبل کی طلب کو پیش نظر رکھتا ہے۔ وہ شے پہلے تیار کر لیتا ہے اور نشر و اشاعت کے ذریعے اس کی بعد میں طلب پیدا کرتا ہے لیکن ایسا کرنے میں بھی سے صارف کی تسکین اور ترجیحات کا احترام ضرور کرنا پڑتا ہے۔ اگر آجر کی تمام توقعات اور اندازے غلط ہو جائیں اور وہ صارف کی خواہشات کو بالکل ہی نظر انداز کر دے تو صارف کا ردعمل آجر کی تباہی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

صارف کی فوقیت پر کچھ بندشیں بھی ہیں۔ سب سے بڑی رکاوٹ آمدنی یا وسائل کی ہے جس سے اس کی قوت خرید پیدا ہوتی ہے۔ ایک بڑے سے بڑا سرمایہ دار آجر ایک معمولی صارف کے سامنے اس وقت سر تسلیم خم کرتا ہے۔ جب اس کے پاس قوت خرید ہو۔ محدود وسائل کی بندش اس کی حاکمیت کو بھی محدود کر دے گی۔ صارف ہوائی جہاز میں سفر کرنا چاہتا ہے مگر اس کے پاس صرف اتنے پیسے ہیں جن سے وہ ریلوے کا تیسرے درجے کا ٹکٹ ہی خرید سکے۔ ایسی صورت میں اسے ریلوے کے تیسرے درجے میں سفر

Marfat.com

پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔ جو منڈی میں فراہم ہوں منڈی میں اشیاء کی فراہمی پیدائش دولت پر ہے جس کا انحصار طریق پیدائش، صارف کی تسکین اور اشیاء کی دستیابی پر ہے صارف کی طلب عموماً فوری اور شدید ہوتی ہے۔ اس لیے اسے ان اشیاء پر اکتفا کرنا پڑتا ہے اور جو عرصہ قلیل میں یکساں رہتے ہیں۔

صارف کا ذوق، ترجیحات، پسند اور ناپسند پروپیگنڈا مشینری کا مؤثر اور فعال کردار ہے نشر و اشاعت کا اثر اس قدر شدید اور مضبوط ہوتا ہے کہ اس کی ترجیحات بھی بدل جاتی ہیں۔ اور وہ بے بس اور لاچار سا ہو جاتا ہے۔ دور جدید میں آجرین صارفین کے ذوق اور ان کی ترجیحات کو بدلنے کے لیے زرکثیر صرف کر دیتے ہیں۔ اخبارات اور رسالوں، ریلوے اسٹیشنوں اور چوراہوں پر بورڈ، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور سینما سلائیڈ وغیرہ یہ سب صارف کی پسند کو بدلنے اور اس کی طلب کو متاثر کرنے میں مؤثر رول ادا کرتے ہیں۔ پروفیسر کے ایلے کے مطابق امریکہ میں قومی اشتہار بازی پر اوسط ۱۰ ڈالر فی کس صرف کیا جاتا ہے۔ وہاں اشتہار بازی اور نشر و اشاعت کے شعبہ میں تقریباً ۶۰ لاکھ افراد ملازم ہیں۔ اشتہار بازی پر کل خرچ کا تخمینہ ۲ ارب سے اڑھائی ارب ڈالر ہے۔ یہ رقم صارفین کی فلاح و بہبود پر خرچ نہیں ہوتی مگر آجرین کو امیر سے امیر تر بنانے کے لیے خرچ کی جاتی ہے۔

اجارہ داریوں کی وجہ سے بھی صارف کی برتری پر زد پڑتی ہے۔ اجارہ دار کی حیثیت ایک عام آجر کی نسبت زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ اسے دو اختیار ہوتے ہیں۔ قیمت کا تعین یا رسد کے تعین کا اختیار لیکن وہ بیک وقت دونوں اختیارات میں سے صرف ایک اختیار کو ہی استعمال کرتا ہے۔ اگر وہ قیمت کو متعین کرے، تو اسے اشیاء کی اتنی مقدار ہی فراہم کرنا ہوگی جو صارفین اس کی مقرر کردہ قیمت پر صرف کرنے کے لیے آمادہ ہوگا لیکن اگر وہ مقدار رسد پر کنٹرول کرے تو اسے وہ قیمت قبول کرنا ہوگی جس قیمت پر صارفین اس کی فراہم کردہ رسد کو صرف کرنے کے لیے تیار ہوں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں مکمل مقابلہ تو ہوتا ہی نہیں۔ کبھی تو نامکمل مقابلہ کی وجہ سے امتیازی اشیاء منڈی میں فروخت کے لیے لائی جاتی ہیں اور کبھی آجرین محض منافع کی ہوس کے تابع آپس میں اتحاد کر کے اجارہ داریاں قائم کر لیتے ہیں۔ جو پول (Pool) اور ٹرسٹ کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہیں اس سے انھیں نہ صرف صارف کے اختیارات کو کاٹنے کا اختیار مل جاتا ہے بلکہ من مانی قیمتیں بھی وصول کر لیتے ہیں۔ اشتراکیت میں تو سرکاری اجارہ ہوتی ہے جو عوام کے مفاد عامہ کے پیش نظر پیدائش اور تقسیم دولت کرتی ہے مگر سرمایہ داری نظام میں اجارہ داریاں عوامی مفاد کی کوئی پرواہ نہیں کرتیں۔

اشتراکیت میں تو صارف کو وہی اشیاء استعمال کرنا ہوں گی جو حکومت نے پیدا کرنے کا فیصلہ کیا ہوگا مگر سرمایہ داری نظام میں حکومت بالواسطہ طور پر صَرف پر اثر انداز ہوتی ہے معاشی بحران میں اپنے اخراجات بڑھا کر حکومت براہ راست بھی صَرف پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر حکومت کسی شے کے صَرف کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتی ہو تو وہ ان اشیاء پر ٹیکس عائد کر دیتی ہے جس سے وہ اشیاء مہنگی ہو کر طلب کو گھٹا دیتی

Marfat.com

ہیں۔اس کے برعکس اگر حکومت کسی شے کے صرف کی افزائش کرنا چاہتی ہو تو وہ ٹیکس میں کمی کر دیتی ہے۔ اس سے حکومت صرف میں تبدیلیاں لانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

عاملین پیدائش کا معاوضہ یعنی لگان، اجرت، سود اور منافع ان کی رسد اور طلب کی باہمی مطابقت سے متعین ہوتا ہے۔ اگر کسی عامل پیدائش کی رسد اس کی طلب سے تجاوز کر جائے تو اس کا معاوضہ کم ہو جاتا ہے۔اس کے برعکس اگر طلب رسد سے تجاوز کر جائے تو معاوضہ بڑھ جاتا ہے۔ عاملین کے معاوضے ان کی قوت پیداواری کے مطابق متعین ہوتے ہیں۔ ہر آجر کم سے کم لاگت پر زیادہ سے زیادہ اشیاء پیدا کرنے کے لیے عاملین پیدائش میں رد و بدل کرتا رہتا ہے۔ کبھی محنت کی اکائیاں بڑھا کر اور سرمایہ کی اکائیاں گھٹا کر عمل پیدائش کیا جاتا ہے اور کبھی سرمایہ کی اکائیاں بڑھا کر محنت کی اکائیاں گھٹا کر آجر بہترین اشتراک حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح پر عامل پیدائش کی ہر اکائی ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔

قیمتوں کا نظام آجر اور صارف دونوں کے لیے ہم آہنگ سمجھا جاتا ہے یعنی یہ نظام آجرین کے منافع کی ہوس اور صارفین کی تسکین میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے جو عاملین پیدائش سے حاصل ہوتی ہے جن کے باہمی تعاون اور اشتراک سے عمل پیدائش ہوتا ہے لیکن عملی طور پر سرمایہ داری نظام میں یا تو منڈی کے غیر موافق حالات کی وجہ سے آجر کو نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے یا صارفین کا استحصال کیا جاتا ہے۔

سرمایہ داری نظام میں منافع کی ہوس جسم میں روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ شرح میں منافع ہی سرمایہ کی پیداواری قوت کو متعین کرتا ہے۔ منافع ہی آجر کو احتمال نقصان برداشت کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ جس سے بڑے بڑے کاروبار معرض وجود میں آتے ہیں۔ اس سے روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں جو ایک جانب قومی دولت کو بڑھانے کا موجب بنتے ہیں اور دوسری طرف فی کس آمدنی میں اضافے کا باعث بنتے ہیں اس سے معیار زندگی بلند ہوتا ہے عوام اپنی ضروریات زندگی کی اشیاء حاصل کرنے کے علاوہ آسائشات اور تعیشات زندگی کی اشیاء حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں جو ان کی قوت پیداوار کو بڑھاتے ہیں اور معیشت میں خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ معاشرے کے محدود وسائل کو انتہائی کفایت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس سے ان کا ضیاع کم ہو جاتا ہے۔ جو آجر بھی ان وسائل کو کفایت سے استعمال کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ اسے زیادہ لاگت اور نقصان کی صورت میں سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ نفع نقصان کی ذمہ داری آجر کی ہوتی ہے۔ اگر آجر کو خدشہ ہو کہ اس منافع میں اور کوئی فریق بھی بے جا شریک ہو جائے گا۔ اس کی تمام کوششیں سرد پڑ جائیں گی۔ تنہا منافع کا مالک ہونے کی وجہ سے اس کے کاروباری فیصلے دور اندیشی اور دانشمندی پر مبنی ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اسلامی اقتصادی نظام اور سرمایہ داری نظام کا موازنہ

پہلا فرق

سرمایہ داری نام ہے بے لگام اور لامحدود انفرادی ملکیت کا اس نظام کو تین چشمے سیراب کرتے ہیں۔ سود، اکتناز اور احتکار۔

سرمایہ داری نظام کا انحصار قومی قرضوں پر ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بنک قائم ہوئے جن کے کاروبار کی اساس ہی سود ہے۔ سرمایہ دار بنکوں سے بڑی بڑی رقوم سود پر لے کر کارخانے چلاتے ہیں۔

اکتناز کے معنی ہیں سونے چاندی کے خزانے حقوق خداوندی اور انسانی حقوق کو ادا کیے بغیر جمع کرنا۔

احتکار کے معنی ہیں نوع انسان کے استعمال میں آنے والی اشیاء کو نرخ کی گرانی کا انتظار میں روک رکھنا تا کہ نفع اندوزی کی پیاس کو بجھایا جا سکے۔

سرمایہ داری کے یہ وہ چشمے ہیں جن کی وجہ سے دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آ جاتی ہے۔

اسلام سرمایہ داری کے سریحاً خلاف ہے اور ان تمام اصولوں کو ناجائز قرار دیتا ہے جو سرمایہ داری نظام کو حیات بخشتے ہیں۔ قرآن مجید نے سرمایہ داروں کو الملاء اور مترفین کے ناموں سے پکارا ہے۔ الملاء کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو بھر دینا۔ اس لحاظ سے الملاء ان لوگوں کو کہا جائے گا۔ جن کے گھر عیش و عشرت کی زندگی کے سامانوں سے بھرے ہوئے ہوں اور سامان زیست کی فراوانی کو ہی عزت اور سیادت کا معیار سمجھتے ہوں۔ قرآن مجید نے سرمایہ داری نظام کی مخالفت حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعات کے ضمن میں کی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے سرمایہ داری نظام سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر آ جاتی ہے اور عوام قوت لایموت سے محروم ہو جاتے ہیں اور قوت کے بل بوتے پر غرباء کی تھوڑی سی پونجی ہضم کر جاتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ایک غریب آدمی ایک سرمایہ دار کے خلاف مقدمہ لے کر آیا اور کہا اِنَّ هٰذَا اَخِی لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ (ص ۳۸:۲۳) یہ میرا بھائی ہے۔ اس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میری ایک دنبی ہے تو اس نے کہا ہے اسے میرے سپرد کر دے اور جھگڑے میں مجھ پر غالب آ گیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سرمایہ داروں کا مزاج بیان کیا ہے وہ غرباء کے مال کو بھی ہضم کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے سرمایہ دار کے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے کہا لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ. (ص ۳۸:۲۴) اس نے تجھ پر ظلم کیا ہے اور تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کے لیے مانگا اور بہت سے شریک ایک

دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں تقسیم دولت غیر منصفانہ بنیادوں پر تھی اور آپ نے اپنی حکمت اور دانائی سے تقسیم دولت منصفانہ بنیادوں پر چلایا اور اپنے فیصلہ سے حکومت کی پالیسی کو واضح کر دیا کہ کوئی سرمایہ دار ناجائز ہتھکنڈوں سے کسی دوسرے کی دولت پر قبضہ نہیں جما سکتا۔

سرمایہ داری کے اصولوں کی تردید

اسلام نے وہ تمام راستے جن کے ذریعے دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو سکتی ہے مسدود کر دیے ہیں۔ دولت کے جمع کرنے کا ایک راستہ سود ہے۔ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (البقرہ۲:۲۷۵) اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام کر دیا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةًo وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo (ال عمران ۳:۱۳۰) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

دوسرا راستہ جس کے ذریعہ سرمایہ دار دولت سمیٹتے چلے جاتے ہیں وہ اکتناز ہے۔ اکتناز کو ممنوع قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. (توبہ۹:۳۴) اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔

تیسرا راستہ دولت سمیٹنے کا احتکار ہے اس ذریعہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا اَلْجَالِبُ مرزوق والمحتکر ملعون. (اخرجہ ابن ماجہ) یعنی غلہ کو بیچنے کی غرض سے باہر لے جانے والا مرزوق ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے۔

سرمایہ کو چند ہاتھوں میں جمع کرنے والے تمام ذرائع کو ناجائز قرار دینے کے ساتھ دولت کو مزید ہاتھوں میں پہنچانے کے لیے چند اصول مقرر کر دیے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

صدقات

صدقات، ورثہ، کفارات، خراج و جزیہ، نفقات، عشر، وصیت، وقف العفو زائد خرچ کرنے کی تعلیم، تفصیلات اپنی جگہ پر آئیں گی۔

تیسرا فرق

سرمایہ دارانہ نظام صاحب مِلک کی دولت کے استعمال اور تصرف پر بے قید اور غیر محدود اختیار

دیتا ہے۔

جبکہ اسلام میں تصرف دولت اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے تابع ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. (الاعراف ۷:۳۱) کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ دوسری جگہ آتا ہے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا o اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ. (اسرائیل ۱۷:۲۶، ۲۷) فضول خرچی نہ کر کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہے۔

اسراف اور تبذیر کا لازمی نتیجہ لذت اندوزی تنعم اور عیش کوشی ہے۔ اسلام نے عیش کوشی سے منع فرمایا ہے کیونکہ عیش کوشی معاشرہ میں فساد اور خلل ڈالتی ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب انھیں یمن بھیجا تو فرمایا کہ خبردار! عیش کوشی سے اجتناب کرنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔

چوتھا فرق

سرمایہ دارانہ نظام ہر قسم کی تجارت اور کاروبار کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرتا۔ اسلام ان تمام چیزوں کی تجارت کرنے سے منع کرتا ہے۔ جو صحت اور معاشرہ کو خراب کرنے کا باعث ہوں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ. (نیل الاوطار ج ۵) کہ اللہ تعالیٰ نے شراب مردار خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام کر دیا ہے۔

پانچواں فرق

سرمایہ دارانہ نظام میں انفرادی ملکیت اجتماعی مفادات سے بالاتر ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی اساس ہی لامحدود ملکیت اور بے لگام تصرف دولت پر ہے۔ اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے انفرادی مفاد اجتماعی مفاد سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں انفرادی ملکیت اجتماعی مفادات کے زیر اثر ہوتی ہے۔

چھٹا فرق

سرمایہ دارانہ نظام میں کساد بازاری ناگزیر ہے۔ اسلامی اقتصادی نظام میں عام معاشی خوشحالی ہوتی ہے کیونکہ اسلام کا تقسیم دولت اس رنگ میں کرتا ہے کہ اس کے اثرات نچلی سطح تک پہنچ جاتے ہیں اور عوام کی قوت خرید بڑھ جاتی ہے۔

ساتواں فرق

سرمایہ دارانہ نظام مصنوعی گرانی پیدا کرنے کے لیے مال کو تلف کرنا جرم قرار نہیں دیتا بلکہ

Marfat.com

صاحب ملک کا جائز حق ہے اور اس پر پابندی عائد کرنا شخصی آزادی کو کچلنے کے مترادف قرار دیتا ہے۔
جان اسٹن کہتا ہے۔

”غیر منقول املاک یا دولت وغیرہ میں مطلق ملکیت کی رو سے اپنی ملکیت کے تباہ کر دینے یا ضائع کرنے کا حق حاصل ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس تباہی میں کسی دوسرے فرد پر کوئی برا اثر نہ پڑے۔“

”اگر میں اپنے مکان کا مالک ہوں تو میں چاہوں تو اسے تباہ کر سکتا ہوں مگر مجھے اس کو اس طرح ہرگز تباہ نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے میرے پڑوسیوں کو نقصان پہنچے۔“

اسلام میں صاحب ملک کو تلف مال کی ہرگز اجازت نہیں ہے کیونکہ اسلام کی رو سے تمام اشیاء کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور انسان اللہ کی دی ہوئی دولت میں نائب امین اور وکیل ہے۔ نائب کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ دولت کو کسی رنگ میں تلف کرے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ. (الحدید ۵۷:۷) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس سے خرچ کرو جس میں اس نے تمھیں اپنا نائب بنایا ہے۔ قرآن مجید میں اتلاف مال کو فساد سے تعبیر کیا ہے ارشاد ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ. (البقرہ ۲:۲۰۵) اور جب حاکم بنتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا ہے کہ اس میں فساد ڈالے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

رسول کریم ﷺ نے بھی اتلاف مال سے منع فرمایا ہے۔ حضرت مغیرہؓ روایت کرتے ہیں۔ قَالَ وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ قِيْلَ وَ قَالَ وَ كَثْرَةُ السُّوَالِ وَاِضَاعَةِ الْمَالِ وَمَنْعٍ وَّهَاتِ وَ عُقُوْقِ الْاُمَّهَاتِ وَ وَاْدَ الْبَنَاتِ. (بخاری کتاب الرقاق) راوی نے کہا کہ آپ نے قیل و قال کرنے، بہت زیادہ سوالات دریافت کرنے، مال کو ضائع کرنے، خود نہ دینے اور دوسروں سے مانگنے، ماں کی نافرمانی اور بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا۔

آٹھواں فرق

سرمایہ دارانہ نظام تسعیر (قیمتیں مقرر کرنا) کو حرام قرار دیتا ہے۔ اس کے برعکس جب رسد اور طلب کا توازن بگڑ جائے تو اسلام مفاد عامہ کے پیش نظر تسعیر کی اجازت دیتا ہے۔ حضرت امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

جب عوام الناس کی ضرورت قیمتوں کی منصفانہ تعین کے بغیر پوری نہ ہو سکتی ہو تو ان کے لیے ایسی قیمتیں مقرر کر دی جائیں جو عدل و انصاف پر مبنی ہوں۔ بغیر کسی کمی یا زیادتی کے۔ (الحسبۃ فی الاسلام)

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

سلطان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ لوگوں کو متعین قیمتوں کا پابند بنائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے

Marfat.com

فرمایا کہ ''قیمت نہ مقرر کرو کیونکہ اللہ ہی قیمت مقرر کرنے والا تنگی پیدا کرنے والا، فراخی پیدا کرنے والا، رزق عطا کرنے والا ہے اور اس لیے کہ قیمت بتانا عقد بیع کرنے والے کا حق ہے۔ لہٰذا اس کی تعین وہی کر سکتا ہے پس امام کو اس کے حق میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ بجز اس صورت حال کے جب کہ ضرر عامہ کا دفعیہ اس کا متقاضی ہو۔''

نواں فرق

اجارہ داری سرمایہ داری نظام کا لازمہ ہے۔ ایک سرمایہ دار یا چند سرمایہ دار مل کر ملکی کاروبار پر قبضہ کر لیتے ہیں اور جس سے ملکی معیشت کے سیاہ وسفید کے مالک بن جاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لیے اپنی مرضی سے قیمتیں مقید کر لیتے ہیں۔ اسلام اجارہ داری کا مخالف ہے اور اس کاروباری عمل پر پابندی عائد کرتا ہے۔ جس سے استحصال کا دروازہ کھلتا ہے کیونکہ اسلام ملکی اور اجتماعی مفاد کو فرد یا چند افراد کے مفاد پر ترجیح دیتا ہے رسول کریم ﷺ نے اجارہ داری کے انسداد کے لیے تلقی الرکبان، بیع حاضر لباد سے منع فرمایا۔

نَھٰی رسول اللہ ﷺ عن تَلَقِّی الرُّکْبَانِ (بخاری) کہ رسول کریم ﷺ نے شہر سے نکل کر ماہر تجارت کے قافلہ سے خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا۔

نَھٰی رسول اللہ ﷺ اَنْ یَّبِیْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ کہ رسول اللہ ﷺ نے کہ شہری گاؤں والوں کے لیے خرید وفروخت کریں۔

دسواں فرق

سرمایہ دارانہ نظام میں نسلی، جغرافیائی امتیازات ضروری ہیں۔ اسلام کا اقتصادی نظام نسلی اور جغرافیائی امتیازات ختم کرتا ہے۔ اسلام کا نظام ربوبیت عالمگیر ہے اور دنیا کے ہر خطہ کے ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

سرمایہ داری نظام میں نجی ملکیت کے علاوہ جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے وہ معاشی آزادی ہے۔ حامیان سرمایہ داری نظام انفرادی آزادی کو ہی تمام اجتماعی اور معاشرتی مصالح کا سرچشمہ تصور کرتے ہیں۔ اس لیے ان کا یہ نقطہ نگاہ ہے کہ ہر شخص کو آزادی کی دولت سے بہرور ہونا چاہیے تاکہ اپنی انفرادی اغراض اور فوائد کے لیے پیدائش دولت کا جونسا شعبہ اختیار کرنا چاہے وہ اختیار کرے اس کے ذاتی اغراض اور مفادات ہی پیداوار کے بڑھانے کا باعث ہوں گے اور معاشرہ میں دولت کا اضافہ ہوگا اور لوگ خوش حال ہوں گے۔ جب ہم اس مفروضہ کا ناقدانہ جائزہ لیں تو صاف باطل معلوم ہوتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ سرمایہ دار کو اپنے مفاد کے علاوہ دوسروں کی ضروریات، احتیاجات اور مفادات سے کوئی غرض

Marfat.com

نہیں۔ ان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ ان کے زیردست رہیں۔ اسلام سے قبل غلامی کا رواج سرمایہ داروں کے ذریعہ ہوا اٹھارویں اور انیسویں صدی میں بھی غلامی نے سرمایہ داری کے نظام کے بطن سے جنم لیا۔ یورپ کے سرمایہ دار ممالک نے ''ھل من مزید'' کے لیے دیوانہ وار براعظم افریقہ کے ممالک پر قبضہ جمانا شروع کر دیا اور وہاں کے باشندوں کو اسیری کی زنجیروں میں جکڑا اور غلاموں کی خرید و فروخت شروع کر دی۔ یہاں تک کہ برطانیہ نے ظاہری ہمدردی کی بناء پر ایسے معاہدات کی بنیاد ڈالی جس میں بردہ فروشی کو ممنوع قرار دیا گیا اور برطانیہ نے افریقہ کے ساحلوں، پر اسطول مقرر کر دیا۔ تا کہ غلامی کی ناجائز خرید و فروخت کی نگرانی کرے بظاہر افریقی عوام کی حمایت کی گئی ہے مگر اسی حمایت میں افریقہ پر قبضہ جما لیا۔ گذشتہ ادوار کے سرمایہ داری نظام نے انفرادی غلامی کو فروغ دیا دور حاضر میں آزاد اور خود مختار ممالک کی اقتصادیات کو اپنے قبضہ میں لے کر بلواسطہ غلامی کا جوا ان کو پہنا دیا ہے۔ گویا خود مختار ملک کہلانے والے بھی سرمایہ دار ممالک کے غلام ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے سرمایہ دار نظام اپنے اندر دوسروں کو غلام بنانے کی لعنت لیے ہوئے ہے۔

Marfat.com

قرآن اور سرمایہ دار

قرآن مجید میں دولت و ثروت کو مدح اور ذم دو صورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مقام مدح کے لیے مختلف الفاظ مثلاً فضل[1]، حسنہ[2]، طیبہ[3]، زینت[4] اور ذریعہ[5] قیام استعمال کیے ہیں۔ اس کے برعکس مقام ذم کے لیے، متاع[6] الغرور اور فتنہ[7] کے الفاظ، جہاں اللہ تعالیٰ نے دولت کو اچھے رنگ میں بیان کیا ہے۔ وہ دولت ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق کمایا ہے اور اسی کے احکام کے مطابق خرچ کیا ہے۔ اور جس دولت کو ذم کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے وہ ہے جس کا نہ اکتساب احکام خداوندی کے مطابق ہے اور نہ صَرف یہاں اس دولت کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اپنے اندر ذم کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ یہی وہ دولت ہے۔ جو معاشرہ میں فساد کا موجب ہے اسی ذریعہ فساد کو مٹانے کے لیے مختلف زمانوں میں انبیاء علیہم السلام آئے۔ سرمایہ داروں نے ان کی مخالفت کی۔

قرآن مجید نے دولت کے حقوق نہ ادا کرنے والے سرمایہ داروں کے لیے اَلْمَلَاءُ[8] اور مترفین کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

یہی وہ سرمایہ دار ہیں جن کے لیے دولت باعث متاع الغرور اور فتنہ ہے۔

چنانچہ ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا جاتا ہے جنھوں نے روحانی معاشرتی انقلاب برپا کرنے کے ساتھ معاشی ناہمواریوں کو دور کر کے اقتصادی انقلاب کا دروازہ کھولا۔

---

1. لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (۱۴:۱۶)
2. رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (۲۰۱:۲)
3. يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ. (۱۷۲:۲)
4. يٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. (۳۱:۷)
5. اَلَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (۵:۴)
6. وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ. (۱۸۵:۳)
7. وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (۲۸:۸)
8. اَلْمَلَاءُ. مَلَاَ يَمْلَاُ، مَلْاً کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو بھر دینا اس لحاظ سے اَلْمَلَا ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کی تجوریاں مال و دولت سے بھری ہوئی ہیں لیکن مصالح عامہ کے لیے خرچ نہیں کرتے۔
مترفین وہ لوگ جو عیش و آرام سے زندگی گزارتے ہیں اور ان کے دلوں سے یاد خدا نکل چکی ہے۔

جب دنیا میں اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی تخلیق کی۔ تو ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے کہا یٰادَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا (۳۵:۲) اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور اس میں سے بافراغت کھاؤ جہاں سے چاہو۔

اس آیت کریمہ میں آدم اور ان کی بیوی کو نسل انسانی کا قائم قرار دے کر یہ وعدہ کیا ہے ان کی جسمانی ضروریات کے لیے بافراغت سامان مہیا کر دیا گیا ہے اس سے استفادہ کریں۔

دوسری جگہ حضرت آدم سے فرمایا اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى (طٰہٰ ۱۱۸، ۱۱۹) اے آدم تو اس (زمین) میں نہ بھوکا رہے گا اور نہ ننگا نہ پیاسا رہے گا اور نہ ہی دھوپ میں۔

گویا اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں نسل انسانی کے لیے روٹی کپڑا مکان مہیا کر دیا ہے اور اس سے استفادہ کرے۔ جوں جوں نسل انسانی بڑھتی چلی گئی۔ طاقت وروں نے وسائل پیدائش پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور کمزوروں کو محروم کر دیا گیا۔ اس طرح معاشرہ میں معاشی ناہمواریاں پیدا ہو گئیں اور طبقاتی کشمکش شروع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے معاشرہ کو پُرامن بنانے کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ جہاں انھوں نے معاشرہ کی روحانی اور معاشرتی اصلاح کے لیے انقلابی تعلیم دی وہاں معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لیے بھی اصلاحی پروگرام دیا۔ ان انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ اس دور میں جہاں روحانی معاشرتی برائیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ وہاں معاشی ناانصافیوں کی وجہ سے معاشرہ دو طبقوں سرمایہ دار اور ضعفاء میں بٹ چکا تھا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے سرمایہ داروں کو ان کی اقتصادی بے اعتدالیوں اور ناانصافیوں اور ظلم و جور سے آگاہ کیا تو انھوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا۔ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ اِنَّا لَنَرٰكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سورہ اعراف ۶۰) اس کی قوم کے سرداروں نے کہا ہم یقیناً تجھ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اصلاحی دعوت پر معاشرہ کے کمزور اور پسے ہوئے لوگوں نے لبیک کہا اور اصلاحی دعوت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وعدہ کیا تو بپھرے ہوئے سرمایہ دار کب کمزوروں کو عزت کے مقام پر دیکھنا پسند کرتے تھے۔ حضرت نوح سے کہا وَمَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (ہود ۱۱:۲۷) اور ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی ان لوگوں نے کی ہے جو ہم میں سے نچ ہیں اور وہ بھی سرسری نظر سے۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں معاشرہ دو طبقوں امراء اور ضعفاء میں بٹ چکا تھا۔ جب اصلاحی تحریک پھیلنے لگی ضعفاء حضرت نوح علیہ السلام کے گرد جمع ہونا شروع ہوئے تو سرمایہ داروں نے ضعفاء کے اکٹھ کو اپنے لیے کچھ خطرہ محسوس کرنا شروع کیا تو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ تم اپنے پاس سے ان اراذل اور دھتکارے ہوئے لوگوں کو نکال دے تو حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا وَمَا

Marfat.com

اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْ اَرٰكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ (ہود ۱۱:۲۹) میں انھیں نکال نہیں سکتا جو ایمان لائے ہیں وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں میں تمھیں ایک جاہل قوم دیکھتا ہوں۔

سورہ شعراء میں آتا ہے قَالُوْا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (شعراء ۱۱۱) سرمایہ داروں نے کہا کیا ہم تم پر ایمان لائیں اور تیری پیروی کرنے والے رذیل لوگ ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام اس طبقاتی تقسیم کے خلاف تھے۔ اس معاشرہ کو اونچ نیچ سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ لیکن سرمایہ داروں کو ناگوار گزرا اور حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ اور آپ نے ان کو بڑا سمجھایا کہ اپنے رویہ میں اصلاح کریں۔ حق کو مانیں غرباء کا حق ادا کریں۔ خط امتیاز کو ختم کریں۔ اپنے سرمایہ کے زعم پر حضرت نوح علیہ السلام سے کہا اے نوح! تو ہم سے جھگڑا۔ اور جھگڑا کافی طول پکڑ گیا ہے۔ جس عذاب کا تو وعدہ دیتا ہے وہ لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے۔ (ہود: ۳۲)

حضرت نوح علیہ السلام نے خدا سے دعا کی آخرکار طوفان کی شکل میں عذاب آیا۔ سرمایہ دار پانی کی لہروں کی نذر ہو گئے اور ضعفاء حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جانے کی وجہ سے بچ گئے۔

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام کے دور میں بھی معاشرہ جہاں روحانی اور معاشرتی امراض میں مبتلا تھا وہاں معاشی لحاظ سے بھی۔ معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم تھا۔ سرمایہ داروں کی ٹھاٹ بھاٹ اور کروفر اور عالی شان محلات کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (الفجر ۸۹:۸،۹) (عاد ارم بلند عمارتوں والے کے ساتھ جن کی مثل شہروں میں پیدا نہ ہوئے تھے۔)

حضرت ہود علیہ السلام نے غرباء کے حقوق پامال کرنے اور عالی شان عمارتوں میں رہائش پذیر ہونے پر کڑی تنقید کی۔ فرمایا اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ (الشعراء ۲۶، ۱۲۸......۱۳۰) کیا تم ہر اونچی جگہ یادگاریں بناتے ہو کہ شاید تم ہمیشہ رہو اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سختی سے پکڑتے ہو سو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔

اس آیت کریمہ میں سرمایہ داروں کی دو برائیوں کا ذکر کیا ایک تو اپنی کروفر اور شان و شوکت کے اظہار کے لیے اونچی جگہوں پر عالی شان عمارتیں بناتے اس کام میں اسراف پایا جاتا ہے دوم الفاظ بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ میں ان غرباء پر ظلم و ستم کا اظہار کیا گیا ہے۔

حضرت ہود نے ان کو خدا کی گرفت سے ڈرایا کہ اپنی دولت کی وجہ سے اس گھمنڈ میں نہ پڑو کہ کوئی بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن حضرت ہود کی بات کی طرف توجہ نہ کی بلکہ یہ کہا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (الشعراء ۲۶: ۱۳۸) کہ ہمیں کوئی تکلیف نہیں دے سکتا۔ خود ہی اس کی وجہ بتا دی۔ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حٰم السجدہ ۱۵) ہم سے بڑھ کر کون قوت ور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب تکبر کی وجہ سے کوئی شخص

Marfat.com

خدا کی صفت کبریائی میں اپنے آپ کو شامل کر لیتا ہے تو وہ خدا کی گرفت میں آ جاتا ہے اللہ کی اس سنت کی وجہ سے قوم ہود پکڑی گئی۔ اس کا حال یہ ہے تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ (الاحقاف ۴۶:۲۵) اپنے رب کے حکم سے ہر چیز تباہ و برباد ہوگی سو وہ ایسے ہو گئے سوائے ان کے مکانوں کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اس طرح ہم مجرم کو بدلہ دیتے ہیں۔

قوم عاد کی تباہی و بربادی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ (ذاریات ۵۱:۴۱،۴۲) اور عاد (اللہ کی تباہی کا نشان بن گئی) جب ہم نے ان پر تباہ کرنے والی ہوا بھیجی وہ کسی کو نہ چھوڑتی تھی جس پر آتی تھی مگر اسے چورا چورا کر دیتی۔

یہ ہے اس قوم کا برا انجام جو اپنی امارت کے نشہ میں نبی کے انتباہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتی اور غرباء پر ظلم کرنے سے باز نہ آتی اور دولت میں تکاثر کی وجہ سے غرباء کا خون چوستی تھی۔

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ عرب کے شمال و مشرقی حصّہ میں جو مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے آباد تھی۔ اس قوم میں سرمایہ داری نظام رائج تھا جس وجہ سے مرفہ الحال تھی۔ قوم ثمود کا ایک طبقہ نادار تھا۔ اس طرح معاشرہ میں طبقاتی تقسیم تھی۔ اور حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کی دیگر روحانی اور معاشرتی امراض سے آگاہ کیا وہاں ان کے نظام سرمایہ داری پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (الاعراف ۷:۷۴) اور تمہیں زمین میں ٹھکانہ دیا تم میدانوں میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر کوٹھیاں بناتے ہو۔ سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے مت پھرو اللہ تعالیٰ نے معاشرہ میں تفرقہ اور طبقاتی تقسیم کرنے والی سرمایہ داری کو موجب فساد قرار دیا ہے۔

غریب طبقے نے حضرت صالح کے پیغام میں اپنی حیات کبھی اپنا نجات دہندہ خیال کیا ان پر وہ ایمان لے آئے۔ جب ایمان لانے والوں میں اضافہ ہونا شروع ہوا تو غرباء کو ورغلانے اور ایمان لانے سے روکنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی۔ وہ ایمان لانے والے غریب لوگوں کے پاس جاتے اور ان سے کہتے۔ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ (اعراف ۷:۷۵) سرمایہ داروں نے جنھوں نے اس کی قوم سے تکبر کیا۔ ان سے جو کمزور تھے جو ان میں سے ایمان لائے کہا کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے بولے جو کچھ اسے دے کر بھیجا گیا ہے اس پر ایمان لانے والے ہیں۔

غرباء نے سرداروں سے واضح الفاظ میں یہ جواب دیا۔ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ

(الاعراف ۷:۷۵) انھوں نے کہا کہ ہم حضرت صالح کے پیغام پر ایمان لا چکے ہیں۔

جب سرمایہ دار غرباء کو ایمان لانے سے نہ روک سکے تو انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ لیکن وہ اپنے منصوبہ میں ناکام ہو گئے۔ آخر کار طوعاً و کرھاً حضرت صالح کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا۔[1] حضرت صالح سے پوچھا تم کیا چاہتے ہو آپ نے فرمایا کہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم وسائل، پیداوار پر اپنی اجارہ داری ختم کر دو۔ وہ ضعفاء کی مضبوط جتھہ بندی اور طاقت کی وجہ سے حضرت صالح کی بات تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گئے تو حضرت صالح نے نشانی کے طور پر کہا کہ "یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمھارے لیے ایک نشانی ہے یہ اللہ کی زمین میں کھائے پیے اسے کھلا چھوڑ دو اس کو بدنیتی سے ہاتھ نہ لگانا۔ ورنہ تم اللہ کی گرفت میں آ جاؤ گے۔" (الاعراف ۷:۷۳)

اس آیت کریمہ میں نہایت بلیغ انداز میں یہ سمجھایا ہے کہ زمین اللہ کی ہے اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے جب حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی چراگاہ اور چشموں میں آ جانے لگی تو یہ سرمایہ داروں کے مزاج کے خلاف تھا کہ دوسروں کے جانور ان کی چراگاہوں اور چشموں میں چرتے پھریں۔ چنانچہ حضرت صالح کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو خدا کا غضب بھڑکا۔ تو قوم ثمود کو تباہ و برباد کر دیا۔ ارشاد الٰہی اِنَّا اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ صَیۡحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوۡا كَهَشِیۡمِ الۡمُحۡتَظِرِ (القمر: ۳۱) ہم نے ان پر ایک ہی آواز بھیجی تو وہ اس طرح ہو گئے جیسے ایک باڑ لگانے والے کی روندی ہوئی باڑ ہوتی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب قوم مدین کی ہدایت (روحانی، معاشرتی اور معاشی) کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ مدین عرب کے شمال و مغربی حصہ میں ایک شہر ہے۔ یہ قوم بھی معاشی لحاظ سے دو طبقوں میں منقسم تھی۔ سرمایہ دار طبقہ غرباء کو مختلف طریقوں سے لوٹتا تھا۔ ایک طریقہ ناپ تول کم کر دینا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے سرمایہ دار تجار کو اس تجارتی بددیانتی سے روکا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ فَاَوۡفُوا الۡكَیۡلَ وَالۡمِیۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَهُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا۔ (الاعراف ۷:۸۵) سو ماپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔

اس آیت کریمہ میں تجارتی بددیانتی یعنی ماپ اور تول کم دینے کو فساد فی الارض قرار دیا ہے۔

سرمایہ دار طبقے نے اس خیر خواہانہ نصیحت اور امر نہی کو اپنے مفادات اور تصرف فی التجارۃ میں آزادی کے خلاف سمجھا اور مخالفت پر تل گئے اور حضرت شعیب کو کہا۔ یٰشُعَیۡبُ اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ

---

[1] معلوم ہوتا ہے حضرت صالح پر ایمان لانے والے غرباء کی اتنی طاقت بڑھ چکی تھی۔ اس وجہ سے قتل کے منصوبے میں ناکام رہے اور صلح کا ہاتھ بڑھانا پڑا۔

Marfat.com

اَنْ نَتْرُکَ مَایَعْبُدُ اٰبَاءُ نَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْ اَمْوَالِنَا مَانَشٰٓؤُا اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ (ہود ۱۱: ۸۷) انھوں نے کہا۔ اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے آبا و اجداد کرتے تھے یا اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں نہ کریں بے شک تو بڑا بردبار اور سیدھی راہ پر چلنے والا ہے۔

آیت کے آخری الفاظ "حلیم" اور "رشید" طنزیہ ہیں کہ تو اپنے آپ کو غربا کا ہمدرد قرار دے کر باوقار، بردبار اور سیدھی راہ دکھانے والا خیال کرتا ہے۔ حقیقت میں یہ ہماری معاشی آزادی پر ڈاکہ ہے اس لیے سرمایہ داروں نے حضرت شعیب کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا (اعراف ۷: ۸۸) قوم کے متکبر سرمایہ دار لوگوں نے کہا۔ اے شعیب ہم تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو اپنے شہر سے نکال دیں گے (اگر تم شہر بدر ہونا نہیں چاہتے) تو پھر تمھیں ہمارے مذہب کی طرف لوٹ کر آنا ہوگا۔

حضرت شعیب نے جواب دیا قَالَ اَوَلَوْ کُنَّا کٰرِهِیْنَ (اعراف ۷: ۸۸) کہا ہم تمھارے (تجارتی بددیانتی کے طریقوں کو) ناپسند کرتے ہیں۔

حضرت شعیب کو دھمکیاں دینے کے ساتھ مومنین کو بھی دھمکانا ڈرانا شروع کر دیا۔ ارشاد الٰہی ہے وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (اعراف ۷: ۹۰) اور اس قوم کے سرداروں نے جو کافر تھے کہا اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم یقیناً نقصان اٹھانے والے ہو گے۔

جب قوم مدین اپنے مال و دولت کے زعم میں متکبرانہ نخوت میں انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ کا غضب بھڑکا تو ان کو تباہ کر دیا ارشاد الٰہی ہے۔ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ (اعراف ۷: ۹۱) سو ان کو زلزلے نے آ پکڑا پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تاریخی مطالعہ کریں تو واضح ہو جاتا ہے یہ دو نظاموں کا ٹکراؤ تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انسانوں کی ہر قسم کی آزادی کے علمبردار تھے اور فرعون انسانوں کو اپنے پنجہ استبداد میں رکھنے کا حامی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بے بس مقہور و مجبور قوم بنی اسرائیل تھی اور فرعون کے ساتھ تمام سرمایہ دار (خصوصاً قارون جس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے) جابرانہ نظام کو قائم رکھنے کے لیے ساتھ دے رہے تھے۔ قرآن مجید نے فرعونی نظام کو زمین میں سرکش قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (القصص ۲۸: ۴) فرعون نے ملک میں سرکشی اختیار کی اور اس کے رہنے والوں کو فرقے فرقے بنا رکھا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کرتا جاتا تھا۔ ان کے بیٹوں کو

Marfat.com

ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا اور وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے اپنی حکومتی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے ملک میں طبقاتی تقسیم پیدا کر دی تھی۔ ایک گروہ وہ تھا جس کے ہاتھ میں تمام وسائل پیداوار تھے۔ اس کے ساتھ حکومت کی سرپرستی بھی تھی دوسرا گروہ محکوم و مقہور تھا۔ اس گروہ میں خصوصاً بنی اسرائیل شامل تھے۔ وہ ہر قسم کے حقوق سے محروم تھے اور غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ غلامی تو خود ایک ذلت اور منکبت ہے لیکن اس کے ساتھ انھیں طرح طرح کے عذاب دیے جاتے تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ وہ تمھیں سخت عذاب دیتے تھے۔ لوگوں کو غلامی میں رکھنے کی وجہ سے فساد فی الارض کہا ہے فساد صرف ملک میں بدامنی خلفشار کا نام ہی نہیں بلکہ حقوق انسانی سے محروم کرنے کا نام بھی فساد ہے اس فساد کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف ایک مصلح کے رنگ میں بھیجا تاکہ وہ بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلائیں ارشاد الٰہی ہے۔ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ o وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ (القصص ۲۸: ۵،۶) اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور کیے گئے ہیں اور انھیں امام بنائیں اور انھیں وارث بنائیں اور انھیں زمین میں طاقت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو ان سے وہ چیزیں دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت مستمرہ بیان کی ہے کہ جب کوئی قوم مال و دولت کے نشہ میں مخمور ہو کر لوگوں پر معاشرتی اور معاشی غلامی کی ذلت اور منکبت پھینکتی ہے اور اپنی زمینی طاقت کی وجہ سے خدا بن بیٹھتی ہے اور یہ سمجھنے لگ پڑتی ہے کہ اس کی طاقت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دیتی ہے جن کی وجہ سے وہ قوم صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ یہاں اس کی مثال فرعون کی بیان کی ہے فرعون کی تباہی کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا جس نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی آخرکار وہی فرعون کی تباہی کا سبب بنا۔

اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ فرعون کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ مظلوم اور محکوم طبقہ بنی اسرائیل کو ان کے سپرد کر دے قرآن مجید میں آتا ہے اَنْ اَدُّوْا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (الدخان: ۱۸) کہ اللہ کے بندوں کو میرے سپرد کر دو میں تمھارے لیے امانت والا رسول ہوں۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ (طٰہٰ: ۴۷) بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔

جب سرمایہ داروں نے یہ سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو بگار سے آزاد کر کے اس کے سپرد کر دے تو وہ فرعون کے پاس اکٹھے ہو گئے اور فرعون سے کہا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ (الاعراف ۷:۱۲۷) اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑتا ہے کہ ملک میں فساد کریں اور وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے۔

فرعون نے سرمایہ داروں کے جواب میں تہدیدانہ انداز میں کہا۔ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ (الاعراف ۷:۱۲۷) ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور ہم ان کے اوپر غالب ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دھمکی سن کر بنی اسرائیل کو کہا۔ اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (اعراف ۷:۱۲۸) اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر رات کے اندھیرے میں ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ حکم خداوندی کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ ہجرت کر گئے ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ (شعراء ۵۲) اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ راتوں رات میرے (محکوم) بندوں کو لے جا کیونکہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام محکوم اور مظلوم بنی اسرائیل کو لے کر چل دیے اور سرمایہ داری نظام کے خاتمے کے لیے خدا سے دعا مانگی رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ (یونس ۱۰:۸۸) اے ہمارے رب ان کے مالوں کو تباہ کر دے۔

جب دریا کے کنارے پہنچے۔ حکمت الٰہی سے مدوجذر سے پیدل چلنے کا رستہ بنا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مظلوم بنی اسرائیل تائید ایزدی سے خشک راستہ سے دریا عبور کر گئے جب فرعون اور اس کا لشکر اسی راستہ پر چلا تو راستے میں ہی تھے اترا ہوا پانی پھر چڑھ گیا اور فرعون اور اس کا لشکر دریا کی لہروں میں بہہ گئے۔ مرتے ہوئے فرعون بھی خدا کے نظام ربوبیت پر ایمان لے آیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰى میں موسیٰ کے رب پر ایمان لے آیا ہوں۔ اس آیت میں رب کا لفظ لا کر یہ بتایا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ جھگڑا معاشی ناہمواریوں کا تھا۔ ملک میں فرعون اور حکومت کی سرپرستی سے سرمایہ داروں نے وسائل پیداوار پر قبضہ کر لیا ہوا تھا جس وجہ سے ایک طبقہ نان جویں سے محروم ہو چکا تھا۔ مزید برآں سرمایہ دار مفت بگار بھی لیتے تھے۔ مرتے ہوئے فرعون نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا کہ

Marfat.com

وہی معاشی نظام بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا پرتو ہو۔ اسی نظام میں معاشی طبقاتی تقسیم نہیں ہوتی اور ہر شخص ضروریات زندگی سے متمتع ہوتا ہے۔ اس اقرار کے ساتھ اپنی صفت ربوبیت کا انکار کیا۔ جو خدا کی زمین پر ایک رب بنا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کا ایک بڑا سرمایہ دار جس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے اس کا ذکر بھی کرنا ضروری ہے۔

قارون، موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ فرعون کی حکومتی سرپرستی سے اس دور کا بہت بڑا سرمایہ دار تھا۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں کرتا ہے۔ وَاٰتَیۡنٰہُ مِنَ الۡکُنُوۡزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَہٗ لَتَنُوۡٓءُ بِالۡعُصۡبَۃِ اُولِی الۡقُوَّۃِ (القصص ۲۸:۷۶) اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیے کہ اس کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت کے لیے اٹھانی مشکل تھیں۔ اس نے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل پر بہت ظلم ڈھائے اس کی قوم نے اس کو بہت سمجھایا کہ اپنی دولت پر مت اترا۔ ناحق ظلم وستم ڈھا کر زمین میں فساد برپا نہ کر لیکن دولت کے نشہ اس پر اس قدر چھایا ہوا تھا وہ ظلم وستم سے باز نہ آیا آخرکار اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق اس کو تباہ وبرباد کر دیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ فَخَسَفۡنَا بِہٖ وَبِدَارِہِ الۡاَرۡضَ فَمَا کَانَ لَہٗ مِنۡ فِئَۃٍ یَّنۡصُرُوۡنَہٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُنۡتَصِرِیۡنَ (القصص ۲۸:۸۱) سو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو کوئی گروہ اس کے لیے نہ ہوا جو اللہ کے مقابلہ پر اس کی مدد کرتے اور نہ وہ خود اپنے تئیں بچا سکا۔

رسول کریم ﷺ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا بتایا ہوا نظام معیشت سرمایہ داری اصولوں پر مبنی نہیں ہے۔ ایسی تعلیم پیش کی ہے جس میں دولت کے حصول کی آزادی بھی دی ہے لیکن اس کے ساتھ ناجائز ذرائع سے دولت کمانے پر پابندیاں بھی عائد کیں ہیں پھر اس کے ساتھ دولت مند اصحاب کی دولت میں سائلین اور محرومین کا حق بھی قرار دے دیا ہے۔ سائلین اور محرومین کا حق ادا کرنے کے بعد بھی دولت بچ جائے تو اس کے متعلق یہ ارشاد الٰہی ہے۔ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ قُلِ الۡعَفۡوَ (البقرہ ۲۱۹) وہ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ جو ضرورت سے زائد ہے وہ خدا کی راہ میں خرچ کر دیں۔

رسول کریم ﷺ کے بتائے ہوئے ضابطہ معیشت کے متعلق اگلے صفحات میں پڑھیں گے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ رسول کریم ﷺ کی سرمایہ دار طبقے نے ہی مخالفت کی تھی۔ ابولہب، ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ سب سرمایہ دار طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تباہ وبرباد ہوئے قرآن مجید میں آتا ہے۔ تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّتَبَّ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ۔ (اللھب ۱۱۱:۱،۲) ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک

Marfat.com

ہوئے وہ بھی ہلاک ہوا۔ اس کا مال جو اس نے کمایا اس کے کسی کام نہ آیا۔ سورۃ ہمزہ ساری کی ساری نظام سرمایہ داری کے خلاف ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ نِ الَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّ عَدَّدَہٗ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗ اَخْلَدَہٗo کَلَّا لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ وَمَا اَدْرٰکَ مَالْحُطَمَۃُo نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ اِنَّھَا عَلَیْھِمْ مُّؤْصَدَۃٌ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ (ہمزہ ۱۰۴: ۹،۱) تباہی ہے ہر عیب لگانے والے طعن کرنے والے کے لیے جو مال کو جمع کرتا ہے اور اسے گنتا رہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں پھینکا جائے گا اور تجھے کیا خبر حطمہ کیا ہے اللہ کی جلائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھتی ہے وہ ان پر لمبے لمبے ستونوں میں بند کر دی گئی ہے۔

مذکورہ آیات میں تمام سرمایہ داروں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ جو سرمایہ دار اپنے مال میں سے اللہ اور اس کے بندوں کا حق ادا نہیں کرتے بلکہ مزید دولت بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں وہ تباہی کے گڑھے میں گرائے جائیں گے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ رسول کریم ﷺ کے دور مسعود میں جو سرمایہ دار اپنی دولت کے بل بوتے پر اسلام کی بیخ کنی پر تلے ہوئے تھے وہ ہاویہ میں گرائے گئے۔

Marfat.com

باب ۳

ا۔ اسلامی معاشیات کے ماخذ

(قرآن مجید۔ سنت وحدیث۔ اجماع۔ قیاس۔ اجتہاد۔ عرف۔ مصلحت)

۲۔ اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشی نظام

Marfat.com

۱۔اسلامی معاشیات کے ماخذ

۱۔قرآن مجید

قرآن مجید اسلامی تعلیمات کا اصل الاصول اور مرجع اول ہے اس میں تمام کلی قواعد اور ان کی تفصیلات مذکور ہیں۔قرآن مجید کے ماخذ ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے قرآن مجید کے آغاز میں ہی اس بات کا اعلان ہے۔ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ (البقرہ:۲) یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ لَا رَیْب ہونے کے ساتھ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے ارشاد الٰہی ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر ۹:۱۵) بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

دوسری دلیل یہ ہے قرآن مجید اولین و آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (النحل:۸۹) یعنی ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح کرنے والی ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (۹۸:۳) اس میں قائم رہنے والی کتابیں ہیں یعنی اس میں تمام کامل صداقتیں اور علوم اولین و آخرین درج ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام:۳۸) ہم نے قرآن مجید بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی یعنی قرآن مجید میں سب علوم خدمت دین کے لیے بطور خارق عادت و معجزہ بیان ہوئے ہیں۔

اس لیے امام ابن حزم کہتے ہیں کہ اس (قرآن) میں فقہ کے تمام ابواب موجود ہیں۔ یعنی فقہ کا کوئی باب ایسا نہیں جس کا اصل اس میں موجود نہ ہو اور سنت نے اس کی وضاحت نہ کر دی ہو۔

گویا قرآن مجید علوم کا ایک ذخار ہے اس وجہ سے قرآن مجید کو فقہاء، علماء، محققین نے اسلامی تعلیمات کا اول ماخذ قرار دیا ہے اسی وجہ سے قرآن مجید کو اکمل کتاب کہا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ ۵:۳) آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے تمہارا دین اسلام کو

Marfat.com

ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔

احکام قرآنی کی اقسام

قرآن مجید میں احکام آیات کی تعداد پانچ سو ہے۔ یہ احکام دو قسم کے ہیں اوّل حقوق اللہ سے متعلق احکام ان کی دو اقسام ہیں۔

اول وہ احکام جن کا تعلق ایک انسان اور اس کے رب سے ہے جیسے نماز روزہ اور دوسری مقررہ عبادات۔

وہ احکام جن کا تعلق اگرچہ ایک انسان اور اس کے پروردگار کے ساتھ ہے لیکن ان میں ایک انسان کے علاوہ دوسرے اشخاص کا بھی کسی نہ کسی رنگ میں تعلق پایا جاتا ہے جیسے زکوٰۃ، صدقات وغیرہ۔

دوم حقوق العباد سے متعلق احکام۔ ان کی دو اقسام ہیں۔

(الف) عائلی قوانین جیسے نکاح وراثت وغیرہ۔

(ب) قوانین معاملات بیع، لین دین کو ضبط تحریر میں لانا۔ سود اور قمار کی حرمت، اجارہ، ہبہ، گردش دولت کو فروغ دینا۔ (زکوٰۃ، صدقات، اکتناز واحتکار سے ممانعت) ذرائع پیدائش (صنعت و تجارت، زراعت) مفاد عامہ سے تعلق رکھنے والے مسائل (جاگیرداری، سرمایہ داری)

دوسرا ماخذ سنت وحدیث

حقیقت میں سنت اور حدیث قرآن مجید کی عملی اور قولی تفسیر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب ۳۳:۲۱) بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی تمھارے لیے پیروی کا بہترین نمونہ ہے۔

رسول کریم ﷺ خود فرماتے ہیں اِنِّی تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ یعنی میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک تم انھیں تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

تمام صحابہ اور علماء فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سنت اور حدیث اسلامی تعلیمات کا دوسرا ماخذ ہے اور کتب احادیث میں اقتصادی امور سے تعلق ابواب درج ہیں۔ کتاب الزکوٰۃ کتاب البیوع، کتاب السلم، کتاب الشفعہ، باب فی الاجارات، کتاب الحوالات، کتاب الکفالۃ کتاب الوکالۃ، کتاب فی الحرث، کتاب المساقاۃ، کتاب الاستقراض، کتاب فی الشرکۃ، کتاب الرھن، کتاب الھبۃ، کتاب الوصایا، کتاب فی الخمس، کتاب الجزیہ، کتاب النفقات وغیرہ۔ علم الاقتصاد سے متعلق کوئی کلی اور جزوی چیز ایسی نہیں ہے۔ جو کسی نہ کسی شکل میں حدیث میں پائی نہ جاتی ہو۔

حضرت معاذ بن جبل والی حدیث مشہور ہے کہ جب ان کو یمن کا قاضی مقرر کیا گیا تو ان سے رسول کریم ﷺ نے دریافت کیا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے تو معاذ بن جبل نے جواب دیا کہ قرآن کی رو سے پھر آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا اگر وہ حکم قرآن میں نہ پاؤ تو؟ انھوں نے جواب دیا اس وقت سنت کی روشنی میں فیصلہ کروں گا پھر حضور ﷺ نے فرمایا اگر سنت میں وہ حکم نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ بن جبل نے جواب دیا اپنی رائے سے۔ اس جواب کو رسول کریم ﷺ نے بہت پسند فرمایا:

تیسرا ماخذ اجماع

اجماع کے بارے میں سب سے زیادہ اہم اور مستند ثبوت اور دلیل تنظیم شوری ہے جس میں دینی ملکی سیاست، اقتصادی امور وغیرہ پر بحث ہوتی ہے اور قرآن مجید اور حدیث کی روشنی کسی فیصلہ پر پہنچا جاتا ہے اس کی بنیاد رسول کریم ﷺ کے عہد میں پڑ گئی تھی۔ رسول کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی قومی اور ملکی سطح کا کام ہوتا تو صحابہ کرام کو اکٹھا کر کے مشورہ کیا کرتے تھے۔ آپ نے یہ کام قرآن مجید کی واضح نص کے تحت کیا تھا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (آل عمران ۳:۱۵۹) حکومتی معاملات میں آپ ان (صحابہ) سے مشورہ کر لیا کیجئے پھر جب مشورہ کے بعد کسی بات کا عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے۔

رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کا بھی یہ عمل تھا۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں کی تقسیم کے متعلق جو فیصلہ کیا تھا وہ مجلس شوری میں ہی ہوا تھا۔ اس طرح حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ادوار میں بعض اہم اقتصادی فیصلے ہوئے تھے جو آج مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔

چوتھا ماخذ قیاس

اسلامی اصطلاح میں قیاس کا یہ مفہوم ہے "ایک مسئلہ کا دوسرے مسئلے کے ساتھ شرعی حکم میں جانا جب دونوں مسئلوں میں ایک ہی علت پائی جاتی ہو۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن مسعود سے فرمایا اقْضِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ إِذَا وَجَدْتَهُمَا فَإِذَا لَمْ تَجِدِ الْحُكْمَ فِيهِمَا اجْتَهِدْ رَأْيَكَ کتاب اور سنت کی روشنی میں فیصلہ کر جب تو ان میں پائے پس جب تو ان دونوں میں حکم نہ پائے تو اپنی رائے سے کام لیجئے۔ تمام صحابہ قیاس کرنے پر متفق تھے حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا اَعْرِفِ الْأَمْثَالَ وَالْأَشْبَاهَ وَقِسِ الْأُمُوْرَ عِنْدَكَ یعنی امثال و نظائر کو پہچان اور سمجھ پھر مسائل کو ان پر قیاس کر۔

پانچواں ماخذ اجتہاد

شرعی اصطلاح میں اس انتہائی کوشش کو کہتے ہیں جو ایک مقنن (فقیہ) کتاب وسنت کی روشنی

میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے کرتا ہے۔

اجتہاد، اجماع اور قیاس کا حصّہ ہے۔ تمام خلفاء راشدین اور فقہاء نے مسائل کو حل کرنے کے لیے اجتہاد سے کام لیا۔ مرورِ زمانہ سے نئے نئے مسائل معاشرہ میں ابھرتے ہیں۔ ان کا حل قرآن اور سنت کی روح کے مطابق کیا جانا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو عوام کے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی یہ بھی ممکن ہے اگر فقہاء قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں پیش آمدہ مسئلہ حل نہ کریں تو عوام غیر شرعی راستہ اختیار کر لیں۔ اس لیے تمام فقہاء نے اجتہاد کا دروازہ کھلا چھوڑا ہے۔

چھٹا ماخذ عرف (رسم و رواج)

اسلامی اقتصادی نظام کا چھٹا ماخذ معروف (یعنی معاشرتی رسم و رواج) ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ ۲:۲۳۳) اور بچہ کے باپ پر دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری دستور (رسم و رواج) کے مطابق ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (نساء۴:۶) اور جو غریب ہو تو وہ دستور کے مطابق اپنا خرچ لے۔

دستور (رسم و رواج) کے شرعی صحت ہونے کے لیے دو شرائط کا حامل ہونا ضروری ہے۔

۱۔ اس دستور کو عقل سلیم قبول کرتی ہو اور اچھے لوگوں میں رائج ہو۔

۲۔ وہ دستور عدل و انصاف پر مبنی ہو۔

رسول کریم ﷺ نے کئی معاشی مسائل دستور اور رسم و رواج کے مطابق حل کیے۔ خصوصاً لگان بٹائی وغیرہ قسم کے مسائل۔

ساتواں ماخذ مصلحت

جس سے مراد زمانہ کے حالات اور تقاضوں کی وجہ سے اجتماعی مفاد کے لیے قانون سازی کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں کی تقسیم کا مسئلہ عہد رسول کریم ﷺ سے ہٹ کر کیا تھا۔ آپ نے یہ مسئلہ مصلحت مفاد عام کو سامنے رکھ کر کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فدک کا باغ اہل بیت کو واپس کیا نیز خاندان کی اراضی اور جائیدادیں (جو عوام سے جبراً لی تھی) اصل مالکان کو واپس کردی گئیں۔

۲۔ اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشی نظام

اسلام کے مختلف نظامہائے زندگی کی اساس توحید ہے۔ پھر توحید سے تمام اقدار حسنہ متفرع ہوتے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید میں سب سے اہم موضوع توحید ہے۔ جب ایک انسان حقیقی توحید پر کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ خود بخود ان امور کو اختیار کر لیتا ہے جو بنی نوع انسان اور اس کی ذات کے لیے مفید ہوتے

Marfat.com

ہیں۔اس کے برعکس ان امور سے اجتناب کرتا ہے جو اس کی ذات اور نسل انسانی کے لیے مضر ہوتے ہیں۔ حقیقت میں اقدار حسنہ صفات خداوندی کے پرتو ہوتے ہیں۔

تقویٰ

پہلی قدر جس پر اسلامی نظام اقتصاد کی بنیاد ہے وہ تقویٰ ہے قرآن مجید میں صفات خداوندی کے بعد جس کا سب سے زیادہ مختلف پیرایوں میں ذکر ہوا ہے وہ تقویٰ ہے۔ اور اسلام نے نظری اور عملی تعلیمات کی بنیاد تقویٰ ہی ٹھہرائی ہے۔تقویٰ کے معنی ہیں حِفظُ الشَّیءِ مِمَّا یُوذِیْهِ وَیَضُرُّهٗ (مفردات امام راغب) ایک چیز کی حفاظت کرنا اس سے جو اس کو ایذا دے۔رسول کریم ﷺ نے متقین کی یہ تعریف کی۔فرمایا لَایَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ یَکُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ حَتّٰی یَدَعَ مَالَا بَاْسَ بِهٖ حِذْراً مِمَّا بِهٖ بَاْسٌ یعنی متقی ہونے کو انسان نہیں پہنچتا جب تک کہ ان چیزوں سے بچنے کے لیے جن میں برائی ہے ان چیزوں کو بھی چھوڑ دے جن میں برائی نہیں اور ایک اور حدیث میں "توقہ نفس" کے متعلق آتا ہے جس کے معنی ابن اثیر نے یہ کیے ہیں کہ اپنے نفس کو ہلاکت کے لیے پیش مت کرو اور آفات سے اس کی نگہداشت کرو۔اب سوال یہ ہے تقویٰ اللہ کیا چیز ہے سورۃ النساء میں آتا ہے۔وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (النساء:۱) اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کا تقویٰ کرو۔

اس آیت نے تقویٰ کے معنی کی وضاحت کر دی ہے کہ تقویٰ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگہداشت ہے۔حقوق العباد میں سب سے اہم حق ان کی جسمانی ربوبیت ہے جب قرآنی لفظ تقویٰ کے معنی معاشی امور کو سامنے رکھ کر کریں گے تو یہ معنی ہوں گے۔فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات:۱۹) ان کے مالوں میں سائلین اور محرومین کا حق ہے۔یعنی متقی وہ شخص ہوگا جو اپنے مالوں میں سائلین اور محرومین کو حق دار سمجھے۔جو شخص اپنے مال میں سائلین اور محرومین کو حق دار نہیں سمجھتا وہ شخص قرآن مجید کی رو سے تقویٰ کے لباس سے عاری ہے۔

۲۔احترام انسانیت

اسلام کے نزدیک ہر انسان تحریم و تکریم کا مستحق ہے۔ارشاد الٰہی ہے۔وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:۷۰) ہم نے آدم کے بیٹوں کو عزت کے قابل بنایا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔وَهُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ (اعراف ۷:۱۴۰) اس نے تم کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔

فضیلت اور تکریم کی یہ انتہا ہے کہ انسان کو مسجود للملائکہ بنایا ہے ارشاد الٰہی ہے۔وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ (بقرہ۲:۳۴) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی

Marfat.com

فرمانبرداری کروتو انھوں نے فرمانبرداری کی، سوائے ابلیس کے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (مشکوۃ المصابیح) اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی (بہترین) صورت پر پیدا کیا۔

جب اقتصادی امور کے سامنے رکھ کر احترام انسانیت کا جائزہ لیں گے تو اسلام کے اقتصادی نظام کا فلسفہ سامنے آجائے گا وہ ہے ہر فرد کی تمام معاشی ضروریات کو پورا کرنا اور وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا تکریم انسانیت کے منافی ہے۔

۳۔ اخوت

اخوت، توحید کا لازمہ ہے۔ اسلام نے بنی نوع انسان کو اخوت کی لڑی میں منسلک کیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً (النساء ۴:۱) اے لوگو! جو ایمان لائے اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ اِنَّ الْعِبَادَ کُلُّھُمْ اِخْوَۃٌ سب بندے بھائی بھائی ہیں۔ معاشرہ میں جتنا اخوت کا تصور اجاگر ہوگا۔ اتنا ہی معاشی مسئلہ حل ہوتا جائے گا۔ رسول کریم ﷺ نے مہاجرین کا معاشی مسئلہ اخوت کی بنیاد پر حل کیا تھا۔ آپ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات پیدا کر دی۔ وہ مہاجرین جو روٹی، کپڑے اور مکان سے محروم تھے انصار ان کو اپنے اپنے گھروں میں لے گئے۔ اس طرح مہاجرین کی آباد کاری کا اہم مسئلہ حل ہو گیا۔ اخوت میں رنگ نسل کا بھی امتیاز نہیں۔ اسلام کہتا ہے جو کوئی بھی معاشرہ میں مالی مشکلات میں ہو۔ دوسرے معاشرتی بھائیوں کا یہ فرض ہے اس کی مدد کریں اگر اپنے بھائی کی مدد نہیں کرتے تو وہ قابل مواخذہ ہیں حدیث قدسی ہے قیامت کے دن خدا ایک انسان سے کہے گا اے ابن آدم میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی بندہ متعجب ہو کر کہے گا بھلا ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے خدا فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی۔ اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اس طرح خدا فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہیں کھلایا بندہ عرض کرے گا بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے میں تجھے کیسے کھلاتا آپ تو خود رب العالمین ہیں خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ فلاں میرے بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے کھلانے سے انکار کر دیا اگر اسے کھانا کھلاتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔ ایسے ہی خدا فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے پیاس لگے تُو تو خود پروردگار عالم ہے۔ خدا فرمائے گا میرے فلاں پیاسے بندہ نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے اسے نہ دیا اگر تو اسے پانی دے دیتا تو اسے میرے پاس

پاتا۔ (مسلم عن ابی ہریرہ)

حضرت علی سے روایت ہے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے جو غرباء کے لیے کافی ہو سکے اس کے باوجود اگر وہ بھوکے، ننگے اور تنگ دست ہوں تو یہ صرف دولت مندوں کی عدم توجہ اور بخل کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ ان امراء سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا۔ (البیہقی)

قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذاریات: ۱۹) ان کے مالوں میں سوالی اور غیر سوالی کا حق ہے۔

جذبہ اخوت یہ تقاضا کرتا ہے صاحب ثروت تنگ دستوں کے لیے اپنے مالوں میں ان کا حق سمجھتے ہوئے خرچ کریں۔ جو خرچ کرتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اجر ہے ارشاد الٰہی ہے۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (بقرہ ۲:۲۷۴) جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن خرچ کرتے ہیں پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور پر تو ان کے لیے ان کے رب کے پاس اس کا بدلہ ہے۔

قرآن مجید میں جذبہ اخوت کے تحت غرباء اور محرومین کے لیے اپنی دولت سے خرچ کرنے کی بہت تلقین کی گئی ہے جس معاشرہ کی بنیاد اخوت پر ہوگی اس میں ہر فرد اپنی دولت کو مفاد عامہ کے لیے وقف کر دے گا۔ یہی وہ اسلامی معاشرہ ہے جس میں ہر فرد دوسروں کی ربوبیت کی فکر میں رہتا ہے۔ دوسروں کے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۵۹:۹) اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ خود تنگی کی حالت میں ہوں اسلامی معاشرہ میں اخوت اور انفاق فی سبیل اللہ میں ایک گہرا تعلق ہے۔

۴۔ مساوات

معاشرتی زندگی میں جہاں سب انسان انسانیت کے مقام پر برابر ہیں ان میں کوئی نسلی، لونی اور لسانی امتیاز نہیں۔ اسی طرح اقتصادی لحاظ سے بھی برابر ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (۲:۲۹) خدا وہ ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا وہ سب کچھ زمین میں ہے۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ (الحجر: ۲۰) اور ہم نے تمہارے لیے اور ان کے لیے جن کو تم روزی نہیں دیتے اس میں (زمین میں) معیشت (روزی) کے سامان پیدا کر دیے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ (الاعراف: ۱۰) اور بے شک ہم ہی نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور اسی میں تمہارے لیے سامان حیات پیدا کیا ہے۔ جو کچھ زمین میں پیدا کیا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا بھی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ (حٰم السجدہ ۴۱:۱۰)

Marfat.com

تمام سائلین (ضرورت مندوں) کے لیے سامان معیشت برابر رکھا ہے۔

یہ آیات اس بات پر دلالت کر رہی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں سامان معیشت کے خزانے پیدا کیے ہیں وہ سب انسانوں کے لیے برابر متمتع ہونے کے لیے ہیں۔ کوئی کسی کو محروم نہیں کر سکتا۔ ان سامان معیشت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوشش جدوجہد کو لازمی قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (الجمعہ:١٠) خدا کے فضل (رزق) کی تلاش کے لیے زمین میں پھیل جاؤ۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (النجم:٣٩) انسان کے لیے وہی ہے جس کے لیے اس نے کوشش کی یعنی انسان کو معاوضہ محنت کی مقدار کے مطابق ملے گا۔

مذکورہ آیات سے ایک تو یہ بات واضح ہوتی ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ذرائع معیشت پیدا کیے ہیں اس میں سب انسان برابر ہیں۔ دوم انسانوں میں جو معیشت میں اونچ نیچ نظر آتی ہے وہ سعی کے تفاوت کی وجہ سے ہے۔ جس قدر انسان صحیح خطوط پر محنت کرتا ہے وہ خدا کے پیدا کردہ ذرائع معیشت سے زیادہ متمتع ہوتا ہے اور دوسروں سے حصول معیشت میں بڑھ جاتا ہے۔ جس کے پاس دوسروں سے زیادہ رزق کی فراخی ہو جاتی ہے۔ اس کے متعلق اسلام نے یہ حکم دیا ہے۔ فِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذریات:١٩) یعنی ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔

دوسری جگہ اس سے بھی بڑھ کر صاحب ثروت کو مصالح عامہ کے لیے خرچ کرنے کی تلقین کی ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ٢:٢١٩) وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ جو ضرورت سے زائد ہے (وہ مصالح عامہ کے لیے خرچ کردیں)

۵۔ عدل

عدل کے لغوی معنی سیدھا کرنا برابر کرنا، توازن قائم رکھنا اور افراط تفریط سے بچنا ہے۔ امام سید شریف عدل کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں ”عدل افراط اور تفریط کے درمیان ایک نقطہ مساوات ہے جو اطراف کو برابر رکھتا ہے اور حق پر آ کر رک جاتا ہے۔“

عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمام نظام کائنات عدل پر قائم ہے اس وجہ سے نظام کائنات صراط مستقیم پر چل رہا ہے۔ کائنات کی ہر چیز اپنے اپنے دائرہ میں عدل کے ساتھ چل رہی ہے کہیں بھی کسی میں کجی نہیں آتی ہے۔ اگر کہیں کجی اور ٹیڑھ آ جائے تو نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ چونکہ عدل ہی نظام حیات کو صراط مستقیم پر چلانے کا ذریعہ ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس صفت کے تحت زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ (النحل ١٦:٩٠) اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ جب عدل کو اقتصاد کے دائرہ میں رکھ کر

Marfat.com

دیکھیں گے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا پیدائش دولت، صَرف دولت، تقسیم دولت اور تبادلہ دولت میں توازن اور تناسب قائم رکھنا تا کہ نظام معاشیات صحت مند خطوط پر گامزن رہے اور افراد معاشرہ اپنی احتیاجات زیست کو پورا کر سکیں۔

پیدائش دولت اور عدل

پیدائش دولت میں عدل کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ اسلامی قدر ہے جو سب کو رزق حلال کے کمانے کے اصول بتاتی ہے اور اکتساب حرام کے تمام ذرائع سے روکتی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلاً طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (بقرہ ۱۶۸) اے لوگو! اس سے جو زمین میں ہے حلال اور پاکیزہ کھاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلاً طَيِّبًا (مائدہ ۵:۸۸) اور اس سے جو اللہ نے تم کو دیا ہے حلال اور پاکیزہ کھاؤ۔

ان آیات میں صرف حلال اور طیب کھانے ہی تعلیم نہیں دی بلکہ حلال طریقوں سے کما کر کھانے کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔ جس کی وضاحت حدیث میں آتی ہے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الْكَسْبُ الْحَلَالُ (المدینہ والاسلام فرید وجدی) بہترین عمل حلال روزی کمانا ہے۔

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ (المدینہ والاسلام فرید وجدی) حلال طریقے سے کمانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اَلْعِبَادَةُ سَبْعُوْنَ بَابًا اَفْضَلُهَا طَلَبُ الْحَلَالِ (کنوز الحقائق کتاب فردوس دیلمی) عبادت کے ستر طریقے ہیں ان میں سب سے اچھا طریقہ حلال روزی حاصل کرنا ہے۔

اسلام نے جہاں پیدائش دولت کے ضمن میں حلت کا ذکر کیا ہے وہاں حرام طریقوں کا بھی بالصراحت ذکر قرآن اور حدیث میں کر دیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔ سود، احتکار، تجسیس اشیاء، حرام چیزوں کے کاروبار کی ممانعت، بدکاری کروا کر دولت حاصل کرنا، رشوت، کاروبار میں بددیانتی اسی طرح وہ بیوع جن میں دھوکا دہی شامل ہو۔ یہی وہ حرام کردہ طریقے ہیں جن سے پیدائش دولت میں عدل کے ترازو کا پلڑا ناجائز کمانے والوں کی طرف جھک جاتا ہے۔ اور معاشرہ میں معاشی عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام نے پیدائش دولت میں ہی توازن برقرار رکھنے کے لیے عادلانہ اصول مقرر کر دیے ہیں۔

صَرف دولت اور عدل

پیدائش دولت کے بعد صَرف کی باری آتی ہے کہ کمائی ہوئی دولت کو کس طرح خرچ کیا جائے۔

Marfat.com

اسلام نے صَرف دولت کے بھی عادلانہ اصول مقرر کیے ہیں۔ پہلا اصول اسراف اور تبذیر سے روکا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف ۷:۳۱) کھاؤ اور پیو مگر حد سے نہ گزر جاؤ۔ خدا انھیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہوں۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (بنی اسرائیل:۲۶) اور بے جا صرف کر کے (دولت کو ضائع نہ کرو)

اسلام نے جہاں اسراف اور تبذیر سے منع کیا ہے وہاں بخل سے بھی منع کیا ہے اور میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل ۱۷:۲۹) اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اسے حد سے زیادہ کھولو ورنہ ملامت کیا ہوا اور درماندہ ہو کر بیٹھ رہے گا۔

اسی لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ جو شخص خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے وہ تنگ دست نہیں ہوتا۔

تقسیم دولت اور عدل

دنیا کے جتنے بھی معاشی نظام ہیں۔ ان سب میں بڑی خرابی تقسیم دولت کی ہے۔ وہاں عدل کو قائم نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے ان نظاموں میں افراط اور تفریط پائی جاتی ہے۔ اور معاشی نظام بگڑ گیا ہے اسلام ایک ایسا عادلانہ معاشی نظام پیش کرتا ہے جس سے معاشیات میں بگاڑ پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام نے تقسیم دولت کے لیے انفاق کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (بقرہ ۲:۳) اور اس سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً (فاطر ۳۵:۲۹) اس سے جو ہم نے انھیں دیا ہے چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں۔

اسلام میں انفاق دو طرح کا ہے۔ لازمی اور طوعی۔ لازمی میں زکوٰۃ آ جاتی ہے جو ہر صاحب نصاب پر فرض ہے۔ طوعی میں صدقات، خیرات، وقف وصیت اور دیگر رفاہی امور پر خرچ کرنا آتا ہے۔ وراثت اور ترکہ کی تقسیم بھی صرف دولت میں آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ترکہ کی تقسیم کے احکام قرآن مجید میں بیان کر دیے ہیں ان احکام کے مطابق متوفی کی دولت ورثاء میں تقسیم ہو جائے گی۔ جس سے دولت صرف چند ہاتھوں میں ہی مرتکز نہیں رہتی بلکہ مختلف خاندانوں میں بٹ جاتی ہے۔

مزدور، عاملین پیدائش میں ایک اہم رکن ہے۔ اسلام نے اس کے حق کے تحفظ پر بہت زور دیا ہے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ اُعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهٗ (ابن ماجہ باب الاجارہ) مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے ادا کر دو۔

اسلام نے جہاں دولت کے انفاق (تقسیم) پر زور دیا ہے۔ ساتھ ہی اس کی ضد اکتناز، احتکار،

بخل کی ممانعت کی ہے۔ ان سے گردش دولت رک جاتی ہے جو اصول معیشت کے خلاف ہے۔

تبادلہ دولت اور عدل

اسلام نے تبادلہ دولت میں اہم اصول مقرر کیا ہے کہ اشیاء کا تبادلہ باہمی رضامندی سے ہو جو تبادلہ جبر و اکراہ سے ہوگا۔ وہ عدل کے خلاف ہوگا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ (النساء۴:۲۹) اے ایمان والو آپس میں مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ، بجز اس کے تمہاری باہمی رضامندی سے لین دین (تبادلہ دولت) ہوا ہو۔

تَرَاضٍ کے لفظ میں فریقین کی رضامندی خوشنودگی شامل ہے۔ اگر تبادلہ اشیاء مجبوری اور اکراہ سے کیا گیا ہے تو تبادلہ باطل طریقے میں شامل ہوگا اسی لیے تبادلہ لین دین میں ان تمام طریقوں سے منع کر دیا گیا ہے جس میں ایک فریق کے لیے نقصان کا اندیشہ ہو۔ مثلاً بیع ملامسہ، بیع بالحصاۃ، بیع مزابنہ اور بیع محاقلہ ممنوع اور حرام ہیں۔

اسی لیے اسلام نے تبادلہ دولت کے متعلق فرمایا۔ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ رسول کریم ﷺ نے لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فی الاسلام (یحییٰ ابن آدم کتاب الخراج ص ۶۸) کے الفاظ بیان فرمائے ہیں یعنی نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کوئی تم کو نقصان پہنچائے۔

۶۔ احسان

قرآن مجید میں عدل کے بعد احسان کا لفظ آیا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی (نحل ۱۶:۹۰) اللہ عدل (انصاف) اور احسان اور قریبی رشتے داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

عدل، حقوق کی ادائیگی کا نام ہے۔ کسی کا حق دینے میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہو۔ خواہ مالی حق ہو۔ خواہ تعزیری حق ہو۔ اس کو کما حقہ ادا کرنے کا نام احسان، عدل ہے۔ انسانی معاملات میں عدل ایک اعلیٰ قدر ہے۔ لیکن عدل کی جس جگہ حد ختم ہو جاتی ہے وہاں سے احسان کی حد شروع ہو جاتی ہے جب احسان کی حد اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو ملک سے غربت کافور ہو جاتی ہے۔ ملک صرف ترقی ہی نہیں کرتا بلکہ اپنی ترقی کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں انفاق اور قوموں کی زندگی اور ترقی کو لازم ملزوم قرار دیا ہے۔

احسان، شعبہ معیشت میں

اسلام نے معاشرہ کو سرمایہ داری کے بداثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے جہاں انفاق کے مختلف طریقے بیان کیے ہیں جو عدل کے زمرہ میں آتے ہیں۔ وہاں سرمایہ داری کے بداثرات کو مکمل طور پر جڑ سے اکھاڑ پھینک دینے کا حکم ''احسان'' دیا ہے۔ یعنی حقوق العباد ادا کرنے کے بعد جو بچ جائے۔ اس کو بھی رفاہ

Marfat.com

عامہ کے لیے خرچ کر دیا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْو (البقرہ ۲:۲۱۹) وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ جو ضروریات سے بچ جائے وہ خرچ کر دیں۔ اس آیت کریمہ میں "عفو" کے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہی احسان ہے۔ رسول کریم ﷺ کی زندگی میں غزوہ تبوک میں جہاد کی تیاری کے لیے مالی ضرورت درپیش آئی۔ تو رسول کریم ﷺ نے صحابہ سے ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اپیل کی۔ ہر صحابی نے دل کھول کر مال دیا لیکن حضرت ابوبکر نے اس آیت کی روشنی میں گھر کا سارا مال رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مالی شعبہ میں یہ مقام صدیقیت ہے۔ اسی مقام کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ ۹:۱۱۱) اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اس کے بدلہ میں ان کے لیے جنت ہے۔

گویا انسان کا کمایا ہوا تمام مال اللہ ہی کا ہے۔ مومن کا یہ فرض ہے کہ بطیب خاطر اللہ کی راہ میں دے دے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر کی مثال ظاہر کرتی ہے۔ مومن اپنا مال اپنا سمجھتے ہی نہیں۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ آیت کریمہ میں جنت سے مراد صرف وہی اعلیٰ مقام نہیں ہے جو مرنے کے بعد ملے گا بلکہ اس دنیا میں بھی جنت کا وعدہ ہے۔ وہ ہے قوم کی خوش حالی اور ملک کی ترقی، اس کی مثال رسول کریم ﷺ کا دور مسعود ہے۔ کس کمزوری کی حالت سے رسول کریم ﷺ اٹھے۔ یہاں تک کہ اس کمزور حالت کی وجہ سے ساتھیوں سمیت مکہ سے نکال دیے گئے لیکن اللہ کے عہد جان و مال کی قربانی پر قائم رہے وہی کمزور گروہ سارے عرب کے حکمران بن گئے۔ یہ ہے مالی قربانیوں کا نتیجہ ہے جب قوم شعبہ معیشت میں احسان (عفو) کے مقام پر پہنچ جاتی ہے تو اس وقت معاشرہ میں نہ چوری چکاری ہوگی، نہ غضب ونہب نہ ٹھگی مکاری، نہ ذرائع کسب باطل ہوں گے، نہ امراء عیش وعشرت کی زندگی گزاریں گے، نہ دلوں میں ناجائز حصول دولت کی طمع ہوگی۔ ہر طرف مساوات اور مرفہ الحالی جلوہ گر ہوگی۔ اسلام کے نظام معیشت کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے۔ کہ جو نظریاتی تعلیم دی ہے تو اس کو عملی لباس بھی پہنایا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی معاشی نظام ایسا نہیں ہے جس میں احسان (عفو) کی تعلیم دی ہو۔ کسی حد تک حقوق کی ادائیگی کا تو ذکر ہوگا۔ لیکن "عفو" کا کہیں بھی ذکر نہیں ملے گا۔ یہ فضیلت دنیا میں صرف ایک ہی ماہر معاشیات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پہنچتی ہے۔ آپ کی ذات وہ ذات تھی جن کے پاس خزانوں کے خزانے آئے۔ لیکن اپنے گھر کا چولہا گرم نہیں ہے۔

کاش دور حاضر میں جبکہ مسلمان ہر قسم کی بدحالی کا شکار ہو چکے ہیں آزاد ہونے کے باوجود غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں امریکہ اور اس کے حلیف جس ملک پر چاہتے چڑھ دوڑتے ہیں۔ تباہ و برباد کر دیتے ہیں بعض روشن خیال اور اعتدال پسندی کا درس دینے والے حکمران ایسے بھی ہیں جب امریکی حکمران

Marfat.com

کا حکم صادر ہوتا ہے۔ قرآنی تعلیم کو پس پشت ڈال کر اس حکم کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ اسی کا نام قرآن مجید میں اربابا من دون اللہ دیا ہے۔ یہ ایک جلی شرک ہے جب کسی قوم کا حکمران ہی شرک کی ظلمت میں بھٹک رہا ہو اپنا محافظ اللہ کو چھوڑ کر صدر امریکہ کو سمجھتا ہو۔ وہ قوم کب ترقی کرے گی۔ مسلمانو! تمہاری ترقی کا راز قرآن مجید سے وابستگی میں ہے۔ معیشت کے انہی اصولوں پر چلو جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید کا اصول معیشت احسان (عفو) صریحاً جاگیرداری اور قارونیت کے خلاف ہے۔ جب تک معاشرہ میں جاگیرداری اور قارونیت ہوگی۔ قوم تنزل کا شکار رہے گی۔ اللہ کا یہی فرمان ہے اور تاریخ اسلام اس پر گواہی دے رہی ہے۔

پیدائش دولت اور احسان

کسی ملک کی معاشی ترقی کا راز ذرائع پیدائش دولت کی دست یابی میں ہے۔ ملک میں جتنے ذرائع پیدائش وافر ہوں گے۔ ملک کی دولت بڑھے گی۔ ذرائع پیدائش کو کام میں لانے کے لیے دو اہم رکن ہیں آجر اور اجیر۔ آجر سرمایہ کاری کرتا ہے جب کہ اجیر سرمایہ کاری کے ثمرات اجر کی جھولی میں ڈالتا ہے۔ دونوں ہی افزائش دولت میں اہم رکن ہیں۔ اس لیے دونوں کو ایک دوسرے کے لیے قواعد اور لازمی شرائط سے بڑھ کر ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسلام نے جہاں دونوں ارکین کے لیے حقوق و فرائض مقرر کیے ہیں جن کا ادا کرنا دونوں کی ذمہ داری ہے۔ اس کے ساتھ احسان کی بھی تلقین کی ہے۔ وہ یہ ہے آجر۔ مزدور کی مزدوری ادا کرنے کے علاوہ فرمان خداوندی "عفو" کے تحت مزدوروں کے لیے ایک رفاہی شعبہ قائم کرے۔ جس کے تحت مزدوروں کی ضروریات زندگی، رہائش، تعلیم اور صحت وغیرہ کے اخراجات رضا کارانہ پورے کیے جا سکیں۔ اس جذبہ احسان سے نہ صرف آجر اور اجیر کے تعلقات میں خوشگواری آئے گی بلکہ مزدور مزید لگن سے محنت کرے گا۔ جس سے افزائش دولت ہوگی یہ تو آجر کی انفرادی احسان کی صورت ہے لیکن اس احسان مندی کو اجتماعی شکل دی جا سکتی ہے وہ اس طرح کہ حکومت سرمایہ کاروں پر مزدور کی فلاح و بہبود کے لیے ایک ٹیکس عائد کرے اور سرمایہ کار خوش دلی اور دیانت داری سے ادا کریں حکومت مزدوروں کے بچوں کی تعلیم کے لیے تعلیمی ادارے علاج معالجے کے لیے ہسپتال بنائے اور رہائشی کالونیاں تعمیر کی جائیں۔ احسان کی بہتر شکل وہ ہے جو حکومتی سطح پر سرمایہ کاروں سے حاصل کردہ ٹیکس سے مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لیے شعبہ قائم کیا جائے۔

مزدور آجر کے اس احسان کے بدلے احسان سے جواب اس رنگ میں دے کہ وہ اجر کے کام کو اپنا کام سمجھ کر کرے۔

تقسیم دولت اور احسان

معیشت میں فساد کی وجہ صرف تقسیم ۔ دولت میں غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ جہاں بھی معاشی انقلاب

Marfat.com

آئے ہیں وہ دولت میں غیر عادلانہ تقسیم کی وجہ سے آئے ہیں۔ کمیونزم غیر عادلانہ تقسیم دولت کا ردعمل ہے۔
اسلام نے صرف عادلانہ تقسیم دولت ہی نہیں کی بلکہ جہاں عادلانہ تقسیم دولت کی حدیں ختم ہوتی ہیں وہاں سے احسان کی تعلیم دی ہے۔ احسان یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حقوق کو ہی ادا نہیں کرتا ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ فیاضانہ طریقہ اختیار کیا جائے جو خالصۃً لوجہ اللہ تعالیٰ ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں تقسیم ترکہ میں ورثاء کے حق مقرر کر دیے گئے ہیں ان حقوق کی ادائیگی عدل کے تحت آتی ہے۔ اگر اسی ترکہ میں غیر حقدار رشتے دار کو دے دیا جائے تو یہ عمل احسان کے زمرہ میں آ جائے گا جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ **وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا** (النساء۴:۸) اور جب تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین موجود ہوں تو ان کو اس میں سے کچھ دو اور ان کو اچھی بات کہو۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ طوعی انفاق میں آخری حد عفو کی ہے یعنی جو تمام ضروریات پوری کرنے کے بعد بچ جائے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔ اسلام کی تاریخ یہ بتاتی ہے یہ صرف نظریاتی وعظ ہی نہیں بلکہ عہد رسول میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ صحابہ نے حکم ''عفو'' پر عمل کر کے اپنا اثاثہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

وقف، وصیت اور ہبہ وغیرہ ''عفو'' کی ہی شکلیں ہیں۔

ایک اور موقع پر قرآن مجید میں آتا ہے۔ **اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ** (القصص:۷۷) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسانات کیے ہیں اس طرح تم بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ احسان کرو۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات کے لیے اس دنیا میں ہر چیز پیدا کر دی ہے مثلاً سورج، چاند، ستارے، ہوا، زمین، پانی وغیرہ یہ تمام اشیاء انسان کے کسی عمل کے نتیجہ میں پیدا نہیں کی گئیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے از راہ تلطف اور احسان انسان کے لیے پیدا کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ''کما'' کا لفظ لا کر یہ بتایا ہے انسان کا بھی یہی فرض ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان پر احسان کیا ہے اسی طرح ایک انسان دوسرے ضرورت مند انسانوں کے لیے احسان کرے۔

تبادلہ اور احسان

تبادلہ کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اجرت میں تبادلہ، قرض لین دین میں تبادلہ اور خرید و فروخت میں تبادلہ، تینوں صورتوں میں عادلانہ حقوق و فرائض کے بعد احسان کی عملداری شروع ہوتی ہے اسی احسان مندی سے معاشرہ میں یک جہتی اور محبت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

اجرت میں تبادلہ میں احسان کی بہترین مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے جب مصر سے فرعون کی گرفت سے بچنے کے لیے مدین کے ایک کنواں پر پہنچے تو وہاں دیکھا ایک گروہ اپنے مویشیوں کو

Marfat.com

پانی پلا رہا ہے دولڑکیاں اپنی بھیڑ بکریوں کو روکے ہوئے تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے کہ تم پیچھے ہٹ کر بیٹھی ہوئی ہو۔ انھوں نے کہا ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک تمام چرواہے اپنے جانوروں کو نہ پلا لیں۔ ہمارا باپ بوڑھا ہے وہ تو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔ یہ کام ہمیں ہی کرنا پڑ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلایا۔ یہ ہے احسان۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر کسی اجرت کے لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ لڑکیوں نے گھر جا کر یہ ماجرا سنایا باپ بالغ النظر اور دور بین تھا۔ فوراً پہچان لیا یہ کوئی نیک اجیر ہے۔ جس نے محض احسان مندی کی وجہ سے جانوروں کو آدمیوں کے ہجوم میں پانی پلا دیا۔ ایک لڑکی کو بھیجا کہ وہ بلا لائے لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔ اور کہا کہ اس کا والد بلا رہا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام گھر آئے اور شیخ کبیر (حضرت شعیب) نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں اس شرط پر کہ تو آٹھ سال میری نوکری کرے پھر اگر تو دس سال پورے کرے تو یہ تیری طرف سے ہے۔ حضرت شعیب نے آٹھ سال اجرت کرنے کے بعد دو سال مزید بڑھائے ہیں وہ احسان کے ضمن میں آتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ سال اجرت کرنے کے بعد دو سال مزید کام کیا۔ یہ ہے اجیر کی طرف سے آجر کی شرط اجرت پوری کرنے کے بعد مزید کام کیا۔

ایک حدیث ہے کہ تین آدمی طوفان باد باراں سے بچنے کے لیے ایک غار میں گھس گئے تو ایک بڑا پتھر اس غار کے منہ پر آ گرا تو انھوں نے کہا کہ ہر ایک شخص اپنے کسی بہترین عمل کو پیش کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اس پتھر کو ہٹا دے۔ تیسرے آدمی نے اپنا جو نیک عمل پیش کیا وہ یہ ہے کہ "اے اللہ میں نے مزدور لگائے اور میں نے ان سب کو ان کی اجرت دے دی سوائے ایک آدمی کے جو اپنی اجرت چھوڑ کر چلا گیا تو میں نے اس کی اجرت کو نفع کے کاموں پر لگایا۔ یہاں تک کہ اس سے بہت سا مال بن گیا۔ حدیث میں آگے آتا ہے جب وہ مزدور ایک مدت کے بعد واپس آیا تو اس شخص نے اس کا مال کثیر اس کے حوالے کر دیا۔ یہ ہے آجر کا احسان اس کی مزدوری کو نفع آور کام میں لگا کر مال کثیر کمایا پھر مزدور کے مطالبہ اجرت کے ساتھ سارا مال مزدور کو دے دیا۔ دوسری صورت قرض لین دین کی ہے۔ اس لین دین میں بھی احسان کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (البقرہ ۲:۲۸۰) اگر مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک مہلت دینی چاہیے بخاری میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ ایک شخص کی روح سے ملے جو ان میں سے تھا جو پہلے گزر چکے تھے۔ انھوں نے کہا کیا تو نے کچھ نیک کام کیا ہے؟ اس شخص نے کہا (میرا صرف یہی ایک نیکی کا کام ہے) کہ میں مالدار کو قرض کی ادائیگی میں مہلت دیتا تھا اور تنگ دست کو معاف کر دیتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جنت میں داخلہ کا حکم فرما دیا۔ (بخاری و مسلم)

Marfat.com

مقروض کا احسان یہ ہے کہ جب قرض واپس کرے تو قرض رقم سے کچھ زائد دے۔ یہی سنت رسول ہے۔ تیسری تبادلہ کی صورت بیع وشرا میں ہے۔ بائع ایک چیز بیچ رہا ہوتا ہے جبکہ مشتری چیز خرید رہا ہوتا ہے۔ بائع کی احسان مندی کی ایک صورت یہ ہے اگر مشتری کے پاس چیز کی قیمت کم ہو تو بائع مشتری کی سہولت کے لیے ادھار دے دے اور وصولی کے لیے کسی آسان طریقے پر رضامند ہو جائے اور مشتری کی طرف سے احسان یہ ہے کہ جب ادھار کی رقم واپس کرے تو کچھ زیادہ دے۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہا کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ مسجد میں تشریف فرما تھے...... آپ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا دو رکعت نماز پڑھ لے حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میرا آپ پر قرضہ تھا تو وہ آپ نے مجھے دے دیا اور کچھ زیادہ دیا۔

آپ کا یہ زیادہ دینا اپنی خوشی سے تھا اور ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کے رنگ میں تھا۔

۷۔ تعاون

اگر نظام کائنات پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کائنات کا نظام تعاون سے چل رہا ہے۔ اسی تعاون سے بھلائی اور فلاح کے چشمے پھوٹ رہے ہیں اور انسان کی زندگی کو بہتر بنا رہے ہیں۔ آسمان اور زمین کا تعاون نہ ہو۔ تو انسان کا اس کرہ ارض پر رہنا ناممکن ہو جائے۔ آسمان (بلندی) سے سورج چاند سیارے تارے سب زمین پر اپنے تعاون کی بارش برسا رہے ہیں۔ اسی تعاون سے زمین میں زرخیزی، روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان چیزوں کا زمین سے تعاون منقطع ہو جائے تو انسان کی زندگی ناممکن ہو جائے اسی طرح پہاڑ، سمندر، دریا کا تعاون زمین سے ہے اور زمین اپنے خزانے اگل رہی ہے۔ نظام کائنات کے اس باہمی تعاون میں انسان کو یہ سبق دیا ہے کہ تمدنی اور معاشرتی زندگی نشوونما نہیں پا سکتی جب تک باہمی تعاون نہ ہو۔ اسی اصول کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں راہنمائی کی ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ:۲۰) نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اس آیت میں صرف تعاون کی ہی تعلیم نہیں دی بلکہ تعاون کی حدیں بھی مقرر کر دی ہیں۔ تعاون، نیکی اور تقویٰ پر ہو۔ جس سے معاشرتی زندگی پر اچھا اثر پڑتا ہے اور ایسا تعاون جس سے تمدنی زندگی میں فساد پیدا ہوتا ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ فساد پیدا کرنے والی دو امور اثم اور عدوان کا ذکر کر دیا ہے۔

شعبہ معیشت اور تعاون

جب کائنات نظام میں باہمی تعاون کی اہمیت کو سامنے رکھ کر شعبہ معیشت پر لاگو کریں تو جس طرح کائناتی نظام میں تعاون انسان کے لیے آب حیات ہے اسی طرح مالی شعبہ میں باہمی تعاون انسان کی

Marfat.com

زندگی کے لیے خیر اور فلاح کا موجب ہوگا اور تمام مشکلات حل ہو جائیں گی معاشرہ سے تمام مالی بدعنوانیاں، ناہمواریاں اور بے اعتدالیاں ختم ہو جائیں گی۔ تعاون کے عملی نمونہ کی مثالیں رسول کریم ﷺ کے دور مسعود میں ملتی ہیں سب سے تاریخی مثال ہجرت کے بعد رسول کریم ﷺ کا انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات قائم کرنا ہے یہی مواخات معاشی تعاون کی بہترین مثال ہے اس تعاون سے مہاجرین کے معاشی مسئلے حل ہوئے تھے۔

صَرف دولت اور تعاون

اسلام کاسب اور مالک کو ہی اپنی دولت کا حق دار نہیں ٹھہراتا بلکہ معاشرہ کے دیگر حاجت مندوں کو بھی حق دار ٹھہراتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فِي اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْم (ان اموال میں سوالیوں اور محرومین کا حق ہے) تا کہ اہل حاجت کی حاجتیں پوری ہوتی رہیں اگر صاحب ثروت غرباء اور محتاجوں کی حاجت روائی سے روگردانی کرتا ہے اور دست تعاون آگے نہیں بڑھاتا تو قابل مواخذہ ہے۔

اقتصادی مسئلہ باہمی تعاون کے بغیر حل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے رسول کریم ﷺ نے کبھی مومنین کو ایک عمارت سے تشبیہ دی ہے کہ عمارت اینٹوں کے باہمی تعاون سے قائم ہے اور کبھی جسم کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ تمام جسم کے اعضاء تعاون کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جب باہمی تعاون ختم ہو جائے تو انسان مر جاتا ہے مثلاً جب دل کا تعاون دیگر اعضا سے منقطع ہو جاتا ہے تو انسان کی حیات ختم ہو جاتی ہے تو گویا صَرف دولت میں اسلامی قدر تعاون دل کی مانند ہے اگر تعاون معاشرہ کے افراد میں ختم ہو جائے تو وہ معاشرہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ آج مسلمانوں پر ادبار چھایا ہوا ہے تو اس کی بڑی وجہ تعاون کا فقدان ہے۔

پیدائش دولت میں تعاون

پیدائش دولت کے لیے آجر اور اجیر کے درمیان مخلصانہ تعاون از حد ضروری ہے اجیر کے متعلق رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ اُعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عَرَقُهٗ (ابن ماجہ باب الاجارہ) مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا کر دو۔ ایک حدیث قدسی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "تین قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن جھگڑا کروں گا اور جس سے میں جھگڑا کروں گا اس کو مغلوب کر کے ہی چھوڑوں گا ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہے اور اس کے مناسب اس کی اجرت نہیں دیتا۔" (بیہقی کتاب الاجارہ)

رسول کریم ﷺ نے مزدور کو یہ ہدایت فرمائی۔ خَيْرُ الکسب يَحْسِبُ الْعَامِلُ اِذَا اَفْلَحَ (رواہ احمد مجمع الزوائد) بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے۔ بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام والے کا کام انجام دے۔

مذکورہ احادیث میں آجر اور اجیر کے درمیان تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لیے تعاون کی حدیں مقرر کر دی ہیں آجر مزدور کو بروقت مزدوری دے اور کام پر لگانے سے پہلے اجرت طے کرے۔ تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو، اور اجیر کا تعاون یہ ہونا چاہیے کہ نیک نیتی سے آجر کی بھلائی اور بہتری کے لیے کام انجام دے۔ آجر اور اجیر کے درمیان جتنا تعاون ہوگا پیدائش دولت بڑھے گی۔

صارفین کی بھلائی کے لیے پیدائش دولت کے تمام ناجائز ذرائع سے منع کر دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ:۱۸۸) کہ ناجائز ذرائع سے مال مت کھاؤ۔

لفظ باطل میں ہی تمام ذرائع ناجائز جن سے صارفین کا استحصال ہوتا ہے آجاتے ہیں۔ ناجائز ذرائع کسب پر آئندہ مفصل آجائے گی۔

تقسیم دولت اور تعاون

اسلام کے نظام ربوبیت کی سب سے بڑی خوبی تقسیم دولت ہے جو دوسرے نظاموں میں نہیں ہے وہاں افراط اور تفریط پائی جاتی ہے۔ اسلام نے اصحاب ثروت پر زور دیا ہے کہ وہ حاجت مندوں کی حاجات پوری کرنے میں باہمی تعاون سے کام لیں۔ اگر معاشرہ سے غربت ختم نہیں ہوتی تو اس کا قصوروار حکومت اور اصحاب ثروت کو ٹھہرایا ہے کہ انھوں نے دولت کی تقسیم اسلامی خطوط پر نہیں کی کیونکہ اسلام نے تقسیم دولت کے ایسے اصول مقرر کر دیے ہیں جن پر عمل کرنے سے معاشرہ میں غربت نہیں رہتی۔

باہمی تعاون میں سب سے بڑی رکاوٹ اسراف وتبذیر اور بخل ہے اسلام نے باہمی تعاون کا چشمہ جاری رکھنے کے لیے اسراف اور تبذیر اور بخل سے روکا ہے۔ یہ دونوں امراض انسان کو خود پسند بنا دیتے ہیں یہ مسلمہ حقیقت ہے جب ایک انسان خود پسندی اور عُجب میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے دل سے ہم جنسوں سے محبت اور باہمی تعاون کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔

تبادلہ اشیاء اور تعاون

معیشت تبادلہ اشیاء کا نام ہے اور تبادلہ اشیاء سے مدنیت اور معاشرت قائم ہے۔ معاشرہ میں صنعت کار اشیاء ضرورت بناتے ہیں۔ صارفین اپنی اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خریدتے ہیں۔ معاشرہ میں دو طبقے پیدا ہو جاتے ہیں ایک صانع دوسرا صارف۔ اگر صانع اور صارف کے درمیان برّ اور تقویٰ پر باہمی تعاون ہوگا تو نظام معیشت صحیح خطوط پر چلے گی۔ معاشرہ میں فساد اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب تبادلہ اشیاء میں باہمی تعاون برّ اور تقویٰ پر نہیں ہوتا۔ اسلام نے صانع پر مختلف قسم کی پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ مثلاً احتکار، ملاوٹ، تجیس، فریب دہی وغیرہ یہ تمام معاشی خرابیاں ہیں جو باہمی تعاون کی روح کے

منافی ہیں اور اثم اور عدوان کے زمرہ میں آتی ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۲:۵) نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ تمام ناجائز ذرائع کسب "اثم اور عدوان" کے تحت آتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا رسول کریم ﷺ نے ناجائز ذرائع کسب کو لفظ غش سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ناجائز ذرائع کسب کو زبد (جھاگ) کہا ہے۔ جس طرح جھاگ رائیگاں چلی جاتی ہے اور انسان کو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح ناجائز اور باطل ذرائع زبد (جھاگ) ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً (۱۳:۱۷) سو جھاگ رائیگاں جاتا ہے۔ اور تمام نفع رساں ذرائع بِرّ اور تقویٰ میں آ جاتے ہیں۔ کیونکہ تبادلہ اشیاء انسانیت کی فلاح اور بھلائی کے لیے کیا جاتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ (الرعد ۱۳:۱۷) جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے۔ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔

باب ۴

اسلام کا معاشی تصور

(انفرادی ملکیت)

انفرادی جائیداد۔ ذاتی ملکیت کے شرعی ذرائع (تجارت۔ صنعت و حرفت۔ زراعت۔ احیائے موات۔ اقطاع۔ شکار۔ ورثہ۔ ہبہ۔ رکاز۔ انفرادی حقوق ملکیت کے شرعی حدود و قیود۔ حصول دولت کے ناجائز ذرائع سود۔ شرعاً ناجائز بیوع)

Marfat.com

اسلام کا معاشی تصور

(انفرادی ملکیت)

انفرادی جائیداد

اصولی طور پر اسلام کائنات کی ہر چیز کو اللہ کی ملکیت قرار دیتا ہے اور اس میں تمام انسانوں کو برابر کا سہیم قرار دیتا ہے۔ ہر شخص خدا کی پیدا کردہ اشیاء کو حاصل کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کا مجاز ہے۔ گویا کائنات کی کوئی شے فی حد ذاتہٖ کسی کی مملوکہ نہیں ہے بلکہ ہر شے لوگوں کے درمیان مشترکہ مملوکہ ہے اور ہر ایک کو ان سے انتفاع کا موقع دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ (الملک ۶۷:۱۵) وہی ہے جس نے زمین کو تمھارے ماتحت کر دیا۔ سو اس کی اطراف میں چلو اور اس کے دیے سے کھاؤ اور اس کی طرف موت کے بعد اٹھ کر جانا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ ۲:۲۹) وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمھارے لیے پیدا کیا۔

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ (الاعراف ۷:۱۰) اور یقیناً ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانا بنایا ہے اور تمھارے لیے اس کے اندر روزی کے سامان رکھے ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ (الرعد ۱۳:۳) اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر قسم کے پھلوں سے اس میں دو دو (یعنی) جوڑے بنائے۔

وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِیْنَ (حٰمٓ السجدہ ۴۱:۱۰) اور اس میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں برکت دی اور اس کی خوراکوں کا اندازہ کیا یہ چار دن میں کیا مانگنے والوں کے لیے سب کچھ ٹھیک کر رہا ہے۔

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ؕ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (الواقعہ ۵۶:۶۳،۶۴) کیا تم نے دیکھا جو تم بوتے ہو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔

اسلام ایک فطری اور سلامتی کا دین ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی بالاتر ملکیت کے ماتحت جائز اور

ناجائز حدود مقرر کر کے رفع نزاع اور حصول انتفاع کے لیے ذاتی ملکیت کو تسلیم کیا ہے۔ اصول اشتراک کے بیان کرنے میں اسلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ تمام اشیاء کا حقیقی مالک تو اللہ کو ہی سمجھو لیکن چند پابندیوں کے ساتھ جو حقوق ملکیت اللہ تعالیٰ نے تمھیں بخشے ہیں ان کو پورا کرو اگر تم نے ان پابندیوں کو پورا نہ کیا تو وہ ذاتی ملکیت تمھارے لیے خسران کا موجب بنے گی۔

ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (ال عمران ۳:۱۸۵) اور دنیا کی زندگی نرا دھوکے کا سامان ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (الانفال ۸:۲۸) اور جان لو کہ تمھارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس بھاری اجر ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (ال عمران ۳:۱۴) لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت جیسے عورتوں اور بیٹوں اور ڈھیروں ڈھیر سونے اور چاندی اور پلے ہوئے گھوڑوں اور مویشی اور کھیتی سے بھلی معلوم ہوتی ہے یہ اس دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس لوٹ کر جانے کی اچھی جگہ ہے۔

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا (سباء ۳۴:۳۷) اور نہ تمھارے مال اور نہ تمہاری اولاد وہ چیز ہے جو مرتبہ میں تمھیں ہمارے قریب کرے مگر جو ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو ان کے لیے ان کے عمل کا دو چند اجر ہے۔

مال و دولت کی مدح

وہ دولت جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر کمائی جائے وہ سب کے لیے زینت، رحمت اور فضل ہوگی۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا (الکہف ۱۸:۴۶) مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والے اچھے عمل تیرے رب کے نزدیک بدلے میں بہتر ہیں اور امید کے لحاظ سے بھی بہت اچھے ہیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الکہف ۱۸:۷) اور جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے اس لیے زینت بنایا ہے تاکہ انھیں آزمائیں کہ کون ان میں سے بہترین عمل کرنے والا ہے۔

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ ۶۲:۱۰) اللہ کے فضل کی تلاش کرو۔

Marfat.com

وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اِنْ شَاءَ (توبہ ۹:۲۸) اگر تم کو مفلسی کا ڈر ہو تو اللہ اگر چاہے تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

متذکرہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر دولت اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام کے تحت کمائی جائے تو وہ کمانے والے کے لیے فضل ہے اور اگر خدا کے احکام کو توڑ کر ناجائز ذرائع سے کمائی جائے تو وہ دولت دنیا اور آخرت میں گھاٹے کا موجب ہوگی۔

انفرادی ملکیت

قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات ہیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے افراد کے لیے ملکیت کا حق تسلیم کیا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا لِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ (النساء ۴:۳۴) مردوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ جو وہ کمائیں۔

وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُ مِنْهُ شَیْئًا (النور ۲۴:۳۳) اور تم اسے سونے کا ڈھیر دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ نہ لو۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ (البقرہ ۲:۲۷۹) اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لیے اصل مال ہیں۔

وَاٰتُوْهُمْ مِنْ مَالِ الَّذِیْ اٰتٰکُمْ (النور ۲۴:۳۳) اور ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تمھیں دیا کچھ دو۔

وَاَوْرَثَکُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا (احزاب ۳۳:۲۷) اور تمھیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنایا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا۔

وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۲:۱۸۸) اور اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور نہ ان کے ذریعہ حاکموں تک پہنچو تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (البقرہ ۲:۲۶۷) اور ان اچھی چیزوں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور اس سے جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے۔

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰی اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ (النساء ۴:۲) اور یتیموں کو ان کے مال دو اور اچھی چیزوں کو ردی سے نہ بدلو۔

فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (معارج ۷۰:۲۴) اور وہ جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے سوال کرنے والے اور محروم کے لیے۔

رسول کریم ﷺ کے متعدد ارشادات سے بھی انفرادی حق ملکیت ثابت ہے۔ ان دماء کم

Marfat.com

واموالکم و اعراضکم حرام کحرمة یومکم هذا (بخاری کتاب الحج) تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری ابروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت (یعنی حج کے دن کی)

مالک کو اپنے مال کی حفاظت کا حق ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہوا مرتا ہے۔ شریعت اسلامی کی نگاہ میں وہ شہید ہے۔

عن عبداللہ بن عمر وقال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من قتل دون ماله فهو شهید (بخاری ابواب الظالم والقصاص باب من قتل دون ماله) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا وہ شہید ہے۔

عن ابی هریرة قال جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ فقال یارسول اللہ ارائیت ان جاء رجل یرید اخذ مالی قال فلا تعطهٖ مالک قال ارائیت ان قاتلنی قال قاتلهُ قال ارائیت ان قتلنی قال فانت شهید قال ارائیت ان قتلتهُ قال هو فی النار (مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علیٰ ان من قصد اخذ مال غیره بغیر حق کان القاصد مهدور الدم فی حقه الخ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ ﷺ کی کیا رائے ہے اگر میرے پاس کوئی آدمی میرا مال چھیننے کے ارادہ سے آئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو تم اس کو اپنا مال نہ دو اس نے کہا کہ اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے تو آپ ﷺ کا کیا خیال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم بھی اس سے لڑائی کرو اس نے کہا کہ اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو تم شہید ہو اس نے کہا اگر میں اسے قتل کر دوں تو آپ کا خیال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوزخ کی آگ میں جائے گا۔

رسول کریم ﷺ نے کسی شخص کی مملوکہ زمین پر غاصبانہ قبضہ کو بدترین جرم قرار دیا ہے جس سے انفرادی حق ملکیت ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر زمین کا کوئی مالک ہی نہ ہو تو تو غاصبانہ قبضہ چہ معنی دارد فرمایا من اخذ من الارض شیئا بغیر حقهٖ خسف یوم القیامه الی سبع ارضین (بخاری کتاب المظالم والقصاص) جس نے بغیر حق کے کسی کی تھوڑی سی زمین پر قبضہ کر لیا۔ اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔

من ظلم من الارض شیئا طوقه من سبع ارضین (بخاری کتاب المظالم والقصاص) جس نے تھوڑی سی زمین پر قبضہ کر لیا اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

انفرادی ملکیت اور آزادی

معاشی آزادی کے متعلق چار نظریے ہیں۔ ایک نظریہ تو سرمایہ دارانہ ہے جس کی رو سے

اکتساب دولت اور تصرف دولت پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔ ہر فرد آزاد ہے جو چاہے کاروبار کرے اور نفع اندوزی کے لیے جو چاہے طریقے اختیار کرے اور اسی طرح تصرف دولت کے لیے بھی ہر قسم کی پابندی اور قید سے آزاد ہے۔

دوسرا نظریہ اشتراکی ہے جس کی رو سے کوئی فرد بھی ذاتی ملکیت رکھنے میں آزاد نہیں۔ تمام پیدائش دولت کے وسائل حکومت کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ محنت کا وسیلہ بھی۔ جو فرد محنت کرتا ہے۔ اس کا ثمر حکومت لے لیتی ہے اور حکومت اس فرد کی ضروریات اور احتیاجات کو پورا کرتی ہے۔ اس طرح تمام افراد حکومت میں مدغم ہو جاتے ہیں اور ان کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اشتراکی نظام میں حکومت ہی مختار کل ہے اور رعایا اس کی غلام اور خادم تو بے جا نہ ہوگا۔ اس نظام میں تنقید، شکایت استغاثے وغیرہ کے تمام دروازے مسدود کر دیے جاتے ہیں۔ ہر فرد کو وہی کام سرانجام دینا ہوتا ہے جو حکومت چاہتی ہے۔

تیسرا نظریہ فاشزم کا ہے۔ اس نظریہ کی رو سے وسائل معیشت پر شخصی تصرف تو رہتا ہے لیکن اجتماعی مفاد کی خاطر اس شخص کے تصرف پر حکومت کا زبردست کنٹرول ہوتا ہے۔ جس طرح اشتراکی نظام میں افراد جماعت میں گم ہو جاتے ہیں اسی طرح اس نظام میں بھی افراد جماعت میں اپنی حیثیت گم کر دیتے ہیں۔

چوتھا نظریہ اسلام کا ہے اور وہی طبعی اور فطری نظریہ ہے اس میں فرد اور جماعت کی ترقی مضمر ہے۔ اور یہی وہ نظریہ ہے جو تمام خوبیوں کا حامل اور ہر قسم کے عیوب سے مبرا ہے وہ نظریہ یہ ہے۔

اسلام ذاتی ملکیت کا قائل ہے لیکن فطری تقاضے کے مطابق دولت کا وہ حصہ جس کی پیدائش میں انسان کی ذاتی سعی اور اس کے عمل کا دخل ہوتا ہے۔ جیسے صنعت وحرفت زراعت اور تجارت وغیرہ وہ انسان کی ذاتی ملکیت تصور کیا جاتا ہے۔ پھر اکتساب دولت کے ذرائع ووسائل پر پابندیاں لگاتا ہے۔ جو مال جائز طریقہ سے کمایا جائے اس پر بھی حقوق وفرائض عائد کر کے اہل حقوق تک اس مال کے پہنچانے کا حکم دیتا ہے۔ اس طرح اسلام نے کسب مال اور تصرف مال کے لیے حدود مقرر کر دی ہیں۔ ان حدود کے اندر اس کو آزادی حاصل ہے۔ اس آزادی کو سلب کر لینے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح انسان کو یہ اختیار نہیں ہے جو اسلام نے حدود مقرر کی ہے۔ ان سے تجاوز کرے۔ روزی کمانے کے حلال اور حرام طریقے وضع کرنا خدا کا اختیار ہے۔ اگر کوئی روزی کمانے والا اللہ کی حدود کو پھاند کر اپنی تجوریاں بھر لیتا ہے اور گناہوں کی جگہ پر دولت خرچ کرتا ہے تو وہ خدا کا باغی ہے اللہ تعالیٰ نے قوم مدین کی اس بات پر مذمت کی ہے وہ لوگ اکتساب اور تصرف کے معاملہ میں آزادی کے مدعی تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (ہود ۱۱:۸۷) انھوں نے کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس

Marfat.com

کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا اپنے مالوں میں جس طرح چاہئیں وہ نہ کرسکیں۔
اکتساب دولت اور تصرف دولت کی کیا حدود ہیں ان کا ذکر بعد میں آئے گا۔

سرمایہ لگانے کی صورتیں

کسی کاروبار میں سرمایہ لگانے کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ انفرادی کاروبار

جب سرمایہ لگانے والا بلاشرکت غیرے خود ہی تجارت کرے اس صورت میں جو بھی منافع اس کو ہوگا وہ اسی کا ہوگا۔ وہ منافع دو چیزوں کا مجموعہ ہوگا۔ سرمایہ لگانے کا منافع اور محنت کی اجرت۔

۲۔ شرکت

شرکت سے مراد وہ معاہدہ ہے جس کی رو سے چند افراد اپنا اپنا راس المال جمع کر کے کسی کاروبار میں شریک ہوں گے۔

حنفی فقہاء اس قسم کے معاہدہ کو شرکت عنان اور مالکی شرکت مفاوضہ کہتے ہیں۔
شرکت کی ایک اور قسم صنائع ہے۔ شرکت صنائع کمپنی کے طرز پر اس کاروبار کو کہا جاتا ہے جس میں چند ہم پیشہ صنعت و حرفت اپنے کاروبار کو شرکت کے ساتھ چلاتے ہیں اور نفع و نقصان میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

۳۔ مضاربت

مضاربت یہ ہے کہ ایک فریق سرمایہ فراہم کرے اور دوسرا فریق اس سرمایہ سے کاروبار کرے نفع متعین نسبت کے ساتھ ہر دو فریق کو ملے گا اور اگر خسارہ ہو تو رب المال برداشت کرے گا اور مضارب کی محنت اکارت جائے گی۔ (الگ باب میں مذکورہ عنوانات پر بحث کی گئی ہے)

ذاتی ملکیت کے شرعی ذرائع

ذاتی ملکیت کے شرعی ذرائع دو قسم کے ہیں مادی ذرائع اور غیر مادی ذرائع جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مادی ذرائع

۱۔ تجارت۔ ۲۔ صنعت و حرفت۔ ۳۔ زراعت۔ ۴۔ احیائے موات (افتادہ زمینوں کو آباد کرنا) ۵۔ اقطاع (عطیات) ۶۔ شکار۔ ۷۔ جہاد (مال غنیمت) ۸۔ ورثہ۔ ۹۔ ہبہ۔ ۱۰۔ وصیت۔ ۱۱۔ بیت المال

Marfat.com

سے مالی امداد۔۱۲۔ (دفینہ) غیر مادی ذریعہ۔۱۳۔ محنت (بعد میں بحث آئے گی)

تجارت

تجارت ذاتی ملکیت کے شرعی ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ ہے۔ فقہاء امت فرماتے ہیں۔ فالبیع والشراء من اکبر الوسائل الباعثة علی العمل فی هذا الحیوٰة الدنیا واجل اسباب الحضارة والعمران (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۲۰۲) تجارت اس دنیا میں معاشی وسائل میں سے سب سے بڑا وسیلہ ہے اور حضارت اور تمدن کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب۔

تجارت کی ترغیب

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار تجارت کی ترغیب دی ہے اور اس کے فضائل بیان کیے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ ۶۲:۱۰) جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (مال تجارت) تلاش کرو۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ باہر سے تجارتی قافلہ آ گیا لوگوں کو علم ہوا تو سب لوگ قافلہ کی طرف خرید و فروخت کے لیے بھاگ گئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کریم میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے جمعہ پڑھ کر کاروبار میں لگ جانا جائز ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (النساء ۴:۲۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل ۷۳:۲۰) اور جو زمین میں سفر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل (معاش) کو تلاش کرتے ہوں گے۔

وَيَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا (المائدہ ۵:۲) وہ اپنے رب سے فضل (بذریعہ تجارت) اور خوشنودی چاہتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (بقرہ:) اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو ان پاک چیزوں سے جو تم نے کمائی ہیں۔

مفسر قرآن حضرت مجاہد تابعی نے ما کسبتم کی تفسیر میں کسب سے مراد تجارت لی ہے۔ (بیہقی کتاب البیوع ج ۵)

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ ۲:۲۷۵) اور اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام کیا ہے۔

Marfat.com

بحری تجارت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ (فاطر ۳۵:۱۲) اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اسے پھاڑتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور ۲۴:۳۷) ایسے لوگ جنھیں نہ تجارت اور نہ خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل کرتی ہے۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۵) جب تم تول کرو تو پورا تولو اور صحیح ترازو سے وزن کرو۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء ۴:۳۲) مردوں کے لیے حصّہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کے لیے حصّہ ہے جو وہ کمائیں۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء (بیہقی کتاب البیوع و ترمذی ۱۲/۴) سچے اور امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔

رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا اچھا ذریعہ معاش کون سا ہے۔ آپ نے جواب دیا پاک صاف تجارت تسعة اعشار الرزق فی التجارة (بیہقی کتاب البیوع ج ۵ و کنز العمال) روزی کا ۹/۱۰ حصّہ تجارت میں ہے۔

قال قتادةُ کان القوم یتبایعون و یتجرون ولکنهم اذا نابهم حق من حقوق الله لم تلههم تجارة ولا بیع عن ذکر الله حتی یودُوه الی الله (بخاری ۳۴:۸) قتادہ کہتے ہیں کہ لوگ خرید و فروخت اور تجارت کرتے تھے لیکن جب ان کے سامنے خدا کے حقوق میں کوئی حق آ جاتا تو انھیں تجارت اور لین دین خدا کے ذکر سے غافل نہ کرتا تھا یہاں تک کہ وہ خدا کے حق کو ادا کر دے۔

لولا هذه البیوع لصرتم عالة علی الناس (کنز العمال) اگر تجارت نہ ہوتی تو تم دوسروں کے لیے وبالِ جان بن جاتے۔

عن ابی هریره ان رسول الله قال والذی نفسی بیده لان یاخذ احدکم حبله فیحتطب علی ظاهره خیرٌ له من ان یاتی رجلاً فیسأله اعطاه او منعه (بخاری کتاب الزکوٰۃ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ بات کہ تم میں سے کوئی شخص رسی میں باندھ کر لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے تو اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ کسی شخص کے پاس جا کر سوال کرے اور وہ اس کو دے یا نہ دے۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے نبوت سے قبل بارہ سال تجارت کی۔ آپ ﷺ

کا مال شام، یمن، حساء، بحرین، کویت اور مسقط وغیرہ کی منڈیوں میں جاتا تھا۔ تجارت کے سلسلہ میں دو مرتبہ ملک شام کی طرف سفر اختیار کیا۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت سائب فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ قبل از اعلان نبوت میرے شریک تجارت تھے۔ معاملہ ہمیشہ نہایت صاف رہا۔ (ابو داؤد)

اسی طرح بعد نبوت بحرین سے وفد عبدالقیس آیا تو آپ ﷺ نے اس سے اپنی تجارت کا حال بیان کیا کہ میرا مال تمہاری منڈیوں میں جایا کرتا تھا۔ (تاریخ ابن جریر طبری)

حضرت ابوبکر صدیق خلافت سے قبل کپڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے۔ خلافت کے بعد بھی کچھ عرصہ تجارت میں مشغول رہے۔ جب صحابہ کرام نے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا۔ تب آپ نے یہ پیشہ چھوڑا۔ حضرت عمرؓ بھی تجارت کیا کرتے تھے آپ کا تجارتی کاروبار دیگر ممالک کی منڈیوں میں بکتا تھا۔ حضرت عثمان کے متعلق بھی کتب تاریخ میں بکثرت شواہد ملتے ہیں۔ (اسد الغابہ)

حضرت زبیر کا بھی ذریعہ معاش تجارت ہی تھا۔ (استیعاب ج ا ص ۲۰۸)

حضرت طلحہؓ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ تجارتی سفر میں ہی تھے کہ رسول کریم ﷺ کے دعویٰ نبوت کی خبر سنی جب آپ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور مدینہ میں اپنا مسکن بنایا تو علاوہ تجارت کے زراعت کا مشغلہ جاری رکھا اس کے اس قدر ترقی ہوئی کہ ساڑھے تین ہزار روپے روزانہ آمدنی ہوگئی۔
(طبقات ابن سعد قسم اول جز و ثالث ص ۱۵۸)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف شروع سے ہی تجارت کرتے تھے۔ جب اسلام لائے اور ہجرت کی تو رسول کریم ﷺ نے سعد بن ربیع انصاری سے ان کی مواخات کرا دی۔ مواخات کے بعد حضرت سعد نے ان کو اپنا نصف مال دینا چاہا لیکن آپ نے اس کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا اور کہا مجھے کسی بازار کا راستہ بتا دو میں تجارت کر کے اپنے لیے روزی پیدا کرلوں گا چنانچہ انھوں نے بنوقینقاع کے بازار میں دودھ اور پنیر بیچنا شروع کر دیا۔ جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں اس قدر نفع ہوا کہ وہ اپنے اخراجات خود برداشت کرنے لگے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر اونٹوں کی تجارت کیا کرتے۔ اپنے اونٹوں کو مقام بقیع میں لے جاتے وہاں فروخت کر کے اپنی روزی پیدا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عطا (تمیمی) کی تجارت اس قدر پھیلی ہوئی تھی کہ ان کا مال تجارت ممالک غیر میں جایا کرتا تھا۔ آپ کا سامان قیمتی اور اعلیٰ ہوا کرتا تھا۔ ایک بار ان کی دکان پر ایک ریشمین جوڑا فروخت کرنے کے لیے لایا گیا۔ تو حضرت عمرؓ نے دیکھ کر رسول کریم ﷺ سے کہا۔ اس کو اپنے واسطے خرید لیجئے اور وفود کی آمد پر زیب تن فرمایا کریں۔ (مسلم کتاب اللباس)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ مشہور مہاجر صحابی تھے۔ ان کا پیشہ طباخی تھا۔ اسی سے اہل وعیال کی

Marfat.com

پرورش کیا کرتے تھے۔ آپ نے مدینہ میں ایک کھانے کی دکان کھول رکھی تھی۔ جس سے آپ کو بہت نفع ہوا۔ مرتے وقت چار ہزار دینار نقد اور بہت سے مکانات چھوڑے۔ (طبقات ابن سعد ص ۸۰)

حضرت عمرؓ نے ایران، شام اور مصر کی فتوحات کے بعد مسلمانوں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کرنا چاہا۔ اس پر حضرت ابوسفیان نے کہا۔ **ادیوان مثل دیوان بنی الاصفر فالکلوا علی الدیوان و ترکوا التجارۃ** (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۶۳) کیا رومیوں کی طرح ہمارے نام بھی رجسٹر میں درج ہوں گے۔ اگر آپ نے لوگوں کے وظائف مقرر کر دیے تو وہ اس کے عادی ہو جائیں گے اور تجارت چھوڑ دیں گے۔

تجارت کے اصول

۱۔ تجارتی معاملہ میں فریقین کی باہمی رضامندی ضروری ہے۔ اضطراری رضا معتبر نہیں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ** (النساء ۴:۲۹) اے لوگوں جو ایمان لائے مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ۔ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔

نهی رسول اللّٰہ ﷺ عن بیع المضطر (ابو داؤد ابواب لبیوع) رسول کریم ﷺ نے مجبوری اور زبردستی کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

۲۔ بائع کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مشتری کو مبیع کے عیب سے آگاہ کر دے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** (المائدہ ۵:۲) نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ **فان صدقا و بینا بورک لهما فی بیعهما وان کتما و کذبا محقت برکۃ بیعهما** (بخاری کتاب البیوع) اگر دونوں سچ بولیں اور عیب وغیرہ ظاہر کر دیں تو انھیں ان کی بیع میں برکت دی جائے گی اور اگر وہ جھوٹ بولیں گے یا عیب پوشی کریں گے تو بیع کی برکت مٹا دی جائے گی۔

فقہا کہتے ہیں۔ **والبیع المبرور هوالبیع الذی یبرّ فیه صاحبه فلم یغش ولم یعص اللّٰہ فیه** (کتاب الفقہ علی الاربع الجز الثانی ص ۲۰۲) بیع مبرور وہ بیع ہے جس میں فریقین ایک دوسرے سے اچھائی اور بھلائی کا معاملہ کریں یعنی نہ اس میں دھوکا ہو نہ خیانت اور نہ خدا کی نافرمانی لازم آتی ہو۔

رسول کریم ﷺ کے متعلق روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عدا ابن خالد کو یہ تحریر دی تھی جس کے ذریعہ محمد اللّٰہ کے رسول نے عدا ابن خالد سے خریداری کی ہے۔ یہ ایک مسلمان

Marfat.com

کی خرید و فروخت دوسرے مسلمان سے ہے۔ اس میں نہ کوئی دھوکا ہے اور نہ ہی کوئی قباحت (بخاری کتاب البیوع)

۳۔ اہل معاملہ کی سوجھ بوجھ رکھتے ہوں۔ یعنی فریقین میں سے کوئی بھی بچہ مجنون وغیرہ نہ ہو۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ رفع القلم عن ثلثة عن المجنون المغلوب حتی یبرء وعن النائم حتی استیقظ عن الصبی حتی یحتلم (ابوداؤد) تینوں شخصوں پر تکلیف شرعی عائد نہیں ہوتی مجنوں پر حتیٰ کہ وہ ٹھیک ہو جائے سوئے والے پر حتیٰ کہ وہ جاگ اٹھے بچے پر حتیٰ کہ بالغ ہو جائے۔

۴۔ ماپ تول بالکل صحیح ہو۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَوْفُو الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ (الانعام ۶:۱۵۲) ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ (المطففین ۱......۳) کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا کر لیتے ہیں اور جب انھیں ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیے جاتے ہیں۔

۵۔ تاجر خریداروں کو ترغیب دلانے کے لیے عموماً قسمیں کھاتے ہیں رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ الحلف منفقة للسلعة ممحقة للبرکة (بخاری و مسلم کتاب البیوع) قسم مال تجارت کے بکنے کا باعث تو ہے لیکن اس کے ساتھ برکت مٹ جاتی ہے۔

۶۔ جن چیزوں کا کھانا پینا حرام ہے ان کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْھِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُھُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا (البقرہ ۲۰:۹۰) تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑی برائی ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں اور ان کی برائی ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ لا یحل ثمن شیءٍ لا یحل اکلهٗ و شربه (اخرجہ دار القطنی عن تمیم الداری) یعنی کسی ایسی چیز کی قیمت لینا جس کا کھانا اور پینا حرام ہے جائز نہیں ہے۔

سوء الکسب اجرة الزمارة و ثمن الکلب یعنی گانے بجانے اور کتے کی قیمت سب سے برا کسب ہے۔

فرمایا حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ وَالْمَیْتَةِ وَالْخِنْزِیْرِ وَالْاَصْنَامِ (بخاری ۳۴:۱۱۲) اللہ تعالیٰ نے شراب مردار خنزیر اور بتوں کی بیع حرام کر دی ہے۔

Marfat.com

۷۔ جب لین دین نقد نہ ہو بلکہ ادھار ہو تو اس کو لکھ لینا چاہیے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَا یَنْتُم بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ (البقرہ ۲:۲۸۲) اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب آپس میں مقررہ وقت کے لیے قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لو۔

۸۔ وہ معاملات جن میں متعاقدین کے بیع وشرا ہو جانے کے باوجود جھگڑے کی صورت باقی رہے اور کسی ایک فریق کو نقصان ہونے کا اندیشہ ہو۔

صنعت وحرفت

ذرائع معیشت میں سے صنعت وحرفت کا ایک اہم شعبہ ہے۔ ملک اور تمدن کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے جو وسیلہ تجارت کا ایک اہم حصہ ہے اور تجارت کی ترقی کا دارو مدار اسی کی ترقی پر ہے گویا صنعت وحرفت اور تجارت لازم ملزوم ہیں۔ جب کسی ملک میں صنعت وحرفت ترقی کرے گی۔ وہاں لازمی طور پر تجارت کو فروغ ہوگا۔

اسلام نے صنعت وحرفت کے فروغ کی طرف بہت ترغیب دی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَعَلَّمْنٰہُ صَنْعَۃَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ لِتُحْصِنَکُمْ مِّنْ بَاْسِکُمْ (الانبیاء ۲۱:۸۰) اور ہم نے اسے تمھارے لیے زرہ بنانی سکھائی تاکہ تمھاری لڑائی میں تمھاری حفاظت کرے۔

وَاَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ (السباء ۳۴:۵،۱۱) اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا کہ فراخ زرہیں بنا اور ان کے بنانے میں نگاہ رکھ۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

کان داؤد زرّاً او کان آدم حراثا و کان نوح نجارًا و کان ادریس خیاطا و موسٰی راعیاً (فتح الباری جلد ۴ کتاب البیوع) یعنی داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اور آدم علیہ السلام کاشتکاری کرتے تھے اور نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے اور حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا پیشہ کرتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کا کام کرتے تھے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ ان نبی اللّٰہ داؤد علیہ السلام کان یاکل من عمل یدہٖ (بخاری کتاب البیوع وبیہقی فی شعب الایمان) اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔

ابن عمرؓ رفعہ ان اللّٰہ یحب المومن المحترف (کبیر اوسط) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ ہنرمند مومن کو دوست رکھتا ہے۔

ان اللّٰہ یحب ان یری العبد محترفًا (طبرانی بحوالہ کنوز الحقائق) اللہ اپنے بندہ کو کوئی پیشہ کرتے ہوئے دیکھنا پسند کرتا ہے۔

Marfat.com

نعم العون المغزل للمراۃ علی الجلوس فی بیتھا (کنوز الحقائق کتاب فردوس) عورت کو گھر بیٹھنے کے عوض چرخہ کاتنا اچھی کمائی کا ذریعہ ہے۔

صحابہ کرام نے اسلام لانے کے بعد صنعت وحرفت کی طرف توجہ کی...... ابوبکر کا مدینہ منورہ کے مقام سلخ میں کپڑے کا کارخانہ تھا۔ اس طرح انصار نے یہود سے صنعت کا کام سیکھا اور کپڑا بانی، رنگ سازی تلواریں بنانا اور آلات حرب کی صنعت کو فروغ دیا۔ (الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد۲)

اسلام نے عوام کی بھلائی کے لیے درآمد اور برآمد پر پابندیاں عائد کیں تاکہ عوام تک سستی چیزیں پہنچیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں شام اور عراق کے گورنروں نے اطلاع دی کہ یہود اور نصاریٰ کے ممالک میں مسلمان تاجر مال لے کر جاتے ہیں تو وہ ٹیکس عائد کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر غیر ممالک کا مال تجارت ہمارے علاقوں میں آئے تو اسی حساب سے ان سے بھی محصول لیا جائے۔

کان یاخذ من المسلمین الزکوٰۃ ومن اھل الحرب العشر تاما لانھم کانوا یاخذون من تجار المسلمین مثلہ اذا قدموا بلادھم (کتاب الاموال لابی عبیدہ ص ۵۳۱) مسلمانوں سے زکوٰۃ لیتے تھے۔ اہل حرب حکومتوں سے عشر لیا کرتے تھے کیونکہ جب مسلمان تاجران کے ملکوں میں جاتے تھے تو اسی طرح کا محصول وہ ان سے وصول کرتی تھیں۔

اس کے باوجود حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ تھا کہ غیر مسلم تاجروں سے سامان تجارت ہر سال میں صرف ایک دفعہ ٹیکس وصول کیا جائے خواہ وہ مال میں کئی دفعہ سامان تجارت لے کر اسلامی علاقہ میں آئیں۔

یہ فیصلہ محض عوام کی بھلائی اور بہتری کے لیے تھا دور حاضر میں عوام کی بھلائی کو نظر انداز کر کے درآمدات اتنا بھاری ٹیکس عائد کر دیا جاتا ہے جس سے اشیاء مہنگی ہو جاتی ہیں اور عوام کو مہنگے داموں خریدنا پڑتی ہیں۔

فقہاء عظام نے صنعت وحرفت کو اس کی اہمیت کے پیش نظر مسلمانوں پر فرض کفایہ کہا ہے۔

من فروض الکفایۃ الحرف والصنایع ومایتم بہ المعاش (المنہاج ج ۷ ص ۱۹۴) صنعت وحرفت کے ذریعہ روزی کی تکمیل انسان پر فرض کفایہ ہے۔

زراعت

زراعت مدنی زندگی کا ایک اہم جز ہے اس کے بغیر زندگی کی تمام رعنائیاں اور خوشیاں مفقود ہو جاتی ہیں کیونکہ تجارت اور صنعت وحرفت کا دارومدار بھی زراعت پر ہے۔ قرآن مجید میں ذرائع معیشت میں زراعت کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اَفَرَاَیْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (الواقعہ ۵۶: ۶۳، ۶۴) کیا تم نے دیکھا جو تم بوتے ہو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔

Marfat.com

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ (الاعراف ۷:۱۰) اور یقیناً ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانا بنایا اور تمہارے لیے اس کے اندر روزی کے سامان رکھے۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ (طٰہٰ ۲۰:۵۳،۵۴) وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے لیے اس میں راستے چلائے اور بادل سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ساتھ مختلف اقسام کے نباتات پیدا کیے تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (عبس ۸۰:۲۴،۳۱) پس انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے۔ پہلے ہم خوب پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم زمین شق کرتے ہوئے پھاڑتے ہیں۔ پھر ہم اس میں غلہ اگاتے ہیں اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغ اور پھل اور چارہ تمہارے لیے اور تمہارے چارپاؤں کے لیے سامان۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ اُطْلُبُوْا الرزق فی خبایا الارض (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۴) رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔

امام سرخسی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس ارشاد سے مراد زراعت کا عمل ہے۔

امام سرخسی نقل فرماتے ہیں وازدرع رسول اللہ ﷺ بالجرف کہ رسول کریم ﷺ نے جرف میں خود کاشت کی ہے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ قال رسول اللہ ﷺ مامن مسلم یغرس غرسًا او یزرع زرعًا فیاکل منہ طیرٌ او انسان او بھیمۃ الا کان لہ بہ صدقۃ. (بخاری کتاب ماجاء فی الحرث، مسلم)

شیخ بدرالدین عینی کی تصریح کے مطابق زراعت ایسا عمل ہے کاشت کرنے والے کی نیت کے بغیر بھی اس کو ثواب ملتا ہے کیونکہ اس سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچتا ہے۔ (عینی شرح بخاری جلد ۵ نمبر ۷۶)

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

عَمِّرُوْا بِلَادِی فعاش فیھا عبادی. (مبسوط ج ۲۳ کتاب المزارعۃ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری بستیوں کو آباد کرو تاکہ اس میں میرے بندے زندگی بسر کریں۔ اس لیے امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء حنفیہ نے زراعت کو صنعت اور تجارت سے افضل قرار دیا ہے کیونکہ زراعت میں نفع عام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی زراعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فانھم ان کان اکثرھم مکتسبین بالصناعات وسیاسۃ البلدۃ والقلیل مکتسبین

Marfat.com

بالرعی والزراعة فسدمالهم فی الدنیا الخ اگر ملک کے باشندوں کی اکثریت صنعت وحرفت اور ملکی سیاست میں مصروف رہے اور زراعت اور مویشیوں کی حفاظت اور پرورش کی طرف بہت تھوڑے لوگ مشغول ہوں تو ان کی دنیوی حالت خراب ہو جائے گی۔

علامہ عبدالرحمٰن جزائری فرماتے ہیں۔ اما الزرع فی ذاته سواءٌ کان مشارکة اولا فهو فرض کفایة لاحتیاج الانسان والحیوان اِلَیهِ. لیکن زراعت خواہ شرکت سے کی جائے یا بغیر شرکت کے وہ ہر انسان پر فرض کفایہ ہے اس لیے کہ انسان اور حیوان سب ہی اس کے محتاج ہیں۔

احیائے موات

احیائے موات (افتادہ زمینوں کو آباد کرنا)

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں احیائے موات کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

ایسی زمینیں جو نہ کسی کی مِلک میں ہوں اور نہ کسی شہر یا گاؤں کے باشندے انھیں چراگاہ کے طور پر یا ایندھن حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہوں اور جو آبادی کی آخری حد سے کم از کم اتنے فاصلے پر واقع ہوں کہ ایک بلند آواز آدمی اگر وہاں کھڑا ہو کر پوری قوت سے چلائے تو بھی وہاں نہ سنائی دے۔[1]

فقہاء کے نزدیک وہ زمینیں بھی موات نہیں ہیں جن میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہوں۔ جن کی عوام کو ضرورت ہوتی ہے مثلاً نمک تیل تارکول وغیرہ۔

افتادہ زمینوں کو جو شخص ریاست کی منظوری کے ساتھ تین سال کے اندر اندر کارآمد بنا لیتا ہے۔ وہ اس کی متصور ہو گی۔ تین سال کی مدت اس بات کو معلوم کرنے کے لیے ہے کہ آیا قبضہ کرنے والا اس زمین کے آباد کرنے پر قادر ہے یا کہ نہیں اتنے عرصہ میں زمین حاصل کرنے والا اس کو آباد نہیں کر سکتا تو وہ افتادہ زمین دوبارہ ریاست کی طرف لوٹ آئے گی۔

ریاست کی اجازت حاصل کرنا اس وجہ سے ضروری ہے تاکہ متعدد افراد ایک ہی قطعہ زمین پر قبضہ کی خواہش سے آپس میں نہ جھگڑ پڑیں اور سوسائٹی میں بدامنی پیدا نہ ہو۔

افتادہ زمینوں کی آبادکاری بھی زراعت کا اہم جز ہے چونکہ افتادہ زمین حکومت کی طرف سے بعض شرائط کے ساتھ محض آبادکاری کے لیے ملتی ہے۔ اس وجہ سے زراعت سے الگ اس کو ایک وسیلہ معیشت قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] مجلۃ الاحکام العدلیہ دفعہ ۱۲۷۰ بحوالہ اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ اول از ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی ص ۱۳۲، ۱۳۳۔

Marfat.com

اقطاع (عطیات)

ایسی لاوارث زمینیں جو بیت المال کی مِلک ہوں اور امام نے کسی کو ملکی خدمت یا کسی نمایاں کارنامہ کے صلہ میں دے دی ہو۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو زمینیں عطا فرمائی تھیں۔ آپ ﷺ کے بعد خلفاء بھی بطور عطیہ زمینیں دیتے رہے ہیں۔

افتادہ زمینیں اور عطیات دینے کے احکام کا تفصیلاً ذکر بعد میں آئے گا۔ یہاں صرف انفرادی ملکیت کے وسائل پر بحث ہو رہی ہے۔

شکار

قدیم زمانہ سے شکار خواہ بری ہو یا بحری بنی نوع انسان کے لیے ذریعہ معاش چلا آ رہا ہے۔ اب یہ ہر ملک میں دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا ہوا ہے اس لیے جنگل یا دریا، سمندر سے حاصل کردہ چیزیں ابتدائی قبضہ کے ذریعے انفرادی ملکیت میں لائی جا سکتی ہیں۔ علماء کے نزدیک مباح عام میں شامل ہیں۔ ہر مباح عام چیز کی طرح قبضہ کے ذریعے ذاتی ملکیت بنائی جا سکتی ہے۔ یہ ذریعہ بھی تجارت کا ایک حصہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے۔ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ. (المائدہ ۵:۴) اور وہ جو تم شکاری جانوروں کو شکار کی تعلیم دیتے ہوئے سکھاؤ تم ان کو سکھاتے ہو اس علم سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا سو جس کو وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس سے کھالو۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ ۵:۹۶) اور تمہارے لیے دریا کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے لیے اور مسافروں کے لیے سامان ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِأَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (الجاثیہ ۴۵:۱۲) اللہ وہ ہے جس نے سمندر تمہارے کام میں لگایا ہے تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل (ذریعہ معاش) تلاش کرو۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمٰن ۵۵:۲۲) ان دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (النحل ۱۶:۱۴) وہی ہے جس نے سمندر کو کام میں لگا رکھا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے موتیوں کے زیور نکالو جنھیں تم پہنتے

Marfat.com

ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے اسے پھاڑتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل طلب کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فاصطادو (المائدہ ۵:۲) اور جس وقت تم احرام سے باہر آ جاؤ تو شکار کرو۔

مال غنیمت

جہاد میں جو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے اس سے بھی ملکیت وجود میں آتی ہے۔ اس مال کا ۴/۵ حصہ مجاہدین کا حق ہے اور ۱/۵ حصہ اللہ اور اس کے رسول کا۔

ارشاد الٰہی ہے۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (الانفال ۸:۴۱) اور جان لو کہ جو چیز تم فتح پا کر حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور قریبیوں کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔

اللہ کے لیے ہونے سے مراد یہ ہے وہ بیت المال میں داخل ہو۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ من قتل قتیلا له علیه بینة فسلبه له (بخاری و مسلم) جو کسی مشرک کو قتل کرے تو اس کی سلب اسی مجاہد کی ملکیت قرار پائے گی۔ بشرطیکہ وہ گواہی پیش کرے۔

ورثہ

مال اور جائیداد کے حصول کا ایک ذریعہ ورثہ ہے۔ متوفی جو ترکہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ ورثہ ورثا میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اسلام نے ہر وارث کے لیے حصہ مقرر کر دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا (النساء ۴:۳۳) جو کچھ ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے حق دار ٹھہرا دیے ہیں اور جن عورتوں سے تمہارا نکاح ہو چکا ہے پس چاہیے کہ جو کچھ جس کا حصہ ہے اس کو دے دیا جائے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ کَثُرَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا۔ (النساء ۴:۷) مردوں کے لیے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی رشتے دار چھوڑیں اور عورتوں کے لیے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت ایک مقررہ ہے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فهو لاولی رجل ذکر (بخاری کتاب الفرائض باب میراث ابن لابن) مقررہ حصص ان کو دو جو ان کے حق دار ہیں اور جو باقی بچے وہ قریب کے مرد کو ملنا چاہیے۔

Marfat.com

عَنْ ابن عباس رضی اللہ عنهما عن النبی ﷺ قال اقسموا المال بین اهل الفرائض علی کتاب اللہ (مسلم و ابوداؤد) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کر دیا گیا ہے۔

ہبہ

ہبہ کے ایک خاص معنی ہیں تملیک بلاعوض یا بغیر کسی قسم کے معاوضہ کے کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا۔ وسیع معنی کے لحاظ سے قرض معاف کر دینے یا صدقہ کو کہا جاتا۔

دولت کے حصول کا ایک ذریعہ ہبہ ہے جائیداد کے مالک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی جائیداد کو کسی دوسرے کے حق میں ہبہ کر دے۔ ہبہ ایک بیٹے کے حق میں کرنے کی اجازت ہے لیکن رسول کریم ﷺ نے یہ بھی سفارش کی ہے کہ ایسے ہبہ دوسرے بیٹوں کے حق میں ہونے چاہئیں۔

عن النعمان بن بشیر یقول اعطانی ابی عطیة نقالت عمره بنت رواحة لاارضی حتی تشهد رسول اللہ ﷺ فاتی رسول اللہ ﷺ فقال انی اعطیت ابنی من عمرة بنت رواحة عطیة فامرتنی ان اشهدک یارسول اللہ قال اَعْطَیْتَ سائر ولدک مثل هذا قال لاقال فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم فرجع فرد عطیتہٗ. (بخاری کتاب الھبہ ۱۳:۵۱) نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے بطور ہبہ کچھ دیا تو عمرہ بنت رواحہ (نعمان کی ماں) نے کہا کہ میں پسند نہیں کرتی یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ کو گواہ بناؤ وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ سے ہے کچھ دیا ہے تو یارسول اللہ عمرہ نے مجھے کہا ہے کہ میں آپ کو گواہ بنالوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے باقی بیٹوں کو بھی تو نے اسی طرح دیا ہے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو۔ سو وہ لوٹے اور اپنا عطیہ واپس کر لیا۔

قالت اَسْمَاء للقاسم ابن محمد و ابن ابی عتیق ورثت عن اختی عائشة بالغابة وقد اعطانی به معاویة مائة الفِ فهو لکما (بخاری ۲۲:۵۱) حضرت اسماء نے قاسم اور ابن ابی عتیق سے کہا کہ مجھے اپنی بہن حضرت عائشہ کا غابہ سے کچھ ترکہ ملا ہے اور حضرت معاویہ اس کے بدلے مجھے ایک لاکھ درہم دیتے تھے وہ تم دونوں کا ہوا۔

قاسم اسماء کا بھتیجا تھا اور ابن ابی عتیق بھتیجے کا بیٹا ہبہ مشترکہ طور پر کیا۔ اس لیے ایک جائیداد کا کئی آدمیوں کے نام ہبہ کرنا جائز ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہبہ انسان جس قدر چاہے کر سکتا ہے۔

خاوند اپنی بیوی کے حق میں ہبہ کر سکتا ہے اور بیوی اپنے خاوند کے حق میں ہبہ کر سکتی ہے۔ شوہر

Marfat.com

کے علاوہ بیوی دوسرے لوگوں کے نام بھی ہبہ کر سکتی ہے۔ (بخاری کتاب الھبہ باب ھبہ الرجل لامراته و باب ھبہ المراة نغیرہ)

جب ہبہ لینے والے نے اس کو قبول کر لیا ہو تو دینے والا اس کو واپس لینے کا مجاز نہیں۔

وصیّت

صاحب جائیداد اپنی وفات کے بعد دوسروں کو جائز ورثاء کے علاوہ اپنے مال میں سے دینے کا مجاز ہے۔ اس طرح جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے وہ اس جائیداد کے مقررہ حصّہ کا مالک بن جاتا ہے۔ قرآن مجید نے امراء کے لیے وصیت کرنا فرض قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْراَ نِ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ (البقرہ۲:۱۸۰) جب تم میں سے کسی پر موت آ موجود ہو عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر وہ بہت سا مال ماں باپ کے لیے اور قریبیوں کے لیے چھوڑے یہ متقیوں پر لازم ہے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ ماحق امرء مسلم له شی یوصی فیه یبیت لیلتین الا وصیته مکتوبة عنده. (بخاری کتاب الوصایا) ایسے مسلمان شخص کو مناسب نہیں جس کا کوئی مال ہو جس میں اس پر وصیت کرنا ضروری ہو کہ وہ دو راتیں گزارے مگر اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہیے۔

اسلام نے وصیت کے لیے چند اصول مقرر کیے جو ان اصولوں کے خلاف ہوگی وہ نا قابل عمل قرار پائے گی۔

پہلا اصول

ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت نہیں کی جاسکتی۔

دوسرا اصول

وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں کی جاسکتی۔

تیسرا اصول

متوفی نے ورثاء کے لیے کافی دولت چھوڑی ہو۔

عن عامر بن سعد بن ابی وقاصؓ عن ابیه قال مرضت عام الفتح مرض اشقیت منه علی الموت فاتانی رسول اللہ ﷺ یعودنی فقلت یارسول اللہ ان لی مالاً کثیراً ولیس یرثنی الا ابنتی فاوصی بما لی کلهٗ قال لا قلت فثلثی مالی قال لاقلت فالشطر قال لا قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیرا انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرهم عالة

یتکففون الناس. (ترمذی ابواب الفرائض) عامر بن سعد بن ابی وقاص سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا میں فتح مکہ کے سال ایسا بیمار ہوا کہ مجھے اپنے مرنے کا خوف پیدا ہو گیا۔ سو میرے پاس رسول کریم ﷺ عیادت کے لیے آئے۔ بس میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ میرے پاس بہت مال ہے اور سوائے ایک بیٹی کے اور کوئی وارث نہیں کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کر دوں آپ نے ﷺ فرمایانہیں۔ میں نے کہا دو تہائی کی وصیت کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں میں نے کہا نصف مال کی فرمایا نہیں۔ میں نے کہا تہائی مال کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تہائی کی اور تہائی ہی بہت ہے۔ اگر تو اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑے تو بہتر ہے اس سے ان کو محتاج چھوڑے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہتھیلی پھیلائیں۔

بیت المال سے مالی امداد

مملکت میں کئی ایسے افراد ہوتے ہیں جن کی بقائے حیات اور ضروریات کی تکمیل کے لیے بیت المال سے امداد ضروری ہے۔ یہ امداد انفرادی ملکیت کا ایک وسیلہ ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کی امداد کا ذکر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (توبہ:۶۰) زکوٰۃ صرف ناداروں کے لیے ہے اور مسکینوں اور اس کے کارکنوں کے لیے اور جن کے دل مائل کرنا ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے۔

رکاز (دفینہ)

دفینہ سے جو کچھ ملتا ہے اس کا ۴/۵ حصہ نکالنے والے کی مِلک قرار پاتا ہے اور ۱/۵ حصہ بیت المال کا۔

رکاز کیا ہے؟ اور اس کے دوسرے شرعی احکام کے متعلق بحث بعد میں آئے گی۔

انفرادی حصول حقوق ملکیت کے شرعی حدود و قیود

پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اسلام نے جو ملکیت کا تصور دیا ہے اس کی رو سے کائنات کی ہر چیز اصلاً اللہ کی ملکیت ہے۔ رفع نزاع اور حصول انتفاع کے لیے اللہ تعالیٰ نے ملکیت کے حقوق انسان کو منتقل کیے ہیں۔ وہ اشیاء کا مالک تو بن جاتا ہے لیکن وہ حقوق اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے مصالح کے پابند ہوتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ. (الحدید ۵۷:۷) اور اس سے خرچ کرو جس میں اس نے تمھیں اپنا نائب بنایا ہے۔ وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىْٓ اٰتٰىكُمْ (النور ۲۴:۳۳) اور ان کو اللہ کے مال سے دو جو اس نے تمھیں دیا ہے۔ یہ دونوں آیات ظاہر کرتی ہیں کہ کائنات کی ہر چیز کا

مالک دراصل اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے نیابۃً اس میں تصرف کا حق دیا ہے۔

جب حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہوا اور انسان اس کا نائب تو حدود و قیود مقرر کرنے کا حق بھی اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔ قرآن مجید میں عرب کی ایک قدیم قوم مدین کی اس بات پر مذمت کی گئی ہے کہ وہ اپنی دولت کے معاملہ میں اپنے آپ کو مختار کل سمجھتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کو ناجائز قرار دیتی تھی۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَایَعْبُدُ اٰبَآءُ نَا اَوْاَنْ نَّفْعَلَ فِی اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا** (حود ۱۱:۸۷) انھوں نے کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں نہ کریں۔

حرام اور حلال کے پیمانے انسان مقرر نہیں کرسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مالک ہونے کی حیثیت سے اختیار رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے اس بات کو کذب قرار دیا ہے کہ انسان خود ہی کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام قرار دے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (النحل ۱۶:۱۱۶) اور اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کردیتی ہیں نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

شرعی پابندیاں

اسلام نے دولت کمانے کے وہ تمام طریقے ناجائز اور حرام قرار دے دیے ہیں جن سے دوسرے افراد یا سماج کو نقصان پہنچتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ** (النساء ۴:۲۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ۔

باطل اور ناجائز طریقے کیا ہیں ان کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے۔

Marfat.com

حصول دولت کے ناجائز ذرائع

ربا (سود)

ربا کے لغوی اور اصطلاحی معنی

ربا الشئ کے معنی ہیں ایک چیز بڑھ گئی اور اس نے ترقی کی۔ قرآن مجید میں سبزی کے بڑھنے پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ (الحج ۵:۲۲) اور تو زمین کو بے حس (عدم نمو والی) دیکھتا ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ لہلاتی اور ابھرتی ہے۔

ایسا ہی مال کے بڑھنے پر استعمال ہوا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔ وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِندَ اللَّهِ (الروم ۳۰: ۳۹) اور جو تم سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں جا کر بڑھتا ہے اور وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔

ربو راس المال پر بڑھوتی کا نام ہے لیکن شریعت میں ایسی بڑھوتی کو ربا کہتے ہیں جو بغیر کسی مالی معاوضہ کے حاصل کی جائے۔

الربا فی اللغة الزیادة والمراد فی الایة کل زیادة لا یقابلها عوض (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۰۳) ربو ہر ایسی زیادتی کا نام ہے جس کے مقابلے میں مال کا عوض نہ ہو اس تعریف میں وہ تمام صورتیں داخل ہیں جن میں کوئی زیادتی بلا معاوضہ کی جائے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔ ”لفظ ربا کے معنی زیادتی کے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر قسم کی زیادتی حرام ہے بلکہ ربا کی جو حرمت ہے وہ ایک خاص قسم کا معاہدہ ہے جو عربوں میں ”ربا“ کے نام سے مشہور تھا۔ (التفسیر الکبیر ج ۷ ص ۹۱)

امام جصاص ارشاد فرماتے ہیں۔ هو القرض المشروط فیه الاجل و زیادہ مال علی المستقرض کہ ربا وہ قرض ہے جو کسی وقت تک کے لیے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض دار اس کو راس المال پر (مقررہ) زائد رقم ادا کرے گا۔

لسان العرب میں ہے۔ الربا ربوان والحرام کل قرض یوخذ به اکثر منه او یجربه

Marfat.com

منفعتہ ربا کی دو اقسام ہیں اور ہر قرض حرام ہے کہ جس کے ساتھ اس سے زیادہ لیا جائے۔ یا اس کے ساتھ منافع کھینچا جائے۔

ربا کی تعریف ایک حدیث میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

كُلُّ قَرْضٍ جرَّ منفعة فَهُوَ ربوا یعنی جو قرض کچھ نفع کمائے وہ ربا ہے۔

جاہلیّت کا سود

رسول کریم ﷺ کی بعثت سے قبل سود لینے کے مختلف طریقے رائج تھے امراء ضرورت مندوں کو نقد قرض دیتے اور مدت مقررہ کر کے راس المال پر سود لگا دیتے تھے۔

ربا الجاهلية الذى نهى عنه ذالک انهم كانوا يسلفون بالزيادة فينظرون فكانوا يقولون انظر فى ازدک وهذا هو الذى عناه بقوله فى حجة الوداع ان ربا الجاهلية موضوعٌ (بدایۃ المجتہدین ابن رشد مالکی) ربا الجاہلیہ جس سے قرآن میں منع کیا گیا ہے یہ ہے کہ لوگ قرض پر کچھ بڑھوتی کی شرط عائد کر کے قرض دیا کرتے تھے پھر میعاد متعینہ پر مزید مہلت دے کر مزید سود لگا دیتے تھے یہی وہ ربا ہے جس کو رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں باطل قرار دیا تھا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ جاہلیت کا ربا یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے ایک وقت مقرر کے لیے خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے جب وہ وقت آ جاتا اور رقم ادا نہ ہوتی تو رقم بڑھا دی جاتی اور مہلت دے دی جاتی۔

مجاہد کہتے ہیں کہ جاہلیت کا ربا یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر قرض ہوتا تو وہ کہتا کہ تم اس قدر راس المال میں بڑھا لو اور ادائیگی میں مہلت دے دو ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں لوگ ایک دوسرے سے قرض لیتے اور باہم یہ طے کرتے کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل مال سے زیادہ ادا کی جائے گی۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کا یہ طریقہ تھا کہ وہ ایک مقررہ مدت کے لیے روپیہ دیتے اور اس سے ماہ بماہ ایک مقررہ رقم بطور سود کے وصول کرتے اگر وہ مدت ختم ہو جاتی تو ادائیگی کا مطالبہ کرتے اگر ادائیگی نہ ہو سکتی تو مزید مہلت دی جاتی اور سود میں بھی اضافہ کر دیا جاتا۔

ایک صورت یہ بھی تھی کہ کوئی چیز رہن رکھ کر اس کے عوض قرض دیتے اور اگر مقررہ مدت میں قرض دار قرض ادا نہ کر سکتا تو روپیہ پر سود لگا دیتے اور چیز کی قیمت کم سے کم لگا کر اس کو خرید کر لیتے۔

مذکورہ حوالہ جات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عرب میں ربا ایک مخصوص مالی معاملہ نزول قرآن سے قبل متعارف تھا۔ وہ یہ کہ قرض دے کر اس پر کوئی نفع لیا جائے عرب اسی کو ربا کہتے تھے اور اسی کو قرآن مجید نے حرام قرار دیا اور رسول کریم ﷺ نے اسی کو باطل قرار دیا تھا۔

Marfat.com

تفسیر قرطبی میں ہے۔ وذالک ان العرب لا تعرف ربا الا ذالک. فحرم سبحانه ذالک وردّ علیهم بقوله و احلّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وحرم الربٰو وهذا الربا هو الذی نسخه رسول اللّٰه ﷺ بقوله یوم عرفة الا ان کل ربا موضوع. عرب اس (طریقہ مالی) کو ربا کے نام سے جانتے تھے پس اللہ سبحان تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا اور ان کے قول کا رد کیا ہے۔ فرمایا "اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو" (اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے ربو کو حرام) یہی وہ ربا کی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے عرفات کے دن منسوخ فرمایا اور فرمایا خبردار ہر قسم کا ربو باطل ہے۔

ربو کی اقسام

ربا النسیئة. اس کے اور بھی نام ہیں ربا القرآن (جس کی حرمت قرآن مجید میں آئی ہے) ربا الدیون (جو مالی معاملہ قرض کے متعلق ہو) ربا الجاہلیہ (جس کا رواج زمانہ جاہلیت میں تھا)

علامہ جصاص نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ "قرض وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدت ادائی قرض دار پر مال کی کوئی زیادتی معین کر لی گئی ہو۔ (بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۰ ص ۱۷۰)

مذکورہ تعریف کی رو سے قرض پر یہ وہ معین ادائیگی ہے جو قرض دار معین مدت کی شرط پر ادا کرتا ہے۔

ربا الفضل

ربا الفضل کو ربا السنۃ بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس کی حرمت احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ ربا الفضل اس بڑھوتی کو کہتے ہیں جو "ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے بغیر کسی مہلت یا تاخیر کے، دست بدست تبادلے کی صورت میں کی جائے۔" اسے ربا البیوع کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ یہ صرف نقد یا اجناس کی دست بدست بیع سے متعلق ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول اللّٰه ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثلٍ سواءٍ یداً بیدٍ فاذا اختلف هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بیدٍ (صحیح مسلم کتاب المساقاۃ) حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سونے کی بیع سونے کے بدلے اور چاندی کی چاندی کے بدلے اور گیہوں کی گیہوں کے بدلے اور جو کی جو کے بدلے اور کھجوروں کی کھجوروں کے بدلے اور نمک کی نمک کے بدلے یکساں اور برابر اور دست بدست ہونی چاہیے اور جب اجناس مختلف ہوں۔ جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو۔

قرآن مجید میں ربا کی حرمت

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (ال

Marfat.com

عمران ۳:۱۳۰) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بڑھا بڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

عرب میں یہ رواج تھا کہ جب قرضہ کی میعاد ختم ہو جاتی تو قرض دار قرض ادا نہ کر سکتا تو سود کو راس المال میں بڑھا کر پھر از سرنو اس پر سود لگایا جاتا اور یوں قلیل المیعاد میں مدیوں ایک بھاری رقم کے بوجھ تلے دب جاتا۔

اسلام نے اس رواج کو ختم کیا۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ سود در سود نہ کھاؤ اور تھوڑا سا کھالو۔

حرمت سود کے اعلان کے ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا کہ واجب الادا سودی رقم نہ لی جائے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ o وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (البقرہ ۲:۲۷۸،۲۷۹) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کے لیے خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال میں نہ تم نقصان پہنچاؤ اور نہ تمھیں نقصان پہنچایا جائے۔

پھر فرمایا۔ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ o وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ (البقرہ ۲:۲۷۶) اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکر گزار گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔

پھر فرمایا۔ وَاَخْذِھِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُھُوْا عَنْہُ وَاَکْلِھِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ مِنْھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (النساء ۴:۱۶۱)

پھر فرمایا۔ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ (الروم ۳۰:۳۹) جو تم سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں جا کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔

پھر فرمایا۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا o وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (البقرہ ۲:۲۷۵) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر اس طرح جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت بھی سود ہی کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا ہے۔

حدیث میں حرمت سود

عن جابر قال لعن رسول اللہ ﷺ لکل الربوا و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواءٌ (مسلم) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، لکھنے والے پر اور گواہی کرنے والوں پر لعنت کی۔

پھر فرمایا خدا کے نزدیک سب برابر ہیں۔

لیلۃ المعراج میں جو مناظر دیکھے ان میں ایک منظر سود خور کے عذاب کا بھی تھا۔ حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے رات کو دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ارض مقدس کی طرف لے گئے۔ ہم چلتے گئے یہاں تک کہ ہم خون کے ایک دریا پر پہنچے جس میں ایک شخص کھڑا تھا اور کنارے پر دوسرا شخص تھا۔ جس کے پاس بہت سے پتھر تھے جو شخص دریا میں تھا باہر نکلنے کے ارادے سے کنارے کی طرف آیا تو کنارے پر کھڑے شخص نے ایک پتھر اس کے منہ پر مارا اور اس کو واپس لوٹا دیا۔ اس طرح جب بھی وہ شخص نکلنے کے لیے کنارے کی طرف آتا تو کنارے والا شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا وہ پھر لوٹ جاتا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے جس کو میں نے خون کے دریا میں دیکھا ہے جواب ملا یہ سود خور ہے۔ (بخاری)

مسند احمد کی روایت ہے (رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں لیلۃ المعراج کو) ہم ایسے لوگوں کے قریب پہنچے جن کے پیٹ مکانوں کی طرح تھے اور ان کے اندر سانپ تھے جو باہر سے دیکھے جاتے تھے میں نے پوچھا اے جبرئیل وہ کون لوگ ہیں اس نے کہا یہ سود خور ہیں۔

دونوں روایات کے مضمون کے اختلاف میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ پہلی روایت میں ان سود خوروں کا ذکر ہے جنھوں نے سود کا مال جمع کیا ہو۔ لیکن کھایا نہ ہو۔ دوسری روایت میں ایسے سود خوروں کا ذکر ہے جنھوں نے سود کھایا ہو۔ پہلی مثال میں سود لینے کے جرم کی سزا خون کے دریا کی شکل میں ہے گویا سود خور نے لوگوں کے خون پسینہ کا کمایا ہوا مال بلا معاوضہ جمع کیا گویا وہ دوسروں کا خون جمع کرتا ہے اس وجہ سے اس کو خون کے دریا میں دکھایا گیا۔ دوسری مثال میں سود خور لوگوں کا مال کھاتا ہے اس کی سزا پیٹ کے اندر سانپوں کے جمع ہونے اور ڈسنے کی شکل میں ہے چونکہ سود خور بلا معاوضہ دوسروں کا مال لے کر ان کو ایسی تکلیف دیتا ہے جیسے سانپ ڈسنے سے پہنچتی ہے اس وجہ سے اس کو سزا اسی مناسبت سے ملی ہے۔

عن ابی ہریرہ عن النبی ﷺ قال اربع حق علی اللہ ان لا یدخلھم الجنۃ ولا یذیقھم نعیمھا مدمن الخمر واکل الربا واکل مال الیتیم بغیر حق والعاق لوالدیہ (رواہ الحاکم) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چار ایسے اشخاص ہیں کہ اللہ نے ان کے متعلق اپنے اوپر لازم کر لیا۔ وہ ان کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ اور اس کی نعمتیں انھیں نہیں چکھائے گا۔ ایک عادی شراب نوش، دوم سود خور، سوم یتیم کا ناحق مال کھانے والا، چہارم والدین کا نافرمان۔

عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یارسول اللہ وماھن؟ قال الشرک باللہ والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق اکل الربا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات (بخاری ومسلم) حضرت

Marfat.com

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون سات گناہ کیا ہیں آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور جادو کرنا اور ناحق کسی آدمی کو قتل کرنا اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا (جہاد میں) دشمن سے مٹھ بھیڑ کے وقت اسلامی لشکر کو چھوڑ کر بھاگ جانا۔ معصوم اور غافل عورتوں پر تہمت لگانا۔

عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ﷺ الربوا سبعون جزاء الیسرھا ان ینکح الرجل امہٗ (ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود خوری کے ستر حصے ہیں ان میں سے ادنیٰ اور معمولی ایسا ہے جیسے اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنا۔

وَعَنْ عَمْرِو بن العاص قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول مامن قوم یظھر فیھم الربا الا اخذوا بالسنة ومامن قوم یظھرھم فیھم الرشا الا اخذوا بالرعب (رواہ احمد) حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس قوم میں سود پھیل جائے وہ یقیناً قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور جس قوم میں رشوت پھیل جائے وہ مرعوبیت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

تجارتی سود

پہلے ربا الفضل کا ذکر کیا جا چکا ہے یہ ایک تجارتی سود ہے رسول کریم ﷺ نے تفہیم الٰہی سے عرب میں رائج شدہ سود میں وسعت پیدا کی ہے وہ یہ کہ تجارتی کاروبار کی بعض اقسام کو ربٰو میں شامل کیا ہے حدیث میں آتا ہے۔ **عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ الذھب بالذھب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثلٍ یداً بیدٍ فمن زاد او استزاد فقد اربی الاخذ والمعطی فیہ سواء** (مسلم) حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض اور گیہوں گیہوں کے عوض اور جو جو کے عوض اور نمک نمک کے عوض دست بدست برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہونا چاہیے (ناپ اور تول میں مساوی ہوں اور ادھار بھی نہ ہو۔ جس شخص نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا تو اس نے سودی کاروبار کیا لینے والا اور دینے والا دونوں کے برابر ہیں۔

اس حدیث میں مختلف تجارتوں میں سود کی مختلف صورتوں سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے مثلاً کسی شخص کو سونا اس شرط پر دیا جائے کہ جو کچھ مدت کے بعد اس سونے کی زیادہ مقدار ادا کرے گا۔ یا گندم اس شرط پر دی جائے کہ وہ زیادہ گندم واپس کرے گا۔ یہ درحقیقت سودی کاروبار ہے گو اس کو ظاہراً تجارت کی شکل دی گئی ہے۔ ہاں اگر مقروض اپنی مرضی سے قرض خواہ کو زیادہ دے دے تو وہ سود نہیں ہوگا رسول کریم ﷺ نے کسی شخص کو ادا کرنا تھا جب آنحضرت ﷺ نے ادائیگی کی تو قرض خواہ کو زیادہ دیا وہ ایک قسم کا شکر گزاری کا عطیہ ہے جو مقروض بطیب خاطر دیتا ہے۔

Marfat.com

ایک اہم نکتہ

دور حاضر میں بعض دانشور سودی قرض کی دو شکلیں قرض صرفی اور قرض پیداواری قرار دے کر قرض پیداواری کو جائز دے رہے ہیں۔ ان کے نزدیک رسول کریم ﷺ کی بعثت سے قبل صرف قرض صرفی رائج تھا۔ قرض پیداواری نہیں چونکہ قرض پیداواری ملک کی معیشت کو بڑھانے کا ایک اہم جزء ہے۔ اس لیے یہ شکل جائز ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کے مطالعہ سے ایک عام قاری پر واضح ہو جاتا ہے کہ جس فضا میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے اور جس شدت کے ساتھ حرمت بیان کی گئی ہے۔ اس میں ہر قسم کی حرمت شامل ہے۔ کوئی استثنائی صورت بیان نہیں کی گئی۔ سود، سود ہی ہے خواہ کسی شکل میں ہو۔ سود معاشرہ میں عدم مساوات اور جبر وظلم پیدا کرتا ہے۔ پیدواری قرض کے سود کا بوجھ عوام پر ہی پڑتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کپڑے کا کارخانہ لگاتا ہے تو کارخانہ لگانے والا بنک کے سود پر قرض لے گا۔ جب کارخانہ تیار ہو جاتا ہے تو کارخانہ چلانے کے لیے خام مال کے لیے سود پر قرض لینا پڑے گا۔ تو کپڑا تیار ہو جاتا ہے تو کارخانہ سے بڑی مقدار میں کپڑا خریدنے والے اپنے کاروبار کے لیے سود پر قرضہ لیں گے۔ اس طرح سود کے قرضے کا جال وسیع ہوتا جائے گا۔ آخرکار ہر پارٹی کے سود کا بوجھ صارف پر پڑے گا۔ اس طرح اشیاء صارفین تک مہنگے داموں پہنچیں گی۔

تجارت کے نفع اور ربو میں فرق

نفع اور ربا (سود) میں نمایاں فرق ہے نفع کا دارومدار بیع وشرا پر ہوتا ہے اور متعاقدین کے مابین تعاون اور حقیقی رضا کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ربا وہ زیادتی اور بڑھوتری ہے جو بغیر کسی مالی معاوضہ کے حاصل ہوتی ہے اور طرفین کی رضا اور باہمی تعاون مفقود ہوتا ہے۔ قرض دار محض مجبوری کے تحت سرمایہ دار سے مال لیتا ہے اور اپنی ضرورت کو پورا کرتا ہے بیع وشراء کے ذریعہ حاصل کرنے سے محنت کرنی پڑتی ہے اور سود میں محنت نہیں کرنی پڑتی۔

حرمت سود کی وجوہ

اخلاقی گراوٹ

سود اخلاقی گراوٹ کا سبب ہے جبکہ اسلام انسان کو اخلاق کے زیور سے آراستہ کرنا چاہتا ہے تمام فلاسفر اس بات پر متفق ہیں کہ اخلاق حسنہ ہی معاشرتی زندگی کو حسن بخشتے ہیں اور اخلاق سیئہ عمرانی زندگی کا حلیہ بگاڑ دیتے ہیں۔

سود اخلاق سیئہ کا سرچشمہ ہے جس سے حرص، لالچ، دناءت، تنگ قلبی انسان دشمنی کے سوتے

Marfat.com

پھونٹے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَاکُلُوْنَ الرِّبٰو لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِی یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (البقرہ ۲:۲۷۵) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر اس طرح جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے شیطان نے چھو کر بچھاڑ دیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں سود خور کی ذہنی حالت بیان کی گئی ہے وہ مال و دولت کی محبت میں دیوانہ ہو جاتا ہے گویا دولت اس کی دیوی ہے اس کے سامنے سرنگوں رہتا ہے اس دیوانگی اور سجدہ ریزی کی وجہ سے شرف انسانیت سے گر جاتا ہے۔ یہ الفاظ مبنی برحقیقت ہیں کہ سود خور مواساۃ انسانی کی اعلیٰ صفت سے عاری ہو جاتا ہے اس کا ایک ہی محور اور مطاف ہوتا ہے وہ دولت ہے۔ اس کے اردگرد گھومتا ہے اس کی پوجا کرتا ہے، سود خور خود غرضی میں یہاں تک ترقی کر جاتا ہے کہ وہ اپنے مقروض کو فاقہ کشی تک پہنچانے سے بھی تامل نہیں کرتا۔

محنت کی بے توقیری

معاشیات کی اصطلاح کے مطابق پیدائش دولت کا سب سے اہم عامل پیدائش دولت محنت ہے۔ اسلام نے اس عامل پیدائش دولت پر بہت زور دیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی (النجم ۵۳:۳۹......۴۱) اور انسان کے لیے کچھ نہیں مگر وہ جو وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (البلد ۹۰:۴) یقیناً ہم نے انسان کو مشقت کے لیے پیدا کیا ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ من جدوجد ولکل مجتھدٍ نصیب الصحۃ تمنع الرزق (المدینۃ والاسلام فرید وجدی) جو شخص کوشش کرے گا اس کو اس کی محنت کا صلہ مل جائے گا۔ ہر کوشش کرنے والے کو کچھ نہ کچھ ملتا ہی ہے۔

سود خوری جذبہ محنت کو مفلوج کر دیتی ہے اور انسان کو مفت خوری کا عادی بنا دیتی ہے سرمایہ دار گھر بیٹھے سرمایہ سود پر دے کر لاکھوں روپے حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت امام رازی لکھتے ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو صرف اس وجہ سے حرام کیا ہے کہ یہ سود لوگوں کو روزی کمانے کے (جائز اور فطری) ذرائع میں مشغول ہونے سے روک دیتا ہے اس لیے جب (مثلاً) ایک درہم کے مالک کو سودی لین دین کے ذریعہ (بے محنت و مشقت) دو درہم نقد، ادھار حاصل کرنے کی قدرت میسر آ جاتی ہے تو فطری ذرائع معاش سے روزی کمانے کی اس کی نظر میں کوئی وقعت باقی نہیں رہتی پھر وہ روزی کمانے کی مشقت اٹھانے کی تجارت یا محنت طلب و دشوار صنعت و حرفت اختیار کرنے کی دردسری مول لینے اور مشقت اٹھانے کے پاس بھی نہیں پھٹکتا اور اس فرار و گریز کے نتیجہ میں مخلوق کا معاشی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اس لیے وہ معاشی اور تمدنی نظام کا زراعت و تجارت، صنعت و حرفت (جیسے محنت طلب کاموں) اور

Marfat.com

معاشی تعمیر وترقی کے (فروغ) سے ہی وابستہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲)

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب محنت کا عنصر انسانی زندگی سے خارج کر دیا جائے تو انسانی زندگی کا بہاؤ ہی رک جائے گا۔ زندگی جامد ہو کر رہ جائے گی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں جو ترقی نظر آتی ہے وہ محنت ہی کی بدولت ہے۔

طبقاتی کشمکش

سود کی وجہ سے سرمایہ دار امیر سے امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے اور سرمایہ چند ہاتھوں میں اکٹھا ہو جاتا ہے جب سرمایہ ایک دفعہ کسی کے ہاتھ میں آ جاتا ہے تو سرمایہ داری نظام میں کوئی ایسا اصول نہیں ہے۔ جس سے سرمایہ محنت کشوں کے طرف لوٹایا جا سکے۔ اس وجہ سے محنت کش غریب سے غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مزدور اپنے افلاس سے تنگ آ کر سرمایہ داروں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور قتل وغارت کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور معاشرتی امن برباد ہو جاتا ہے۔ فاشزم کیمونزم تحریکیں وغیرہ اس سرمایہ داری کا ردعمل تھیں۔ اس کشمکش کو دور کرنے کے لیے اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔

اکتناز

سرمایہ دار شرح سود کو بڑھانے کے لیے سرمایہ کا ایک بڑا حصہ روک لیتا ہے۔ جس وجہ سے ضرورت مند مجبور ہوتا ہے کہ وہ زیادہ شرح سود سے قرض لے کر اپنا کاروبار چلائے۔ بعض اوقات کاروبار میں ایسے مواقع بھی آ جاتے ہیں کہ تاجر اپنے کاروبار کو خسارے سے بچانے کے لیے شرح سود پر قرض لینے پر مجبور ہوتا ہے سرمایہ دار اس قسم کے مواقع کی تاک میں ہوتا ہے۔ جونہی کسی صنعت کار کو اس قسم کی تجارتی نازک حالت میں دیکھتے ہیں وہ سرمایہ کو روک لیتے ہیں۔ صنعت کار مجبوراً زیادہ سے زیادہ شرح سود پر قرض لینے پر مجبور ہو جاتا ہے جب صنعت کار زیادہ شرح پر قرض لے گا تو مجبوراً اشیاء کی قیمتیں زیادہ مقرر کرے گا۔ اس طرح بھاری شرح سود کا اثر غریب عوام پر پڑے گا۔ اس سے ملکی تجارت وصنعت کو نقصان پہنچتا ہے اور عوام کی معاشی حالت بھی خراب ہو جاتی ہے گویا سود اور اکتناز دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اسلام نے جہاں سود لینے سے منع کیا ہے اس کے ساتھ ہی اکتناز کرنے والے کے لیے عذاب عظیم کی خبر دی ہے۔

کاروباری چکر (Trade cycle)

سرمایہ دار تاجر کو سرمایہ دیتے وقت یہ اندازہ لگاتا ہے کہ اس کو کاروبار میں کتنا نفع ہوگا۔ اس نسبت سے سرمایہ دار سود کی شرح بڑھانے کی کوشش کرتا ہے بعض اوقات منافع کا اندازہ لگانے میں مبالغہ بھی کر جاتا ہے اور تاجر خسارے سے خائف ہو کر بھاری شرح پر قرض لینے سے رک جاتا ہے اس طرح دائن اور مدیون اس تذبذب سے سرمایہ بیکار پڑا رہتا ہے۔ آخر کار سرمایہ دار مجبوراً شرح کم کر دیتا ہے اور

Marfat.com

سرمایہ بازار میں آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہی وہ تجارتی چکر ہے جس سے سرمایہ دار اور تاجر پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ تجارتی چکر دائن، مدیون اور صارف تینوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

غلط سرمایہ لگانا

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک تاجر کسی سرمایہ دار سے بھاری شرح پر قرض لیتا ہے۔ اپنے سرمایہ کو خسارے سے بچانے کے لیے اس کاروبار میں سرمایہ لگاتا ہے جو اخلاق سوز اور شرعی اعتبار سے ناجائز ہوتا ہے۔ اس کو یہ امید ہوتی ہے کہ اس کاروبار میں اس کو زیادہ نفع ہوگا۔ سود کی اس بھاری شرح کی وجہ سے تاجر نے ملکی مفاد کو پس پشت ڈال کر محض خود غرضی کی بناء پر غلط کاروبار میں سرمایہ لگایا ہے۔ سمگلنگ، بلیک مارکیٹنگ، احتکار قسم کے ناجائز حربے غلط سرمایہ کاری کی وجہ سے فروغ پاتے ہیں۔

جنگ

اگر دنیا کی تاریخ کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ دنیا میں جنگوں کا سلسلہ سودی روپیہ کی وجہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن مجید میں جنگ [1] کے ذکر کے ساتھ ہی حرمت سود کا ذکر کیا ہے چنانچہ بعض مفسرین نے بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان اکثر اموال المشرکین کانت اجتمعت من الربا و کانوا ینفقون تلک اموال علی العساکر یعنی اکثر مال مشرکوں کے سود سے جمع ہوئے تھے اور یہی جمع شدہ مال وہ لشکروں پر صرف کرتے تھے۔ جب کسی حکومت کو سود پر کثرت سے روپیہ ملتا ہے تو وہ بغیر ضرورت اور بغیر قوم کی خواہش کے جنگ کا صور پھونک دیتی ہے اور تمام قوم جنگ کی آگ کے لپیٹ میں آ جاتی ہے اگر سود کو ختم کر دیا جائے تو کوئی حکومت بھی اس وقت تک جنگ نہیں کرے گی جب تک اس کا وجود معرض خطر میں نہ ہو۔ اس وقت تمام قوم اپنا مال اور اپنی طاقت جنگ میں لگائے گی۔ اگر قوم اپنا مال اور طاقت لگانے کے لیے تیار نہ ہوگی نہ حکومت کو یہ جرأت پیدا ہوگی وہ قوم کی خواہش کے بغیر جنگ چھیڑ دے۔ یہ حرمت سود جنگوں کے انسداد اور قیام امن کا ایک ذریعہ ہے۔

اللہ سے انحراف

سود خور اپنے تئیں رب سمجھتا ہے اور خدا کے حق ملکیت کی نفی کرتا ہے یہ خیال سود خور کو اللہ اور معاشرے کا باغی بنا دیتا ہے۔ نہ وہ حقوق اللہ کی پروا کرتا ہے اور نہ حقوق العباد کی۔ اس کو صرف ایک ہی فکر دامنگیر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ کس طرح وہ اپنا خزانہ لوگوں کے خون چوس کر بھرے اس کا معبود صرف دولت ہوتی ہے اس کے حصول کے لیے دن رات حرص و لالچ کی تیرہ و تار وادی میں بھٹکتا پھرتا ہے یہ وہ افراد ہیں جن کا دائرہ سود انفرادی قومی اور بین الاقوامی سطح پر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ وہ افراد کو بھی قرضے دیتے ہیں۔ حکومتوں کو بھی

---

[1] سورہ آل عمران میں غزوہ احد اور غزوہ احزاب کے ذکر کے بعد حرمت سود کا ذکر ہے۔

Marfat.com

قرضے دیتے ہیں اور اپنے ملک سے باہر بھی قرضے دیتے ہیں۔ انفرادی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی تک سود خور چھائے ہوئے ہوتے ہیں اس سے ایک ایسا نظام جنم لیتا ہے جو انسانیت کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

بین الاقوامی مصائب و آلام

ایک زمانہ تھا جب قرضے سود پر صرف انفرادی اور ملکی سطح پر دیے جاتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا ایک عالمگیر برادری کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ دور حاضر میں دنیا کی تمام اقوام ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئی ہیں۔ رسل و رسائل نے ہر قوم کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے اور ہر ملک کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے دوسرے ملک کی مدد ضرور ہوتی ہے ترقی پذیر ممالک اپنے تعمیری منصوبوں کی تکمیل کے لیے بیرونی حکومتوں یا بین الاقوامی بازار زر کے ساہوکاروں سے سود پر قرض لیتے ہیں۔ تاکہ ان کے وسائل جلد ترقی کر جائیں اور ملک ترقی کی شاہراہ پر چل پڑے ان بیرونی قرضوں سے ترقی پذیر ملک کی معاشی حالت تباہ و برباد ہو جاتی ہے ہر سال قرض خواہ ملک کو سود کی ایک بھاری رقم ادا کرنے کے لیے عوام پر بھاری ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں اس کے دو نتیجے نکلتے ہیں ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ترقی پذیر ملک کے عوام میں بے چینی کی لہر دوڑ جاتی ہے عوام حکومت اور سرمایہ داروں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک خونی انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے قرض دار اور قرض خواہ ممالک کے مابین عداوت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے اور نوبت لڑائی تک پہنچ جاتی ہے۔

غلامی کا ذریعہ

قرض کی وجہ سے ترقی پذیر ممالک اپنی آزادی کو کھو بیٹھتے ہیں۔ ترقی یافتہ ملک ترقی پذیر ممالک کو اپنے قرضوں کے جال میں پھنسانے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بڑی طاقتوں کے درمیان حسد اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ بڑی طاقتیں کمزور ملک میں اپنا سرمایہ لگانے کے لیے سازشوں کا ایک جال بچھا دیتی ہیں اور کمزور ملک ان سازشوں کے جال سے رہائی حاصل نہیں کر پاتے۔ اب ترقی پذیر ملک ترقی کرنے کی بجائے تنزل کی طرف جا رہے ہیں اور اقتصادی اور سیاسی آزادی کھو بیٹھتے ہیں۔ اب تو بعض ترقی پذیر ملکوں کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ ان کے ہوائی اڈے قرض خواہ ملک کے قبضے میں ہیں اور اپنے ''رب'' طاقت ور ملک کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھا نہیں سکتے۔ فون پر حکم ہوتا ہے حکمران فوراً ''ہاں'' کر کے اس حکم پر عمل کرتے ہیں۔ گویا سود نے ان ممالک کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔

شرعاً ناجائز بیوع

سرمایہ دارانہ نظام میں صاحب سرمایہ کسب اور تصرف میں بے محابا آزاد ہے۔ جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا امریکانہ میں سرمایہ داری کی تعریف میں مقالہ نگار لکھتا ہے۔

''سرمایہ دارانہ معیشت معاشی نظام کی ایک ایسی قسم ہے جس میں سرمایہ نجی ملکیت ہوتا ہے اور سرمایہ کار اپنے معاشی کاروبار کی بدولت حصول نفع کے لیے اسے جس طرح چاہیں استعمال میں لانے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔(Encyclopedia Americana vol 5 P.599)

اسی طرح ملک کے تصرف اور انتقال کے بارے میں ایک مشہور مغربی محقق اور ماہر قانون جان اسٹن رقمطراز ہے۔

اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے یہ کسی متعین شے پر ایک حق کی نشان دہی کرتا ہے جو استعمال کے اعتبار سے غیر محدود تصرف اور انتقال کے اعتبار سے بے قید ہے۔

(Lectures on Jurispsrudence vol 11 P.790.)

مذکورہ تعریفات کی رو سے صاحب سرمایہ حصول نفع کے لیے جس طرح چاہے اپنا سرمایہ لگائے اسی طرح اپنی ملک میں تصرف اور انتقال کے لیے کلی طور آزاد ہے چاہے اپنا مال فروخت کرنے کے لیے منڈی میں لائے، چاہے اپنے پاس رکھے، چاہے ضائع کردے۔

اسلام کسی مالک کو حصول نفع اور تصریف کی اجازت نہیں دیتا جو متعاقدین اور مصالح عامہ کے لیے ضرررساں ہو۔ اسلام نے جہاں تجارت کی ترغیب دی ہے وہاں ایسی بیوع کو ناجائز قرار دیا ہے جو بائع اور مشتری دونوں کے لیے نقصان دہ ہیں۔

ا۔ دھوکہ کی بیع

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر رسول اللہ ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا۔

فرمایا لَيسَ منا من غش فى البيع والشراء جس نے خرید وفروخت میں دھوکہ بازی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ان رسول الله ﷺ مر علی صبرة من طعام فادخل يده فيها فنالت اصابعه بللاً فقال

Marfat.com

ماھذا باصاحب الطعام؟ قال اصابته السماء یارسول اللہ قال افلا جعلته فوق الطعام کی یراہ الناس؟ من غش فلیس منی (مسلم) رسول کریم ﷺ کا بازار میں غلہ کے ڈھیر پر گزر ہوا آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا۔ آپ کی انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے غلہ فروش! یہ نمی کیسی ہے؟'' اس نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ یہ نمی بارش کی وجہ سے پہنچی ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو نے اس کو غلہ کے اوپر کیوں نہ کر دی تاکہ لوگ اس کو دیکھ سکیں جو دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

طبرانی نے معجم کبیر اور معجم صغیر میں یہی واقعہ حضرت ابن سعودؓ سے روایت کیا ہے اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے والمکر والخداع فی النار یعنی اس طرح کا مکر وفریب کا انجام جہنم ہے۔ واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من باع عیبا ولم ینبه لم یزل فی مقت اللہ او لم تزل الملئکة تلعنه (ابن ماجہ) میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کوئی عیب دار چیز کسی کے ہاتھ فروخت کی اور خریدار کو وہ عیب بتلانہیں دیا جو اس پر ہمیشہ خدا کا غضب رہے گا یا آپ نے فرمایا کہ اللہ کے فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔

۲۔ ناجائز شرط

بیع وشراء میں ایسی شرط عائد کر دی گئی ہو جو معاملہ کا جزء نہیں اور متعاقدین میں سے کسی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع شرط (معجم الاوسط للطبرانی) رسول اللہ ﷺ نے بیع کے ساتھ ایسی شرط لگانے سے منع فرمایا جو اس کا جزء نہیں ہے۔

۳۔ بیع پر بیع منع ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ ولا یبیع الرجل علی بیع اخیه ولا یسوم علی سوم اخیه (بخاری کتاب البیع اخیہ) کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔ نہ اپنے بھائی کی قیمت کرنے پر قیمت کرے۔

یہ ایک لمبی حدیث ہے اس کا ایک ٹکڑا جو بیع سے متعلق ہے لکھ دیا ہے۔ بیع وشراء میں معاملہ یوں ہے کہ بائع ایک چیز بیع کرنے پر راضی ہو گیا مشتری خریدنے پر رضامند ہو گیا قیمت طے ہو گئی صرف ابھی باہمی تبادلہ باقی ہے۔ تو اس وقت کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ بیچنے والے کے ساتھ زیادہ قیمت لگا کر پہلے خریدار کے معاملہ کو خراب کر دے۔ ہاں فریقین میں قیمت طے نہیں ہوئی اور ایک فریق اٹھ کر چلا گیا ہو تو پھر تیسرا آدمی خرید کی پیشکش کر سکتا ہے۔

۴۔ تناجش کی ممانعت

اسلامی ضابطہ تجارت میں تناجش بھی منع ہے۔ تناجش یہ ہے کہ ایک آدمی کوئی چیز خریدنے کا

Marfat.com

ارادہ نہیں رکھتا۔ محض مشتری کو دھوکہ دینے کے لیے اس چیز کی قیمت بڑھا کر بیان کر دیتا ہے عموماً منڈیوں میں ہوتا ہے کہ محض بائع کو فائدہ پہنچانے کے لیے اس چیز کی قیمت زیادہ لگا دیتا ہے تا کہ خریدار اس لگائی ہوئی قیمت سے زیادہ قیمت دے۔ حدیث میں آتا ہے۔ ان رسول اللہ ﷺ نھی عن النجش رسول اللہ ﷺ نے قیمت چڑھانے سے منع فرمایا۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ولا تناجشوا (بخاری کتاب البیوع ۳۴:۵۸) دھوکا دینے کے لیے قیمت نہ بڑھاؤ۔

فرمایا الناجش اکل الربا خائن (بخاری کتاب البیوع) ناجش سود خور خیانت کرنے والا ہے۔

بیع حبل الحبلہ سے ممانعت

حدیث میں آتا ہے۔ عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ نھی عن بیع حبل الحبلہ و کان بیعا یتبایعہ اھل الجاھلیة کان الرجل یبتاع الجز ورالی ان تنتج الناقة ثم تنتج التی فی بطنھا (بخاری کتاب البیوع) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حمل کے حمل کی بیع سے منع فرمایا اور (حضرت عبداللہ بن عمر اس کی تفسیر کرتے ہیں) اور یہ ایک بیع تھی۔ جسے اہل جاہلیت کرتے تھے۔ ایک شخص اونٹ کو خرید لیتا (قیمت اس وقت دے گا) جبکہ اونٹنی جنے پھر وہ جنے جو اس کے پیٹ میں ہے۔

ایک تو حبل الحبلہ کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کر دی ہے کہ ادائے قیمت کی میعاد یہ ہوگی کہ یہ خریدی ہوئی اونٹنی جنے پھر اس کی بچی بڑی ہو کر جنے گی تو اس خریدی ہوئی اونٹنی کی قیمت ادا کی جائے گی۔ ممکن ہے یہ واقعہ ہی نہ ہو اور بچی سے بچی پیدا ہونے کی نوبت ہی نہ آئے۔ گویا قیمت ادا ہی نہ ہوگی۔

ایک تفسیر یہ ہے اونٹنی کے پیٹ میں جو حمل ہے اس کا بچہ پیدا ہو۔ تو وہ دیا جائے گا۔

یہ معدوم کی بیع ہے جس کا موجود ہونا مشکوک ہے اور پہلی تفسیر میں موجود کی بیع کی ہے لیکن ادائے قیمت کی میعاد یقینی نہیں دونوں بیوع منع ہیں کیونکہ دونوں میں دھوکا ہے۔

ملامسہ

عن ابی ھریرہ ان رسول اللہ ﷺ نھی عن بیع الملامسہ والمنابذة (بخاری کتاب البیوع، مسلم، موطا امام مالک) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے منع فرمایا۔

بیع ملامسہ یہ ہے کہ خریدار بغیر دیکھنے کے کپڑے کو ہاتھ لگائے تو وہ بیع مکمل سمجھی جائے۔

Marfat.com

بیع منابذہ

مذکورہ حدیث میں بیع منابذہ سے بھی منع کیا گیا ہے بیع منابذہ یہ ہے ایک شخص اپنا کپڑا خریدار کی طرف پھینک دے اور وہ بیع مکمل سمجھی جائے۔ پیشتر اس کے کہ اس کا خریدار الٹا پلٹا کر اچھی طرح دیکھے۔

دونوں صورتوں میں خریدار اندھیرے میں ہوتا ہے کہ جو مال وہ خرید رہا ہے آیا عیب دار ہے صحیح ہے دوم خریدار کو بیع کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ حالانکہ اسلام میں متعاقدین کو جب تک مجلس خرید میں بیٹھے ہوئے ہیں بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ دونوں بیوع دھوکے پر مبنی ہیں۔ لہٰذا اسلام دونوں کو ناجائز قرار دیتا ہے۔

بیع الحصاۃ

نهى رسول اللهﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر رسول کریم ﷺ نے کنکری اور دھوکے کی خرید وفروخت سے منع فرمایا۔ اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ بائع مشتری کو یوں کہے کہ میں تیرے ہاتھ وہ کپڑے بیچوں گا جن پر کنکری پڑے جس کو میں پھینکتا ہوں۔ یا یہاں سے لے کر جہاں تک یہ کنکری جائے وہ اسباب میں نے تیرے ہاتھ بیچ دیا۔ اس میں دھوکا ہے خریدار نے کوئی دیکھ بھال نہیں کی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جب تک میں کنکری پھینکوں تجھے اختیار ہے اس کے بعد مجھے کوئی اختیار نہیں۔

تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ خود کنکری پھینکنا بیع قرار پائے جب میں اس کپڑے پر کنکری ماروں تو اتنے میں بک جائے گا۔

بیع محفلۃ ومصراۃ

یہ بیع دودھ دینے والے جانوروں کے تھنوں میں فروخت کے وقت دودھ روک رکھنا ہے تاکہ دودھ زیادہ معلوم ہو اور خریدار سے زیادہ رقم وصول کرے۔ حدیث میں آتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا **لا تصروا الابل والغنم** (بخاری کتاب البیوع) اونٹنیوں اور بکریوں کا دودھ بند نہ رکھا کرو۔

جو خریدار ایسا جانور خرید لیتا ہے تو اسلام نے اس کو دو اختیار دیے ہیں۔ **ان شاء امسک و ان شاء ردھا وصاع تمرٍ** (بخاری کتاب البیوع، ترمذی) تو چاہے اسے رکھ لے اور اگر چاہے تو اس کو کھجور کے ایک صاع کے ساتھ بائع کو واپس کر دے۔

جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کی جائے

عہد جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا دور حاضر میں بھی ہے کہ چیز پاس نہیں ہوتی تاجر خریدار سے سودا کر

Marfat.com

لیتا ہے کہ کہیں سے مطلوبہ چیز خرید کر اس کو دے دوں گا۔ رسول کریم ﷺ نے اس قسم کی بیع سے منع فرمایا ہے کیونکہ امکان ہے کہ وہ چیز فراہم نہ ہو سکے یا فراہم ہو جائے بھی تو خریدار کو پسند نہ ہو تو فریقین میں نزاع ہو سکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ عن حکیم بن حزام قال نھانی رسول اللہ ﷺ ان ابیع مالیس عندی (بخاری کتاب البیوع ومسلم) حکیم حزام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس موجود نہیں میں اس کو فروخت کرو۔

حکیم بن حزام ایک دولت مند تاجر تھے۔ سنن نسائی اور سنن ابی داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ بعض اوقات ایک خریدار میرے پاس آتا ہے ایسی چیز طلب کرلیتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوئی تو میں اس سے معاملہ کر لیتا ہوں اور منڈی سے وہ چیز خرید کر اس کو دے دیتا ہوں تو آپ نے فرمایا جو چیز تمھارے پاس نہیں اس کی بیع نہ کرو۔

خریدی ہوئی چیز اٹھانے سے پہلے اس کو فروخت نہ کیا جائے

آپ ﷺ نے فرمایامن ابتاع طعامًا فلا یبعہ حتی یستوفیہ (ابوداؤد) جو شخص غلہ خریدے تو جب تک اس کو اپنے قبضے میں نہ لے اس وقت تک کسی دوسرے کو ہاتھ فروخت نہ کرے۔

اس حدیث میں طعام کا ذکر ہے لیکن تمام اموال منقولہ کی خرید وفروخت اس میں شامل ہے۔

مضطر (ضرورت مند) کی بیع

اضطرار دو طرح کا ہے کہ کوئی شخص فقر و فاقہ یا کسی حادثہ کی وجہ سے اپنی کوئی چیز بیچنے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے وہ بھی مضطر ہے اسی طرح کوئی شخص بڑی مجبوری کی وجہ سے اپنی ضرورت پورا کرنے کے لیے کوئی چیز خرید کرنا چاہتا ہے یہ دونوں اضطراری کی حالتیں ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے دونوں حالتوں میں اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ عن علی قال نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع المضطر (ابوداؤد) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مضطر کی خرید وفروخت سے منع فرمایا۔

اس حدیث سے اسلامی معاشیات کی روح کا علم ہو جاتا ہے کہ کسب کے ساتھ اخلاقیات کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ مجبور کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے روکا ہے۔ اسی پہلو کی وجہ سے اسلام کے اقتصادی نظام کو دوسرے اقتصادی نظاموں سے بہتری ہے۔

پھلوں کی بیع پختگی سے پہلے ناجائز ہے

پھلوں کی پختگی سے قبل متعاقدین کو نقصان کے اندیشے سے رسول کریم ﷺ نے ناجائز قرار دی ہے۔ حدیث میں آتا ہے نھی عن بیع الثمر حتی یبدو صلاحہ. (بخاری کتاب البیوع) میوہ بیچنے

Marfat.com

سے منع فرمایا یہاں تک کہ اس کی پختگی ظاہر ہو جائے۔

وفی روایة لمسلم نهی عن بیع النخل حتی تزهو وعن السنبل حتی تبیض ویامن العاهة رسول کریم ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ ان میں پختگی آ جائے۔ کھیت کے بالوں کی بیع سے جب تک ان پر سفیدی نہ آ جائے اور تباہی کا خطرہ نہ رہے۔

عن انس نهی رسول اللہ ﷺ عن بیع الثمار حتی تزهی قیل وما تزهی؟ قال حتی یحمر وقال ارایت اذا منع اللہ الثمرة بمایاخذ احدکم مال اخیه. (صحیح بخاری کتاب البیوع و مسلم) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ ان پر رونق آ جائے۔ عرض کیا گیا رونق (تزھی) کیا ہے فرمایا یہاں تک کہ سرخ ہو جائے۔ فرمایا کہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھل عطا نہ فرمائے (پھل تباہ ہو جائے) تو بیچنے والا کسی چیز کے عوض میں (خریدنے والے) اپنے بھائی سے مال وصول کرے گا۔

جیسا کہ آج کل ہوتا ہے کہ باغات پھل کی پختگی سے قبل ہی بیچ دیے جاتے ہیں۔ عرب میں بھی ایسا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے ممانعت فرما دی کیونکہ اس میں آسمانی آفت سے پھل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو مشتری کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور بائع اور مشتری کے مابین ایک نزاع پیدا ہو سکتا۔ اس لیے رسول کریم ﷺ نے ایسی خرید و فروخت سے منع فرمادیا جو معاشرہ میں خرابی کا باعث بن جائے۔

علماء نے لکھا ہے اگر آسمانی آفت کی وجہ سے باغ کے پھل کو بہت نقصان پہنچا ہے اور مشتری اس آفت کی وجہ سے نقصان میں جا رہا ہے تو بائع قیمت میں تخفیف کر دے یا بالکل قیمت ختم کر دے۔

باغ کو چند سالوں کے لیے ٹھیکے پر دینے سے ممانعت

رسول کریم ﷺ نے صرف پھلوں میں پختگی آنے سے پہلے بیچنے سے ہی منع نہیں فرمایا بلکہ چند سالوں کے لیے باغ یا کھیت کو ٹھیکے پر دینے سے بھی منع فرمایا کیونکہ ٹھیکے پر دینے سے بھی احتمال ہے کہ کسی سال پھل وغیرہ کو کسی ناگہانی آسمانی آفت کی وجہ سے نقصان پہنچ جائے اور مشتری خسارے میں چلا جائے۔ حدیث میں آتا ہے **نهی رسول اللہ ﷺ عن بیع السنین وامر بوضع الجوائح** رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ (باغ) کو چند سالوں کے لیے فروخت کیا جائے آپ نے حکم دیا ناگہانی آفات کے نقصان کو وضع کر دیا جائے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے۔ **قال رسول اللہ ﷺ لو بعت من اخیک ثمراً فاصابته جائحة فلا یحل لک أن تاخذ منه شیئاً بم تاخذ مال اخیک بغیر حق** رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا اگر تو اپنے بھائی کے ہاتھ پھل بیچے پھر اس پر کوئی (آسمانی) آفت آ جائے۔ (جس سے پھل تلف ہو جائے) تو اب تیرے لیے اس سے لینا جائز نہیں تو کس چیز کے بدلے اپنے بھائی کا مال لے گا کیا ناحق لے گا۔

مفلس خریدار کو چھوٹ

حدیث میں آتا ہے **اصیب رجل فی عهد رسول اللهﷺ فی ثمار ابتا عها فکثره دینه فقال رسول اللهﷺ تصدقوا علیه فتصدق الناس علیه فلم یبلغ ذالک وفاء دینه فقال رسول اللهﷺ لغرماه خذوا وجدتم ولیس لکم الا ذالک** ایک شخص نے رسول کریمﷺ کے عہد میں پھل خریدا اس پر (پھل کو نقصان پہنچنے کی وجہ سے) قرض بہت ہو گیا آپﷺ نے فرمایا اس کو صدقہ دو لوگوں نے اسے صدقہ دیا تب بھی اس کا قرضہ پورا نہ ہوا تو آپﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا اب جو کچھ مل گیا ہے لے لو۔ اب (مزید) کچھ نہیں ملے گا۔

شہری کا دیہاتی سے سامان منڈی آنے سے پہلے خرید کی ممانعت

شہر کے لوگ نسبتاً دیہاتوں سے زیادہ چالاک اور بازار کی قیمتوں سے واقف ہوتے ہیں اور دیہاتیوں کو دھوکا دے سکتے ہیں تو آپ نے اس تجارت سے منع فرما دیا۔ حدیث میں آتا ہے۔ **نهی رسول اللهﷺ ان یبیع حاضرٌ لباد ولا تناجشوا ولا یبیع الرجل علی بیع اخیه** (بخاری کتاب البیوع) رسول کریمﷺ نے منع فرمایا کہ شہری دیہاتی کا مال بیچے اور دھوکہ دینے کے لیے قیمت نہ بڑھاؤ اور کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔

بیع حاضر للبادی کا ایک مطلب یہ بھی ہے کسی تاجر کا مال شہر میں موجود ہے۔ مگر وہ بے جا نفع اٹھانے کے لیے شہر والوں کی ضرورت کے باوجود ان کے پاس نہیں بیچتا۔ بلکہ زیادہ نفع کے حصول کے لیے دیہاتیوں میں مال فروخت کرتا ہے ایک اور مفہوم یہ بھی پایا جاتا ہے کہ شہری، دیہاتی کے مال کی دلالی نہ کرے۔

تجارتی قافلہ سے منڈی میں آنے سے پہلے ہی سامان تجارت خریدنے کی ممانعت

دور جاہلیت اور عہد رسول کریمﷺ میں تاجر تجارتی قافلہ سے شہر میں پہنچنے سے پہلے ہی سامان تجارت خرید لیتے تھے۔ تلقی الرکبان کی دو وجوہ تھیں۔ ایک احتکار دوم تجارتی قافلہ کی منڈی کے بھاؤ کی عدم واقفیت کی وجہ سے سامان تجارت کو سستے داموں خریدنا دونوں باتیں اسلام کی تجارتی پاکیزہ روح کے منافی ہے اس لیے آپ نے منع فرمایا۔

Marfat.com

نهی رسول اللهﷺ تلقی الرکیان (بخاری کتاب البیوع) رسول کریم ﷺ نے شہر سے نکل کر باہر قافلے کے سواروں سے ملنے کی ممانعت فرمائی۔

حرام چیزوں کی خرید وفروخت کی ممانعت

عن جابر بن عبدالله انه سمع رسول اللهﷺ یقول عام الفتح وهو بمکة ان الله ورسوله حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والاصنام (بخاری کتاب البیوع) جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فتح مکہ کے دن رسول کریم ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا یقیناً اللہ اور اس کے رسول نے شراب مردار، سور اور بتوں کا بیچنا حرام کر دیا ہے۔

ایک اور حدیث ہے۔ ان رسول اللهﷺ نهی عن ثمن الکلب ومهر البغی وحلوان الکاهن (......) رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت بدکاری کی اجرت اور کاہنوں کی اجرت سے منع فرمایا۔

Marfat.com

باب ۵

انفرادی ملکیت کی حد بندی

(جاگیرداری۔ مزارعت۔ مساقات۔ بڑی صنعتیں۔ تسعیر)

Marfat.com

انفرادی ملکیت کی حد بندی

زمین اور انفرادی حد ملکیت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام انفرادی ملکیت کو جائز قرار دیتا ہے لیکن شرائط اور قیود کے ساتھ یہی شرائط اور قیود معاشی نظام میں اعتدال اور توازن قائم رکھتی ہیں۔ ان قیود اور شرائط کے فقدان کے ساتھ ہی معاشی نظام میں راہ فساد کھلتی ہے کہ اسلام نے زمین کی انفرادی ملکیت کو کس حد تک تسلیم کیا ہے۔

اسلام ایک فطری اور ابدی دین ہے جو زمان اور مکان کی قیود سے بالاتر ہے۔ اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اصولی تعلیم موجود ہے۔ زمانہ کے حالات اور تقاضے کے مطابق زندگی کے مسائل کو اصولی تعلیم کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے انفرادی ملکیت کی کوئی حد مقرر نہیں کی اور یہی حکیم و خبیر اللہ کی طرف سے نازل ہونے کی دلیل ہے۔ اگر یہ کتاب کسی انسان کے ذہن کی پیداوار ہوتی تو زمانہ کے حالات اور تقاضے کے مطابق کسی زرعی نظام کے بیان کی مرتکب ہو جاتی ہے اور ابدی رہنمائی کی کتاب نہ رہتی اور حالات کے بعد اس کی تعلیم بیکار ہو جاتی۔

اسلام نے زمین کا ایک خاص مقصد بیان کیا ہے۔ اس مقصد کے تحت انفرادی ملکیت کی زمانہ اور حالات کے پیش نظر حد بندی کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سورۃ رحمٰن میں زمین کا مقصد ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّ النَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ وَ الْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ. (الرحمٰن ۵۵:۱۰.....۱۳) اور زمین کو مخلوق کے لیے رکھا ہے اور اس میں پھل ہے اور گابھوں والی کھجوریں اور بھس والا دانہ اور خوشبودار پھول تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ان آیات کریمہ میں زمین کا مقصد وحید یہ بیان کیا ہے کہ وہ مخلوق کے لیے اناج پھل پھول وغیرہ پیدا کرے۔ اس اصول کی روشنی میں زمانہ کے تقاضا کے مطابق زرعی نظام قائم کیا جائے گا۔

Marfat.com

جاگیرداری اور اسلام

بعض علماء نے جاگیرداری نظام کو جائز قرار دیا ہے اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فتح عراق کے بعد کسریٰ اور اس کے خاندان اور ان لوگوں کی زمینیں جو جنگ میں مارے گئے تھے ان مجاہدین کو دے دیں جو خدمات اسلامی میں ممتاز تھے۔

اگر یہ علماء قطعیہ کی تعریف اور عہد رسول اور خلافت کے اقطاع کی صحیح شکل سے واقف ہوتے تو وہ کبھی بھی موجودہ جاگیرداری کے نظام کو جائز قرار نہ دیتے۔

تعریف

"مفاد عامہ کی خاطر غیر آباد زمین کو آبادکاری کے لیے کسی کو دینا اور موقع ضرورت اور مصلحت کے مطابق اس سے سرکاری ٹیکس وصول کرنا۔"

علامہ انور کاشمیری فیض الباری میں قطعیہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

الاقطاع اعطاء الارض للاحیاء سواءٌ وجب علیہ فیہ العشر او الخراج (ج ۳ ص ۳۰۸) اقطاع کسی کو آبادکاری کے لیے زمین دینا خواہ اس میں عشر واجب ہو یا خراج۔

علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری فرماتے ہیں۔

قطائع قطعیہ کی جمع ہے۔ خلیفہ کے قطائع دینے کی یہ صورت ہے۔ جس شخص میں وہ صلاحیت دیکھے اللہ کے اموال میں سے کچھ حصہ خلافت کی جانب سے اس کو عطا کر دے اکثر اس لفظ کا استعمال اراضی کے بارے میں آتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ یا تو زمین کی ذات اور منفعت دونوں کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔

۲۔ یا صرف زمین کی منفعت کا مالک بنا دیا جاتا تھا۔ ذات کا نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۳۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

وللسلطان اقطاعہ علی الملک و کذا علی عدمہ. (مسوی ص ۴۰۵)

خلیفہ کو قطائع دینا جائز ہے چاہے وہ زمین کا مالک بنا دے اور چاہے مالک نہ بنائے۔ صرف نفع اٹھانے کے لیے دے۔

احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ تین قسم کی اراضی حکومت کی جانب سے لوگوں کو بطور قطعیہ دی جاتی تھیں۔

۱۔ بنجر زمینیں جو ویرانی اور سختی کی وجہ سے غیر مزروعہ چلی آتی تھیں۔ ایسی زمینوں کو آباد کرنے کے لیے خلافت نے لوگوں میں تقسیم کر دیا چنانچہ نقیع میں جو زمین حضرت زبیر کو دی گئی تھی وہ غیر

Marfat.com

مزروعہ اور غیر آباد تھی۔ (الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۸۳)

۲۔ افتادہ زمین: جو قابل کاشت ہوتی تھیں۔ لیکن کسی وجہ سے آباد نہ ہوتی تھیں۔ حضرت بلال بن حارث کو رسول کریم ﷺ نے وادی عقیق اسی زمین سے دی تھی۔ (الاموال لابی عبید ص ۳۸۲)

۳۔ خالصہ زمین: اس میں مفتوحہ علاقوں کی وہ تمام اراضیات شامل ہوتی تھیں جو خلافت کے لیے خالصہ قرار دی جاتی تھیں۔ ایسی اراضیات کی کئی اقسام تھیں۔

(الف) جن اراضی کے مالک جنگ میں مارے جاتے تھے۔

(ب) یا بھاگ جاتے تھے۔

(ج) شاہی جاگیریں جو صرف بادشاہ کے صرف خاص کے لیے خالصہ ہوتی تھیں۔

(د) شاہی خاندان اور افسران کی زمینیں۔

(ہ) ترائی جھیلیں جھاڑیاں وغیرہ۔

یہ اور اس قسم کی تمام وہ اراضیات جن پر چند افراد قابض ہوتے تھے اور عیش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اسلامی فتح کے بعد ان کا کوئی مالک اور آباد کرنے والا نہ رہ جاتا تھا۔ ایسی تمام اراضیات خلافت کے لیے خالصہ ہو کر مفاد عامہ کے لیے وقف ہو جاتی تھیں۔ (الاموال ص ۲۸۲ و الخراج ص ۵۷، ۵۸)

قاضی امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

وذالک بمنزلة المال الذی لم یکن لاحد ولا فی یداحد. (الخراج ص ۵۸)

ایسی زمین اس مال جیسی ہوتی جو نہ کسی کا ہو اور نہ کسی کے قبضہ میں ہو۔

اس تمام بحث سے یہ بات نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے کہ عہد رسالت اور خلافت میں انہی زمینوں میں سے قطائع لوگوں کو دی جائیں جو غیر آباد ہوتیں۔ کسی کے قبضہ نہ ہوتیں اور ان کے آباد کرنے سے ملک کی معاشی حالت بہتر ہوتی اور ایسی زمین نہ ہوتی تھی۔ جس سے مفاد عامہ وابستہ ہوتا مثلاً چراگاہ جنگل وغیرہ۔ نہ ایسی زمین ہوتی جس کے عطا کرنے سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا۔

قطائع کن لوگوں کو دیے جاتے تھے۔

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں حسب ذیل لوگوں کو قطائع دیے۔

۱۔ جو زمین کو آباد کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

۲۔ جو مفاد عامہ کی خدمت پر مامور ہوتے تھے۔

۳۔ جن کے سپرد ملک اور قوم کا دفاع ہوتا تھا۔

۴۔ نومسلموں کو تالیف قلوب کے لیے قطائع دیے جاتے تھے۔

علامہ مقریزی فرماتے ہیں۔

قداقطع رسول اللہ وتالف علی الاسلام اقواما واقطع الخلفاء من راؤ اَنّ فی

Marfat.com

اقطاعه صلاحا (الخطط للمقریزی ج ۲ ص ۱۵۳)

رسول کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء انہی لوگوں کو قطائع دیتے تھے جن کے دینے میں ملک کی بھلائی ہوتی تھی اور تالیف قلوب مقصود ہوتی تھی۔

اقطاع دینے کے اغراض و مقاصد

۱۔ رسول کریم ﷺ اور زمانہ خلافت میں ویران اور افتادہ زمینیں کثرت سے تھیں ان کو آباد کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ لوگوں میں تقسیم کی جائیں۔

۲۔ رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت تک فوجیوں اور دوسرے عمال کی تنخواہیں مقرر نہ تھیں ان کی گزران کے لیے ضروری تھا کہ ان کو قطاع دیے جاتے۔

۳۔ ملک کی معیشت کی بہتری زرعی پیداواری کے بڑھنے میں مضمر ہے۔ اس وجہ سے اسلامی حکومت نے پیداوار کو بڑھانے کے لیے مختلف افراد میں قطائع تقسیم کر دیے۔

حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

میرے خیال میں غیر مملوکہ اور غیر آباد زمینوں کو بے کار چھوڑ رکھنے کی بجائے امام کو چاہیے کہ انھیں بطور جاگیر مختلف افراد کو دے دے اس طرح ہمارے علاقے زیادہ آباد اور خوشحال ہو جائیں گے اور خراج میں بھی اضافہ ہوگا۔ (اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج ص ۲۴۵ امام ابو یوسف)

قطائع پر خلافت کے اختیارات

قطائع پر خلافت کے اختیارات باقی رہتے تھے، جس غرض کے لیے کسی کو قطیعہ دیا جاتا تھا۔ اگر وہ غرض پوری نہ ہوتی تو خلافت اس شخص سے جاگیر واپس لے لیتی تھی۔ اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔ لنا رقاب الارض یعنی زمین ہماری (خلافت) کی ہے۔ (الاموال ص ۲۷۹)

حضرت علیؓ نے ایک شخص سے اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا۔ انّ ارضک فھی لنا. بے شک تری زمین ہماری (خلافت کی) ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۲)

ابوبکر جصاص فرماتے ہیں۔

ہر وہ زمین جس کی آبادکاری سے لوگ درماندہ اور عاجز رہیں اور حقوق عامہ جو زمین سے متعلق ہیں پامال ہونے لگیں تو اس کے انتظام و انصرام کے بارے میں خلافت کو پورا اختیار حاصل ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۵۳۲)

حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

ولا یخرج من یدہ من ذالک شیئا الا بحق یجب لہ علیہ فیاخذہ بذلک الذی وجب علیہ. (الخراج ص ۶۰)

Marfat.com

خلافت بلاوجہ لوگوں سے قطائع واپس نہ لے۔ البتہ اگر حقوق کی ادائیگی نہ ہو رہی ہو تو قطائع لے لینے کا پورا اختیار حاصل ہے۔

رسول کریم ﷺ نے حضرت بلال بن حارث مزنی کو جاگیر کا ایک بڑا ٹکڑا عطا فرمایا۔ یہ جاگیر اتنی بڑی تھی کہ حضرت بلالؓ اس کے بیشتر حصے کو آباد نہ کر سکے۔ جب حضرت عمرؓ کا عہد آیا تو حضرت بلالؓ کو بلوایا اور کہا کہ رسول کریم ﷺ نے تم کو قطعیہ دیا تھا۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ مگر اتنی بڑی جاگیر کو تم آباد کرنے سے معذور ہو۔ لہٰذا بقدر ضرورت رکھ لو اور باقی خلافت کو واپس کر دو تاکہ ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کروں تو حضرت بلال بن حارث نے جواب دیا۔

لا افعل واللہ شیئا اقطعنیہ رسول اللہ ﷺ فقال عمر واللہ لتفعلن فاخذمنہا ماعجز عن عمارتہ قسمہ بین المسلمین. (کتاب الاموال لابی عبیدہ ص ۲۹۰)

خدا کی قسم میں اس جاگیر میں سے کوئی حصہ بھی واپس نہیں کروں گا جو رسول کریم ﷺ نے عطا فرمائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا خدا کی قسم تم کو کرنا ہی پڑے گا اور جس قدر وہ اراضی آباد نہ کر سکے تھے اس کو حضرت عمرؓ نے ان سے واپس لے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

قوم بجیلہ کی زمینیں حضرت عمرؓ نے واپس لے لیں

خالصہ کی زمین کا ایک حصہ حضرت عمرؓ نے قوم بجیلہ کو دے دیا۔ دو تین سال تک اس سے فائدہ اٹھاتے رہے لیکن جب خلافت نے مفاد عامہ کے پیش نظر زمینوں کو واپس لینا چاہا تو بغیر کسی تذبذب اور پس و پیش قوم بجیلہ نے خلافت کے حوالے کر دیں۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔

قیس بن حازم کہتے ہیں۔ جنگ قادسیہ کے دن اسلامی فوج میں قوم بجیلہ کے لوگ چوتھائی تھے حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو سواد کا چوتھائی حصہ دے دیا۔ دو یا تین سال تک وہ اس زمین پر قابض رہے۔ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے اسی قبیلہ کے چند افراد عمار بن یاسر اور جریر وغیرہ حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ لوگ اس زمین کو عام مفاد خلق کے لیے خلافت کے حوالہ کر دیں۔ اس پر ان لوگوں نے حکم کی تعمیل کی اور زمین خلافت کے حوالے کر دی اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سرکاری خزانہ سے جریر کو اسی دینار عطا فرمائے۔ (الاموال ص ۶۱، ۶۲ والخراج یحییٰ ص ۴۵، ۴۶)

جب اس بات کا علم قوم بجیلہ کی ایک عورت "ام کرز" کو ہوا تو اس نے اپنے حصہ کی زمین واپس کرنے میں لیت و لعل کیا حضرت عمرؓ کے پاس آ کر درخواست کی۔ "اے امیر المومنین میرے والد فوت ہو گئے ہیں۔ سواد کی زمین میں اس کا بھی حصہ تھا (جو مجھے ترکہ میں ملا ہے) میں اس کو واپس نہیں کروں گی۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے ام کرز تیری قوم نے واپس کر دی ہے جبکہ تجھے علم ہے۔ اس نے جواباً کہا قوم نے جو کچھ کیا ہے مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تو اس وقت تک واپس نہیں کروں گی جب تک کہ آپ مجھے

Marfat.com

ایک سدھائی ہوئی اونٹنی نہ دیں جس پر سرخ رنگ کی چادر ہو اور سونے سے میرا ہاتھ بھر دیں۔ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا جو نقدی اس کو دی تھی وہ تقریباً اسی دینار تھی۔ (الاموال ص ۶۱، ۶۲۔ الخراج یحییٰ ص ۴۵، ۴۶)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اور خلفاء راشدین نے مفادِ عامہ کے پیش نظر زرعی معاشی ترقی کے لیے لوگوں کو قطائع دیے تھے اور ان پر خلافت کا پورا اختیار تھا۔ جن لوگوں نے زمینوں کو آباد نہ کیا ان سے زمینیں واپس لے لیں اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیں۔

بجیلہ قوم سے زمین واپس لینے کے واقعہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ صاحب زمین کی رضامندی ضروری۔ ابوبکر جصاص قوم بجیلہ کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔

اس واقعہ میں ان کی رضامندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ حضرت عمرؓ نے واضح طور پر غیر مبہم الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ زمین کو واپس کیے بغیر کوئی چارہ نہیں اس میں لوگوں کی بہبود ہے۔ باقی رہا ام کرز کا معاملہ تو اس کو حضرت عمرؓ نے بیت المال سے بطور امداد رقم دی تھی۔ ویسے بھی خلیفہ کو اختیار تھا کہ عورت کے قبضہ سے زمین واپس لیے بغیر بیت المال سے اس کو عطیہ دیتے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۵۳۱، ۵۳۳)

دورِ خیر کے قطائع اور موجودہ جاگیرداری نظام

دورِ خیر کے قطائع اور موجودہ جاگیرداری نظام کے درمیان کوئی مطابقت نہیں۔ اس دور کے قطائع کے پیش نظر اس دور کے جاگیرداری نظام کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا ایک تو وجہ یہ ہے کہ اس دور میں قطائع دینے والا امام عادل تھا۔ ہمارے دور کی جاگیرداری کا ایک بڑا حصہ وہ ہے جو انگریزوں نے ان لوگوں کو دیں جنھوں نے اپنے ملک کے خلاف برطانیہ حکومت کی وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ کچھ جاگیریں سکھوں کے عہد حکومت کی یادگار ہیں اور کچھ مغلیہ دور کی۔ دوم پھر یہ جاگیریں زرعی پیداوار بڑھانے ملک کو خوش حال کرنے کے لیے نہیں دی گئی تھیں۔ یہ محض افراد کو خوش حال کرنے اور ان کا معیار زندگی بلند کرنے کے لیے دی گئی تھیں۔ سوم یہ تالیف قلوب کے لیے نہیں دی گئی تھیں بلکہ برطانوی اقتدار کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لیے دی گئی تھیں۔ چہارم یہ جاگیریں مفادِ عامہ کے پیش نظر نہیں دی گئی تھیں بلکہ مفادِ عامہ کو نقصان پہنچا کر مخصوص افراد کو خوش کرنے کے لیے دی گئی تھیں۔

یہ وہ وجوہ ہیں جن کی بناء پر موجودہ جاگیرداری نظام باطل ہے۔ اس کے شرعی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

اجارہ داری

اسلام اجارہ داری کے خلاف ہے۔ جاگیرداری چند آدمیوں کا زمین کے ایک وسیع رقبہ پر قبضے کا نام ہے۔ اس سے تمام زرعی پیداوار چند ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور اشیاء خوردنی کو گراں سے گراں تر قیمتوں پر فروخت کرنے کے مالک بن جاتے ہیں۔ عوام کی تمام دولت ان کے قبضہ میں آ جاتی

Marfat.com

ہے جس سے معاشرہ میں اقتصادی توازن برباد ہو جاتا ہے۔

اخوت کے منافی ہے

اسلام اخوت کا پیغام لے کر آیا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات ۴۹:۱۰) مومن بھائی بھائی ہیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ (ال عمران ۳:۱۰۳) سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم باہم دشمن تھے۔ پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔

اسلام کے اس اصول کی روشنی میں ہر وہ نظام جو طبقاتی جنگ کو جنم دے گا وہ غیر اسلامی ہوگا۔

موجودہ جاگیرداری نظام نے طبقاتی جنگ کے شعلے بھڑکائے ہیں۔ اس وجہ سے یہ نظام اسلامی نہیں ہوسکتا۔

معاشی مساوات کے منافی ہے

اسلام میں معاشی مساوات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر ایک فرد کے پاس برابر برابر دولت ہو۔ اس قسم کی مساوات حیات اجتماعی کے برخلاف ہے۔ اجتماعی نظام اس وقت چلے گا جب سوسائٹی میں مزدور بھی ہوں۔ مالک بھی ہوں۔ کم رتبے کے لوگ بھی ہوں اور اعلیٰ رتبہ کے لوگ بھی ہوں۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر شخص مختلف استعدادیں لے کر پیدا ہوتا ہے۔ انہی استعدادوں اور قابلیتوں کی بناء پر ترقی کرتا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔ (الزخرف ۴۳:۳۲) ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں دنیا کی روزی تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔

لہٰذا اسلام میں معاشی مساوات کا یہ مطلب ہے کہ تمام افراد کو ذرائع پیداوار میں حق انتفاع برابر سب کو حاصل ہو۔ اگر کوئی حکومت کسی فرد کو زمین کا ایک وسیع رقبہ دے دیتی ہے اور وہ بغیر محنت کے لاکھوں روپے حاصل کرے تو اسلام اس کو ناجائز قرار دیتا ہے۔

قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ۝ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ (حٰمٓ السجدہ ۴۱:۱۰) اور اس کی خوراکوں کا اس میں اندازہ کیا۔ یہ چار دن میں کیا مانگنے والوں کے لیے برابر کا حصہ ہے۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زمین سب میں برابر تقسیم کر دی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ انتفاع کا سب کو برابر حق دیا جائے۔ اب جو فرد انتفاع کے لیے اپنا حق استعمال نہیں کرتا اور زمین پر محنت

Marfat.com

نہیں کرتا تو وہ زمین کا سائل نہیں ہوگا۔ سائل وہ ہوگا جو دن رات ایک کر کے محنت کرتا ہے۔ پس جاگیرداری نظام سے معاشرہ کا ایک بہت بڑا طبقہ حق انتفاع سے محروم ہو جاتا ہے جو اسلامی معاشی مساوات کے سراسر منافی ہے۔ لہٰذا جاگیرداری نظام ناجائز اور باطل ہے۔

کساد بازاری

جدید اقتصادی نظریہ کی رو سے معیشت میں کساد بازاری پیدا کرنے کے دو عوامل ہیں۔ ایک سود اور دوسرا کرایہ پر دی جانے والی اراضیات، کرایہ پر دی جانے والی فالتو زمین اتنی ہی اقتصادی لحاظ سے نقصان دہ ہیں جتنا سود۔ اگر اسلام سود حرام قرار دیتا ہے تو جاگیرداری نظام بھی ممنوع قرار دیا جانا چاہیے۔

آج سے چودہ سو سال قبل رسول کریم ﷺ نے سود اور فالتو زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے۔ کچھ صحابہ کے پاس فالتو زمینیں تھیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ زمین ہو۔ اسے وہ خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو بخش دے یا اپنی زمین کو روکے رکھے۔ (بخاری و مسلم)

کیا حکومت جاگیرداروں سے زمین لے سکتی ہے؟

جب یہ ثابت ہو گیا کہ موجودہ جاگیرداری نظام باطل ہے تو اس کو توڑنا حکومت پر فرض ہے۔ اس کی نظیر تاریخ اسلامی میں موجود ہے۔ بنی امیہ کے امراء نے اپنے عہد حکومت میں غیر مسلموں کی زمینیں شاہی خاندان میں جاگیر کے طور پر تقسیم کر دی تھیں۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہد آیا تو انھوں نے ایسی تمام زمینیں شاہی خاندان کے افراد سے لے کر اصل مالکوں کے حوالے کر دیں۔

ہمارا جاگیرداری نظام تو سراسر فساد اور ظلم پر مبنی ہے۔ خلفاء راشدین نے تو ان افراد سے زمینیں واپس لے لیں جو آباد نہیں کر سکے تھے۔

ہمارا جاگیرداری نظام صرف معاشی مسئلہ ہی نہیں بلکہ معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی بھی ہے۔ جاگیرداری نظام نے معاشرہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ان کے درمیان طبقاتی جنگ جاری ہے۔ جاگیردار دولت کے نشہ میں چور ہیں اور ہر قسم کی برائی کے مرتکب ہیں۔ مزارعین کی جان مال اور عزت ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں۔ اپنے ظلم و جور کے بدنتائج سے بچنے کے لیے ملکی سیاست پر غالب ہیں۔ روپے کے بل بوتے پر انتخاب جیتتے ہیں۔ اسمبلیوں میں جا کر سرمایہ دار طبقے کے حقوق کی نگہداشت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے ملک میں غریب طبقہ میں بے چینی زیادہ پائی جاتی ہے۔ ان تمام برائیوں سے بچنے کا صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ جاگیرداری نظام کو ختم کر دیا جائے۔

Marfat.com

مزارعت

مزارعت کے معنی یہ ہے کہ زمین کو کرایہ پر دینا اس کی پیداوار کے ایک حصہ پر۔
مزارعت کے جواز اور عدم جواز پر اختلاف پایا جاتا ہے کچھ احادیث عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں اور کچھ جواز پر۔ پہلے دونوں قسم کی احادیث درج کی جاتی ہیں۔ بعدازاں تطبیق کی جائے گی۔

عدم جواز کی احادیث

عن رافع بن خدیج قال نھانا رسول اللہ ﷺ عن امر کان لنا نافعًا اذا کانت لاحدنا ارض ان یعطھا ببعض خراجھا او بدراھم وقال اذکانت لاحدکم ارض فلیمنحھا اخاہ او یزرعھا۔ (ترمذی باب الزکوٰۃ و بخاری باب المزارعۃ) حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ہم کو ایک ایسے کام سے روک دیا جو ہمارے لیے نفع بخش تھا وہ یہ کہ ہم میں سے کسی شخص کے پاس زمین ہو تو وہ اس کو نہ بٹائی پر دے اور نہ نقد لگان پر اور فرمایا اگر تم میں سے جس کے پاس زمین ہو یا تو وہ اپنے بھائی کو مفت دے دے یا خود کاشت کرے۔

حضرت رافعؓ کی ایک اور حدیث ہے۔

نھانا ان نحاقل بالارض فنکرھا علی الثلث والربع والطعام المسمّٰی وامر رب الارض ان یزرعھا اویُزرعھا وکرہ کرائھا وما سوی ذالک۔ (مسلم) رسول کریم ﷺ نے ہم کو زمینوں میں مزارعت کا معاملہ کرنے سے منع فرمایا کہ ہم تہائی اور چوتھائی اور مقرر مقدار غلہ کے عوض کرایہ پر دیں اور آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مالک زمین یا تو خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کرنے کے لیے دے دے اور آپ ﷺ نے زمین کے کرایہ کو اور اس کے سوا دوسری صورتوں کو ناپسند فرمایا۔

ایک اور حدیث میں حضرت رافع اپنے چچا ظہیر بن رافع کے حوالہ سے بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ تم لوگ اپنی کھیتی باڑی کا معاملہ کس طرح کرتے ہو؟ تو ظہیر نے تفصیل بتائی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ **فلا تفعلوا اِزرعوھا او اَزرعوھا او امسکوھا** (مسلم، بخاری، ابن ماجہ) ایسا نہ کرو یا تو خود زراعت کرو یا دوسروں کو زراعت کے لیے دے دو یا اپنی زمینوں سے دست بردار ہو جاؤ۔

حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے۔ **نھی رسول اللہ ﷺ عن کراء الارض** (مسلم) رسول اللہ ﷺ نے زمین کرایے پر کاشت کرانے سے منع فرمایا۔

Marfat.com

نھی رسول اللّٰہ ﷺ ان یوخذ للارض اجرٌ وحظٌ (مسلم) رسول اللہ ﷺ نے زمین اجرت پر یا پیداوار کے کسی حصے پر کاشت کے لیے دینے سے منع فرمایا ہے۔

من کانت له ارض فلیزرعها فان لم یزرعها فلیزرعها اخاه (مسلم و ابن ماجہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس کوئی زمین ہو تو اسے خود کاشت کرے اور اگر خود کاشت نہ کرتا ہو تو اپنے کسی بھائی کو دے دے کہ وہ کاشت کرے۔

ایک اور روایت ہے من کانت له فضل ارض فلیزرعها اخاه فان ابی فلیمسک ارضه (مسلم و ابن ماجہ) جس کے پاس خود کاشتی سے زائد زمین ہو تو کسی بھائی کو دے دے اور اگر زمین دینے پر آمادہ نہ ہو تو اس کو اپنی زمین چھوڑنی پڑے گی۔

ابن حبان (م ۹۶۵) نے اپنی مسند کے ساتھ لکھا ہے کہ عن جابر قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول من لم یذر المخابرہ فلیاذن بحرب من اللّٰہ ورسوله قلت لجابر حدیث فی الصحیح غیر ھذا. جابر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بٹائی پر کاشت کرانے سے باز نہیں آتا۔ پس وہ جان لے کہ اس کی اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی ہو گئی ہے۔ (ابوداؤد، سنن ابی داؤد مع حاشیہ عون المعبود جلد ۳ ص ۲۷۲ موارد الظمان الی زوائد لابن حبان ص ۲۷۷ حدیث ۱۱۳۴)

ینھی عن المزابنة المحاقلة (مسلم) رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے بدلے ثمرہ بیچنے اور زمین کرایہ پر کاشت کرانے سے منع فرمایا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ نھی عن المحاقلة والمزابنة یعنی رسول اللہ ﷺ نے کرایہ پر زمین دینے سے اور کھجور کے بدلے ثمر بیچنے سے منع فرمایا۔ (مسلم و ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے۔ نھی رسول اللّٰہ ﷺ عن المزابنة والمحاقلة (مسلم و ابن ماجہ) رسول اللہ ﷺ کھجور کے بدلے ثمرہ کی فروخت اور کرائے پر کاشت کرانے سے منع فرمایا۔

حماد بن مسلمة نا عمرو بن دینار قال سمعت عبداللّٰہ بن عمر بن الخطاب یقول نھی رسول اللّٰہ ﷺ عن کراء الارض حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔

ثابت بن ضحاک سے روایت ہے۔ نھی عن المزارعة (مسلم) رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا۔

زید بن ثابت سے روایت ہے۔ نھی رسول اللّٰہ ﷺ عن المخابرة قلت وما المخابرہ؟ قال ان تاخذ الارض بنصف او ثلث او ربع (ابوداؤد) رسول اللہ ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا۔ راوی نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا کہ مخابرہ کیا ہے؟ حضرت زید نے جواب دیا اس کا

مطلب یہ ہے کہ تم آدھی یا تہائی یا چوتھائی پیداوار کے عوض زمین لو۔

مذکورہ احادیث پر نظر دوڑانے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ زمین کو کرایہ پر نہ دینے کے راوی بڑے قد آور اور ثقہ اور راسخ فی العلم ہیں ان کی روایات کو اتنی آسانی سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

جواز مزارعت کی احادیث

عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ اعطی خیبر الیھود علی ان یعملوھا ویزرعوھا ولھم شطرھا خرج منھا (بخاری باب المزارعۃ) حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں جو پیداوار ہو وہ نصف بٹائی پر ہو۔

عن سعد بن ابی وقاص ان المزارع فی زمن النبی ﷺ کانوا یکرون مزرعھم (ابوداؤد نسائی) حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ مالکان زمین نبی کریم ﷺ کے عہد میں اپنی زمینوں کو کرایہ پر دیا کرتے تھے۔

قیس بن مسلم کی روایت ہے کہ مدینہ کے مہاجرین کا ایک خاندان بھی نہیں تھا جو تیسرے یا چوتھے حصے کی بٹائی پر زراعت نہ کرتا تھا۔ حضرت علیؓ اور سعد بن مالک، عبداللہ بن سعود، عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروہ بن زبیر، حضرت ابوبکر، عمر اور علی کی اولاد اور ابن سیرین بٹائی پر زمینیں دیتے تھے۔

حضرت عبدالرحمن بن اسود کہتے ہیں کہ میں عبدالرحمن بن یزید کے ساتھ مل کر یہ کام کیا کرتا تھا۔ (بخاری باب المزارع)

خالد یمنی، طاوس کی زبانی یہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا حضرت معاذ گورنر مقرر ہو کر یمن آئے اور آپ زمین تیسرے یا چوتھے حصے پر بٹائی پر لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ ہم بھی اسی طرح بٹائی پر لوگوں کو آج تک دیتے ہیں۔ (المبسوط ج ۳ کتاب المزارعۃ)

ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔

لاباس بالمزارعۃ بالنصف (کنز العمال) نصف نصف کی بٹائی کر لینے پر کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابوجعفر (امام محمد باقر) کی روایت ہے۔ **کان ابوبکر یعطی الارض علی الشطر** حضرت ابوبکر اپنی زمین نصف نصف کی بٹائی پر زراعت پر دیتے تھے۔

موسیٰ بن طلحہؓ کی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن مسعود، عمارہ بن یاسر، خباب بن ارت اور سعدؓ بن مالک کو زمینیں عطا کی تھیں۔ ان میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سعدؓ بن مالک اپنی زمینیں تہائی اور چوتھائی پیداوار کی بٹائی پر کاشت کے لیے دیتے تھے۔ (کتاب الخراج لابی یوسف)

تطبیق:۔ ان احادیث کے ظاہری تضاد اور تخالف کی وجہ سے فقہاء کے ایک گروہ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ اسلام میں مزارعت قطعی ناجائز ہے اگر عدم جواز والی احادیث پر بنظر تعمق تفحص کیا جائے تو

Marfat.com

یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مزارعت بالکل حرام قرار نہیں دی بلکہ مزارعت کی بعض صورتوں سے منع فرمایا وہ حسب ذیل ہیں۔

اوّل: بعض روایات جن میں مزارعت کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ وہ جاہلی دستور ہے۔ جس میں یہ طے کر لیا جاتا تھا کہ زمین کے فلاں حصّہ کی پیداوار، مالک کی ہوگی اور فلاں حصّہ پیداوار کاشت کار کی حضرت رافع بن خدیج کی روایت ہے۔ عن رافع بن خدیج قال حدثنی عمی انھم کانوا یکرون الارض علی عھد النبی ﷺ بما ینبت علی الاربعاء اوشی یستثنیہ صاحب الارض فنھی النبی ﷺ من ذالک (کنزالعمال) رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ ہم سے ہمارے چچا نے فرمایا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں زمین کو اس شرط پر کرایہ پر دیا کرتے تھے کہ نہر کے قریب زمین کی پیداوار ہماری ہوگی یا کوئی اور استثنائی شرط کر لیتے جب رسول کریم ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

مزارعت کا یہ جاہلی دستور اپنے ساتھ چند قباحتوں کا حامل تھا اس وجہ سے رسول کریم ﷺ نے اس طریقہ مزارعت سے منع فرمایا وہ قباحتیں حسب ذیل ہیں۔

(الف) اقتصادی معاملات باہمی تعاون کے اصول پر طے ہونے چاہئیں یہ معاملہ سراسر ظلم اور زیادتی پر محمول تھا ارشاد الٰہی ہے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى یعنی نیکی اور تقویٰ پر تعاون ہونا چاہیے۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ گناہ اور زیادتی پر تعاون نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح رسول کریم ﷺ نے لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ یعنی نہ خود کو نقصان پہنچانا جائز ہے اور نہ کسی دوسرے کو۔

چونکہ یہ طریقہ مزارعت ایک فریق کی صریحاً حق تلفی پر مبنی تھا۔ اس وجہ سے رسول کریم ﷺ نے منع فرما دیا۔

(ب) یہ شرط باطل اور مقتضائے عقد کے خلاف تھی کیونکہ کاشتکار تمام زمین میں یکساں محنت کرتا تھا تو پھر اس کو ایک حصّہ کی پیداوار سے کیوں محروم کر دیا جائے۔

(ج) یہ جوا کی ایک شکل ہے کیونکہ یہ کسی کو بھی علم نہیں کہ کس حصّہ زمین میں پیداوار اچھی ہوگی یا کس میں خراب۔

(د) اس قسم کی شرائط سے عموماً جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو خاندانوں کی بربادی کا باعث بن جاتے ہیں۔

دوم: عدم جواز کی روایات اس بات پر محمول ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بعض قیود اور شرائط کی وجہ سے بہت جھگڑے پیدا ہو گئے تو آپ نے مصلحتاً ایک خاص وقت کے لیے مزارعت کی بجائے زر نقدی پر زمین دینے کا ارشاد فرما دیا۔

حضرت زید بن ثابت کو جب یہ خبر پہنچی کہ رافع بن خدیج مزارعت سے منع کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ رافع کی مغفرت کرے اللہ کی قسم میں اس حدیث کو ان سے بہتر سمجھتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں انصار کے دو شخص آئے ان کے درمیان مزارعت پر جھگڑا تھا اور نوبت ایک دوسرے کو قتل کرنے تک پہنچ گئی تھی۔ (قد اقتتلا) تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ان کان شانکم فلا تکروا المزارع یعنی تمہاری یہ حالت ہے تو مزارعت کا معاملہ نہ کرو (ابوداؤد)

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ زمیندار اپنی زمین اسی پیداوار کے بدلے جو نہروں کے قریب ہوتی تھی دیا کرتے تھے۔ وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آتے اور مزارعت کے بارہ میں جھگڑتے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس شرط پر مزارعت نہ کیا کرو بلکہ سونا چاندی کے عوض دیا کرو۔ (سنن نسائی)

یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مزارعت کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ محض جھگڑوں کی کثرت کی وجہ سے یہ فرمادیا کہ آئندہ مزارعت کی بجائے زرنقد پر زمین کرایہ پر دی جائے۔

دوسری اہم بات جو یاد کر رکھنے کے قابل ہے یہ جواز ان لوگوں کے لیے جو محض زمین دار ہیں جو قطعہ ارض ان کے لیے ذریعہ معاش ہے یہ جواز جاگیرداری پر لاگو نہیں۔ بعض علماء نے مزارعت کے جواز کی روایات کو عمومیت کا رنگ دے کر جاگیرداروں کی مزارعت کو بھی جائز قرار دے دیتے ہیں جو سراسر اسلامی معیشت کی روح کے منافی ہے۔

جاگیرداری ختم کرنے کے لیے

بعض لوگوں کے پاس فالتو زمینیں تھیں اور معاشرہ میں محتاج اور ضرورت مند افراد بھی تھے جو دوسروں کی زمینیں مزارعت پر لیتے اور ان کی ضروریات پوری نہ ہوتیں تو رسول کریم ﷺ نے فالتو زمینوں کو مزارعت پر دینے سے منع فرمایا کیونکہ یہ بات اسلامی اخوت کے منافی تھی۔ ایک شخص تو گھر بیٹھے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرے تو دوسرا شخص دن رات کام کرنے کے باوجود نانِ جویں کا محتاج ہو۔

رسول کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کے عہد میں سب سے بڑا زمین دار گھرانا رافع بن خدیج کا تھا وہ اپنی فالتو زمینیں مزارعت پر صحابہ کرام کو دیتے تو رسول کریم ﷺ نے ممانعت فرمادی اور تاکید کر دی کہ اگر کسی کے پاس زمین ہو تو وہ خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو بغیر کسی معاوضے کے دے دے۔

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک انصاری کی زمین پر گزرے وہ اپنی مفلسی کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا زمین کس کی ہے اس نے بتایا کہ یہ فلاں شخص کی ہے اس نے مجھے اجرت پر دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کاش وہ اپنے بھائی کو بلا عوض دے

دیتا۔ حضرت رافع اپنے اہل قبیلہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے تمھیں ایک ایسی چیز سے روک دیا ہے جو تمھارے لیے نفع بخش ہے اور رسول کریم ﷺ کے فرمان کی تعمیل اس سے بھی زیادہ نافع ہے۔ (سنن نسائی)

رسول کریم ﷺ نے یہ ممانعت اس شخص کے لیے کی ہے جس کے پاس فالتو زمین ہے اور خود کاشت کاری سے بچی ہوئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی احادیث عدم جواز پر بحث کرتے ہوئے نہایت اختصار کے ساتھ مندرجہ بالا تینوں امور کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

صحابہ کے بعد اکابرین تابعین مزارعت کا معاملہ کرتے تھے۔ مزارعت کے جواز کی دلیل اہل خیبر سے معاملہ کی حدیث ہے اور مزارعت کی ممانعت کی احادیث یا تو ایسی مزارعت پر محمول ہیں۔ جن میں نہروں کے کناروں کی پیداوار یا کسی معین قطعہ کی پیداوار طے کر لی جائے جیسا کہ رافع نے فرمایا یا تنزیہ و ارشاد پر جیسا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یا اس پر محمول ہیں کہ مزارعت کی وجہ سے کثرت مناقشات پیدا ہو گئے تھے اس مصلحت کی بناء پر اس سے روک دیا گیا جیسا کہ زید نے بیان فرمایا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

مساقات

مساقات، عربی سہ حرفی مادہ سقی سے مشتق ہے جس کا مطلب پلانا ہے۔ لفظ مساقات باب مفاعلہ ہے۔ یہ باب دو افراد کے لین دین یا مشارکت کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی پانی کی بہم رسانی کے لیے دو افراد کے درمیان کوئی معاملہ طے کرنے کا نام ہے۔ مساقات کے مفہوم میں لفظ استجار میں صرف پانی دینا ہی شامل نہیں بلکہ ان کی دیکھ بھال، کانٹ چھانٹ جڑی بوٹیوں کا اتلاف وغیرہ بھی شامل ہے۔

ہدایہ میں مساقات کی تعریف یہ ہے۔ ھی المعاملة فی الاستجار (الہدایہ کتاب المساقات مرغینانی)

عبدالرحمٰن جزیری نے کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ان الفاظ میں تعریف کی ہے۔

المساقاة هی ان یعامل شخص یملک نخلا او عنبًا شخصاً اخر علی ان یباشر ثانیهما النخل او العنب باسقی والتربیة والحفظ ونحو ذالک وله فی نظر عمله جز معین من الثمر الذی یخرج منه و للولی ان ینوب عن الملک القاصر فی ذالک (جلد سوم) یعنی مساقات سے مراد یہ ہے کہ کھجور کے درختوں یا انگور کے باغات کا مالک کسی دوسرے شخص کو دے کہ وہ انھیں سیراب کرے ان کی پرورش کرنے حفاظت کرنے اور اس قسم کے کام پر لگائے۔ جس کے عوض اسے پھلوں میں سے ایک مقررہ حصّہ ملے اور اگر درختوں یا باغات کا مالک اس میں کوتاہی کرے تو اس کا ولی معاہدہ پورا کرے۔

حنبلی فقہاء نے یہ تعریف کی ہے۔

دفع ارض و شجر له ثمر ماکول (کشاف القناع ج ۳ ص ۵۲۳ بہوتی) زمین اور کھائے

Marfat.com

جانے والے پھل دار درخت (بغرض مساقات) کسی کو دینا۔

مالکی مکتبہ فکر ان الفاظ میں تعریف کرتا ہے۔

هى عقد على خدمة شجر وما الحق به بجزء من غلة او بجميعها بصيغة و مناسبتها للقراض ظاهره (باب المساقات دسوقی)

مولانا امجد علی بہار شریعت میں ان الفاظ میں تعریف کرتے ہیں۔

باغ یا درخت کسی کو اس لیے دینا کہ اس کی خدمت کرے اور جو کچھ اس سے پیداوار ہوگی اس کا ایک حصہ کام کرنے والے اور ایک حصہ مالک کو دیا جائے گا اس کو مساقات کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا معاملہ بھی ہے۔ (حصہ یازدہم ص ۵۶۳)

مساقات کی شرعی حیثیت

مسئلہ مزارعت کی طرح مساقات کے جواز اور عدم جواز پر علماء اور فقہاء کا اختلاف ہے۔ مساقات کو جائز قرار دینے والوں میں حنفاء متقدمین میں سے امام محمد اور ابو یوسف ہیں۔ اس طرح تینوں ائمہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد بھی مساقات کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان سب کی دلیل وہی ہے جو مزارعت کو جائز قرار دینے میں دیتے ہیں جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ زمین کا معاملہ نصف پیداوار پر کیا۔ جس میں زرعی اور پھل دونوں شامل تھے۔ **عن ابن عمر قال اعطى رسول الله ﷺ خيبر بشطر مايخرج من ثمر او زرع** (مسلم) اس طرح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ انصار مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے کھجور کے باغات اور ہمارے درمیان تقسیم کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے انکار کیا پھر انھوں نے کہا کہ وہ محنت کریں اور پھل میں دونوں شریک ہوں۔ اس صورت کو آپ نے منظور فرمایا۔ (بخاری)

ان احادیث سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے حضرت امام ابو یوسف اپنی کتاب ''کتاب الخراج'' میں لکھتے ہیں۔

''میرے علم و اطلاع کی حد تک بہترین مسلک یہی ہے کہ یہ طریقہ درست اور جائز ہے ہم نے ان احادیث کی پیروی کی ہے جو خیبر کی مساقات کے سلسلہ میں رسول کریم ﷺ سے مروی ہیں کیونکہ جو حدیثیں ان کے خلاف پائی جاتی ہیں ان سے یہ احادیث ہماری نظر میں زیادہ قابل اعتماد زیادہ عموم کی حامل اور تعداد میں زیادہ ہیں۔ (ص ۳۱۳) عدم جواز قرار دینے والے فقہاء میں امام ابوحنیفہ ہیں جو باغات اور نخلستانوں میں تہائی یا چوتھائی یا کم وبیش پر اس طرح کا معاملہ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس کی بنیاد حضرت رافع کی حدیث کو ٹھہرایا ہے۔

خاکسار نے مزارعت پر بحث کرتے ہوئے دونوں بظاہر متناقض احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے

Marfat.com

لکھا تھا کہ جاگیرداری مزارعت ناجائز ہے۔ جہاں مزارع کا استحصال ہو رہا ہوتا ہے۔ جاگیردار کسلانہ اور تعیشانہ زندگی کا عادی ہو جاتا ہے جس سے معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے پھر یہ دیکھنا بھی پڑتا ہے کہ جاگیر کہاں سے ملی لیکن جو مزارعت تھوڑی ہو۔ مجبوری کی وجہ سے کی جا رہی ہو وہ اس ضمن میں نہیں آتی۔ مساقات بھی مزارعت کی ایک شکل ہے۔ اس لیے مساقات کو اسی شکل میں دیکھنا ہوگا۔ لہٰذا مساقات کے جواز اور عدم جواز کو بھی مزارعت کے جواز اور عدم جواز پر منطبق کرنا ہوگا۔ جس وجہ سے مزارعت کو بعض فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے اسی سبب سے مساقات کو ناجائز قرار دیا ہے۔

اور جن فقہاء نے مزارعت کو جائز قرار دیا ہے اسی سبب سے مساقات کو جائز قرار دیا ہے۔

لہٰذا جن فقہاء نے مساقات کو جائز قرار دیا ہے۔ اس کی علت اور ہے اور جن فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے۔ اس کی علت اور ہے۔ لہٰذا دونوں فقہاء نے جائز اور ناجائز ہونے کے فتاویٰ مختلف علتوں اور مختلف حالتوں کی بناء پر مختلف دیے ہیں۔

حنفاء، مالکیوں اور حنبلیوں کی کتب میں مختلف احکام درج ہیں۔ قارئین کے فائدے کے لیے چند احکام درج کیے جاتے ہیں مزید معلومات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۔ عاقدین بالغ عاقل ہوں۔

۲۔ جو پیداوار ہو وہ دونوں میں مشترک ہو اور اگر فقط ایک کے لیے پیداوار مخصوص کر دی گئی تو عقد فاسد ہے۔

۳۔ ہر ایک کا حصّہ مشاع ہو۔ جس کی مقدار معلوم ہو مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی۔

۴۔ باغ یا درخت عامل کو سپرد کر دینا۔ یعنی مالک کا قبضہ اس پر نہ رہے۔

۵۔ جو درخت مساقاۃ کے طور پر دیے گئے وہ ایسے ہوں کہ عامل کے کام کرنے سے پھل میں نشوونما ہو سکے۔ لیکن اگر پھل تیار ہو چکے ہوں اور صرف انہیں توڑنا باقی ہو تو معاملہ درست نہیں کیونکہ اس وقت پھلوں کو پانی کی ضرورت نہیں۔

۶۔ ضروری ہے ان درختوں اور پودوں کو پانی کی ضرورت ہو۔ اگر پانی کی ضرورت نہیں تو یہ مساقات نہیں کیونکہ مساقات کا مطلب ہی پانی دینا ہے۔

۷۔ زمین میں ایک سال یا اس سے کم عرصے تک رہنے والی سبزیوں اور پھلوں کے بارے مساقات درست ہے بشرطیکہ وہ پہلے سے کاشت شدہ ہوں۔

۸۔ زمین پر ایک سال یا اس سے زائد عرصہ تک رہ کر پیداوار پودوں اور درختوں پر مساقات کا معاملہ درست ہے۔

۹۔ معاملہ مساقات کے لیے ضروری ہے کہ پیڑ تناور ہوں اور معاملہ کرتے وقت پھل آنا متوقع ہو یا

Marfat.com

ابھی بھور آیا ہو۔ اگر پیڑ اتنا چھوٹا ہو اس پر پھل آنے میں کئی سال درکار ہیں تو معاملہ مساقات درست نہیں۔

۱۰۔ حنابلہ صرف ان پھلوں اور سبزیوں کی مساقات کو جائز قرار دیتے ہیں جو کھائے جاتے ہیں۔ لیکن ایسے درخت جو خود مال متقوم ہوتے ہیں ان کا معاملہ مساقات جائز نہیں۔

۱۱۔ پھل پختہ ہونے سے قبل اگر مدت معاملہ ختم ہو جائے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ اصل اعتبار پھل کی پختگی ہے کیونکہ اس سے عامل کی محنت رائیگاں باقی ہے۔ جو عامل کے لیے باعث نقصان ہے۔ یہ شریعت کی روح کے منافی ہے۔

۱۲۔ مساقات کا معاملہ طے ہونے کے بعد اگر باغ کا مالک کوئی اور نکل آیا تو جس سے معاملہ کیا ہے۔ اس کو اتنے دن کی جتنے دن کام کیا ہے اجرت دینا پڑے گی۔

۱۳۔ معاملہ طے ہو جانے کے بعد فریقین میں سے کوئی معاہدہ سے روگردانی کرے تو قانونی چارہ جوئی کی جائے۔

بڑی بڑی صنعتیں

اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی اصول اجتماعی مصالح پر ہے اگر کوئی کاروبار رفاہ عامہ اور اجتماعی حیات کو مجروح کرنے والا ہو تو اسلامی فقہ کے اصول ''استحسان'' کی رو سے اسلامی حکومت پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اصلاح حال کے لیے اس صنعت یا کاروبار کو انفرادی ملکیت سے نکال کر اپنی تحویل میں لے لے۔

جب اس بنیادی اصول کو سامنے رکھ کر پاکستان کے صنعتی کاروبار کو دیکھتے ہیں تو یہ بات سورج کی طرح روشن ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ ہمارا صنعتی کاروبار رفاہ عامہ اور اجتماعی مصالح کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ بڑے بڑے صنعت کار اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ملکی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں۔ گویا وہی حاکم ہیں اور وہی صنعت کار اور تاجر۔

اب پاکستان کی نہ تو ملکی سیاست پاک ہو سکتی ہے اور نہ اجتماعی مصالح محفوظ رہ سکتے ہیں اور نہ معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ جب تک حکومت بڑی بڑی صنعتوں کو قومیاتی نہیں یا انتخاب کے دروازے ان پر بند نہیں کیے جاتے یا مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لیے ان پر پابندیاں عائد کی جائیں۔ مثلاً مزدوروں کا مفت علاج، مزدوروں کے بچوں کے لیے تعلیم کا مفت بندوبست وغیرہ۔ اب ملکی حالات کا یہ تقاضا ہے کہ حکومت کا سربراہ اس امر کی طرف سنجیدگی سے غور کرے تا کہ ملک امن اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔

رکاز

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ کان سے جو کچھ نکلتا ہے اس کا ۵/۴ حصہ نکالنے والے کی ملک

Marfat.com

ہوگا اور ۱/۵ حصہ زکوۃ۔ لیکن یہ شرط ضروری ہے کہ وہ دفینہ اسلامی دور سے پہلے کا ہو۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج اص ۶۱۲، ۶۱۳) جن دفینوں پر اسلامی حکومت کی علامت پائی جائے تو وہ لقطہ قرار پائے گا تو اس کو بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ رکاز سے مراد صرف وہ دفینہ مراد ہے جس کا تعلق اجتماعی حیات کی ضروریات سے نہ ہو۔ مثلاً سکے، سونے چاندی کے برتن اسلحہ اور دوسری قیمتی اشیاء، اگر وہ دفینہ ایسی چیزوں پر مشتمل ہے جو افادہ عامہ کے لیے ضروری ہیں اور جن پر انفرادی ملکیت ہو جانے کی وجہ سے افراد تنگی اور تکلیف اٹھائیں ان کو حکومت اپنے قبضہ میں لے گی۔ اس پر تفصیلاً بحث ریاست کی اجتماعی ملکیت کے عنوان کے تحت ہوگی۔

تسعیر

اسلام عام حالات میں تاجروں کے حق میں کوئی مداخلت نہیں کرتا وہ اشیاء کو جس نرخ پر چاہیں بیچیں۔ تاکہ بازار میں رسد اور طلب کا توازن برقرار رہے۔ ہاں اگر تاجر نفع کے حصول کے لیے احکار شروع کر دیں یا بازار میں رسد کم کرنے کی خاطر مصنوعات کا کچھ حصہ ضائع کر دیں۔ اس طرح رسد اور طلب کا توازن برباد ہو جائے تو اس وقت حکومت کا فرض ہے کہ وہ قیمتیں مقرر کر دے۔

لایسعر حاکم الا اذا تعدی الارباب عن القیمۃ تعدیا فاحشا فیسعر بمشورۃ اھل الرای. یعنی حاکم اس وقت تک نرخ مقرر نہ کرے جب تک ارباب نرخ (تاجر) قیمتوں کو بڑھانا شروع نہ کر دیں۔ اس وقت حاکم اہل رائے کے مشورہ سے نرخ مقرر کر دے۔

حضرت امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

"جب عوام الناس کی ضرورت قیمتوں کی منصفانہ تعیین کے بغیر پوری نہ ہو سکتی ہو تو ان کے لیے ایسی قیمتیں مقرر کر دی جائیں گی جو عدل و انصاف پر مبنی ہوں۔ بغیر کسی کمی یا زیادتی کے۔" (درالمختار مع الشامی ج ۵ باب الحظر والاباحۃ)

صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔

"سلطان کے لیے مناسب نہیں کہ لوگوں کو متعین قیمتوں کا پابند بنائے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "قیمت نہ مقرر کرو کیونکہ اللہ ہی قیمت مقرر کرنے والا تنگی پیدا کرنے والا فراخی پیدا کرنے والا رزق عطا کرنے والا ہے۔" اور اس لیے کہ قیمت (بتانا) عقد بیع کرنے والے کا حق ہے لہٰذا اس کی تعین وہی کر سکتا ہے۔ پس امام کو اس کے حق میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ بجز اس صورت حال کے جبکہ ضرر عامہ کا دفعیہ اس کا متقاضی ہو۔"

بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ ایک موقعہ پر صحابہ نے رسول کریم ﷺ سے نرخ مقرر کرنے کی درخواست کی تو آپ نے انکار فرمایا۔ اس وجہ سے تسعیر ہر حالت میں ناجائز ہے۔

اصاب الناس سنة فقالوا یارسول الله سعرلنا قال لا یسئلنی الله عن سنةٍ احدثتها علیکم لایامرنی بها ولکن سلو الله من فضله (الحسبۃ فی الاسلام ص ۷)

لوگ قحط کا شکار ہو گئے تو انھوں نے کہا اے اللہ کے رسول ہمارے لیے نرخ مقرر کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں اللہ مجھ سے ایسے طریقے کے متعلق پوچھے گا جس کا اس نے مجھے حکم نہ دیا ہو اور میں اپنی طرف سے گھڑ لوں بلکہ تم اللہ کے فضل کے لیے دعا مانگو۔

عن انس قال قال الناس یارسول الله غلا السعر سعرلنا فقال رسول اللهﷺ ان الله هو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لارجو ان القی الله ولیس احد منکم یطالبنی بمظلمة فی دم ولامال. (جامع ترمذی۔ ابوداؤد کتاب البیوع فی منع الماء، سنن ابن ماجہ۔ مسند داری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے یہ کہا یارسول اللہ (نرخ گراں ہو گئے ہیں) آپ ہمارے لیے نرخ مقرر کر دیجئے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا، تنگی پیدا کرنے والا، فراخی پیدا کرنے والا اور رزق عطا کرنے والا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خدا کے سامنے اس حال میں حاضر ہوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے کسی ظلم کا بدلہ طلب کرنے والا نہ ہو جو جان یا مال کے بارے میں لیا گیا ہو۔

یہ اس زمانہ کی احادیث ہیں جب مدینہ میں قحط پڑا تھا اور گرانی کی وجہ یہ تھی کہ غلہ مدینہ میں باہر سے گراں نرخ پر آتا تھا۔ جب غلہ ہی مہنگے داموں تاجر خرید کریں تو ان کو سستے داموں فروخت کرنے کے لیے مجبور کرنا ان پر ظلم ہے۔ اس لیے رسول کریم ﷺ نے نرخ مقرر کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان حالات میں قیمتیں مقرر کرنا صرف تاجروں کے لیے ہی نقصان دہ نہیں بلکہ عوام کے لیے بھی مضر تھیں۔

ان احادیث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ کسی حالت میں بھی نرخ مقرر نہیں کیے جا سکتے۔

اگر تاجر جائز نفع کی حدود پھاند کر مہنگی چیزیں فروخت کرنا شروع کر دیں تو حکومت مفاد عامہ کے پیش نظر اشیاء کی قیمتیں مقرر کر سکتی ہیں۔

Marfat.com

باب ٦

ریاست کی اجتماعی ملکیت

ذرائع آمدنی۔ زکوٰۃ خمس۔ رکاز۔ فئی خراج۔ جزیہ۔ عشور۔ کراء الارض۔ وقف۔ ضرائب۔ لقطہ۔ لاوارث ترکے کے کاروبار کے منافع۔ نشوونما ملکیت۔ النوائب۔ ارض موات۔

Marfat.com

ریاست کی اجتماعی ملکیت

اجتماعی ملکیت سے مراد وہ ملکیت ہے جس پر ریاست کا مالکانہ تصرف ہو اور ہر فرد کو اس چیز سے آزادانہ استفادہ کا حق ہو۔ اس قسم کی ملکیت ان اشیاء پر ہوتی جو افادہ عامہ کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ اگر ان پر فرد یا افراد کی ملکیت ہو جائے تو عوام تنگی اور تکلیف محسوس کریں۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ ۲:۲۹) (یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے تمھارے لیے زمین میں تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ اب اس بات کا فیصلہ کہ کون کون سی چیزیں انفرادی ملکیت میں آسکتی ہیں اور کن اشیاء کو اجتماعی اور قومی ملکیت سمجھنا چاہیے۔ اشیاء کی نوعیت اور شریعت کی ہدایات کو پیش نظر رکھ کر کیا جا سکتا ہے رسول کریم ﷺ نے اصولی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا۔ اَلْمُسْلِمُوْنَ شرکاء فی ثلثِ فِی الماء والکلاء والنار (ابو داؤد کتاب البیوع باب فی منع الماء) یعنی تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں۔ پانی، گھاس اور آگ۔

رسول کریم ﷺ نے اصولی طور پر صرف تین چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ درحقیقت اس حدیث کا منشا یہی ہے کہ قدرتی وسائل پیدائش جو افادہ عام کے لیے ہوں وہ حکومت کی تحویل میں ہوں گے۔

فقہاء کا اختلاف اور صحیح مسلک

فقہاء نے معدنی اشیاء کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ معاون ظاہر جن کے حصول کے لیے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہو۔ وہ متفقہ طور پر انفرادی ملکیت بنائی نہیں جا سکتی۔

معاون باطنہ

یعنی وہ معدنی ذخیرے جو زمین کے اندر چھپے ہوئے ہیں اور ان کے نکالنے میں کافی محنت اور اخراجات کی ضرورت پڑتی ہو۔ مثلاً سونا چاندی وغیرہ کی کانیں، حنفی، شافعی اور حنبلی، فقہاء کی رائے یہ ہے اگر یہ کانیں کسی شخص کی مملوکہ زمین میں پائی جاتی ہیں تو مالک زمین کی یا اس شخص کی ملک ہوں گی جس کو مالک اراضی نے ان کے نکالنے کی اجازت دی ہے۔ اگر یہ کانیں غیر مملوکہ زمین میں ہیں تو اس شخص کی ملک ہوں گی جو ان کو دریافت کرے اور نکالے۔ حضرت امام مالک کی یہ رائے ہے کہ زمین کے اندر پائی

Marfat.com

جانے والی کانیں تمام مسلمانوں کی مِلک ہیں اور ان کی مالک مختار اسلامی ریاست ہے۔
صحیح مسلک حضرت امام مالکؒ کا ہی ہے کہ زمین کے اندر پائی جانے والی تمام کانیں حکومت کی ملک ہوں گی۔

بیت المال

کوئی مملکت بغیر دولت کے قائم نہیں رہ سکتی۔ اصطلاح میں اسلامی حکومت کے خزانہ کا نام بیت المال ہے۔ حکومت کی تمام آمدن جمع ہوتی ہے اور عوام کی بہبود اور مملکت کے دفاع کے لیے اس میں سے صَرف کیا جاتا ہے۔

ذرائع آمدنی

ا۔ زکوٰۃ

اس سالانہ خدائی محصول کا نام ہے جو امراء سے لے کر غرباء کو دیا جائے۔[1] اس کو زکوٰۃ اس وجہ سے کہتے ہیں۔ یہ مال کو بڑھاتی ہے یا اس لیے مال کا دینا تزکیہ نفس کا باعث ہے۔ یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ زکوٰۃ سے مال اس طرح بڑھتا ہے کہ دولت صرف چند ہاتھوں میں ہی جمع نہیں رہتی بلکہ تمام قوم میں گردش کرتی ہے۔ جس سے بحیثیت مجموعی قوم کی دولت بڑھ جاتی ہے۔

زکوٰۃ دینے سے دولت کی محبت کی آگ دل سے سرد پڑ جاتی ہے جو کئی گناہوں کا سبب ہوتی ہے اور دل گناہوں کی میل سے پاک صاف رہتا ہے۔

قرآن مجید میں اکثر جگہ جہاں قیامِ نماز کا ذکر آتا ہے۔ ساتھ ہی ادائیگی زکوٰۃ کا حکم ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نماز کی غرض اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک مال میں سے غربا کی بہبود کے لیے خرچ نہ کیا جائے۔ زکوٰۃ کا حکم ان سورتوں میں بھی پایا جاتا ہے جو آغاز بعثت میں نازل ہوئی تھیں اور ان سورتوں میں بھی جو آنحضرت ﷺ کی آخری زندگی میں نازل ہوئیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (المزمل ۷۳:۲۰) اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اچھا مال کاٹ کر اللہ کو دو۔

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ (التوبہ ۹:۱۸) اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دی اور اللہ کے سوائے کسی کا خوف نہ کیا۔

---

[1] رسول کریم ﷺ نے زکوٰۃ کے متعلق فرمایا۔ "توخذ من اغنیاء ھم و تردوالی فقراء ھم" (بخاری کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ) یہ وہ مال ہے جو امراء سے لے کر غربا کو دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

انواع زکوٰۃ پانچ ہیں۔

سونا چاندی

سونا بیس مثقال (ساڑھے سات تولے) اور چاندی دوسو درہم (ساڑھے باون تولے) اور ان پر ایک سال گزر جانے کے بعد ۴۰/۱ حصہ دینا پڑتا ہے۔ نقدی کا نصاب سونے اور چاندی کی طرح ہے۔

مویشی

ان میں اونٹ، گائے بیل اور بھیڑ بکریاں داخل ہیں۔

اونٹوں کی شرح زکوٰۃ

تعداد	شرح زکوٰۃ
۵۔۹	ایک بکری
۱۰۔۱۴	دو بکریاں
۱۵۔۱۹	تین بکریاں
۲۰۔۲۴	چار بکریاں
۲۵۔۳۵	اونٹ کا ایک سال کا بچہ
۳۶۔۴۵	اونٹ کا دو سال کا بچہ
۴۶۔۶۰	اونٹ کا تین سال کا بچہ
۶۱۔۷۵	چار سال کا اونٹ
۷۶۔۹۰	دو سال کے دو بچے
۹۱۔۱۲۰	تین سال کے دو بچے

گائے بیل کی شرح زکوٰۃ

ایک سے انتیس تک کی تعداد پر زکوٰۃ نہیں۔

تعداد	شرح زکوٰۃ
۳۰ پر	ایک دو سالہ بچھڑا
۴۰ پر	تین سالہ بچھڑا
۶۰ پر	دو سال کے دو بچھڑے
۷۰ پر	ایک تین سال کا اور ایک سال کا

Marfat.com

۸۰ پر	تین سال کے دو
۹۰ پر	دو سال کے تین
۱۰۰ پر	دو سال کے دو اور تین سال کا ایک

بکریوں کی شرح زکوٰۃ

ایک سے انتالیس تک کی تعداد پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

تعداد	شرح زکوٰۃ
۴۰ سے ۱۲۰	ایک بکری
۱۲۱ سے ۲۰۰	دو بکریاں
۲۰۰ سے ۳۰۰	تین بکریاں

پھر ہر سینکڑے پر ایک ایک بکری

یہ ضروری ہے کہ مویشی بار برداری، گھی، دودھ اور افزائش نسل کے لیے پالے گئے ہیں اور سال کی اکثر مدت میں چرتے پھرتے رہے ہوں۔

سامانِ تجارت

تجارت کا سامان اگر سونے، چاندی کے نصاب تک پہنچ جائے اور اس پر ایک سال کی مدت گزر جائے تو ۱/۴۰ حصہ دینا پڑتا ہے۔

غلہ اور پھل

اگر زمین بارش یا قدرتی چشموں سے سیراب ہوتی ہے تو اس کی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ لیا جاتا ہے۔ جب کنوؤں یا مصنوعی ذرائع سے سیراب ہوتی ہو تو اس کی پیداوار کا ۱/۲۰ حصہ لیا جاتا ہے۔

صدقات

وہ مال جو ذی ثروت اصحاب طوعاً غرباء کی بہبود کے لیے بیت المال کو دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی (البقرہ ۲:۲۶۴) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ستا کر باطل نہ کرو۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ. (البقرہ ۲:۲۷۱) اگر تم خیرات کھلے طور پر دو تو کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر تم اسے چھپاؤ اور محتاجوں کو دو تو وہ بھی

Marfat.com

تمھارے لیے اچھا ہے۔

۲۔خمس

مال غنیمت کا پانچواں حصّہ۔

مال غنیمت اس مال دولت کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں نے غیر مسلموں سے لڑنے کے بعد حاصل کیا ہو۔قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الانفال ۸:۴۱) اور جان لو کہ جو چیز تم فتح پا کر حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصّہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور قریبیوں کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔

اموالِ غنیمت دو طرح کے ہیں۔(۱) منقولہ اموال (۲) غیر منقولہ جائیداد

اموالِ منقولہ میں خمس (پانچواں حصّہ) نکالنے کے بعد باقی چار حصّے مجاہدین پر تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔اس تقسیم پر تمام آئمہ مجتہدین متفق ہیں۔اموالِ غیر منقولہ کے بارہ میں آئمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

اموال منقولہ کی طرح اموال غیر منقولہ بھی مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور خلیفہ ان کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اموال غیر منقولہ میں امام کو اختیار حاصل ہے کہ چاہے مجاہدین میں تقسیم کرے چاہے مفتوحہ زمینوں کو بیت المال کے سپرد کر دے تاکہ ان کی آمدنی ملکی ضروریات پر خرچ کی جا سکے۔

دونوں حکم حالات اور وقت کے تقاضے کے مطابق ٹھیک ہیں۔اگر حالات تقاضا کرتے ہوں کہ اموال غیر منقولہ مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں تو تقسیم کرنا بھی ٹھیک ہے جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے بنی قریظہ پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد ان کی زمینیں خمس نکالنے کے بعد مہاجرین میں تقسیم کر دیں اس لیے کہ مہاجرین حاجت مند تھے۔انصار میں سے صرف تین افراد کو اس میں سے حصّہ دیا (۱) سہیل بن حنیف (۲) ابو دجانہ (۳) ارث بن صمہ کیونکہ انصار میں سے یہ حضرات ضرورت مند تھے۔

خیبر فتح ہوا تو اس کی تقسیم آنحضرت ﷺ نے اس طرح فرمائی۔اس کو چھتیس حصوں میں تقسیم کیا اور ایک ایک حصّہ میں سو سو حصّہ مقرر کیا۔پھر اس میں سے نصف یعنی اٹھارہ حصوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا اور باقی ماندہ اٹھارہ حصوں کو مسلمانوں میں تقسیم نہ کیا بلکہ اس کو دوسری ملکی ضروریات کے لیے محفوظ کر لیا۔

رسول کریم ﷺ کے اس طرز عمل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اموال غیر منقولہ مجاہدین میں تقسیم کرنا ضروری نہیں، بلکہ حالات کے مطابق تقسیم کرنا چاہیے۔

Marfat.com

رسول کریم ﷺ کے اسی طرزِ عمل کو حضرت عمرؓ نے سامنے رکھ کر عراق وغیرہ کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ وہاں کی زمینیں ان کے مالکوں کے پاس ہی رہنے دیں اور ان پر خراج مقرر کیا تاکہ اس سے ملکی ضروریات پوری ہو سکیں۔

(ب) مال رکاز

وہ مال جو دفینوں اور کانوں سے نکلتا ہے۔

اس مال میں خمس (پانچواں حصّہ) حکومت کا ہوگا۔ باقی چار حصّے اس شخص کو مل جائیں گے جس نے اسے پایا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ ان رسول اللہ ﷺ قال...... **فی الرکاز الخمس** کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ دفینہ میں اسلامی حکومت کا پانچواں حصّہ ہے۔

عشر

ارضی پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ** (البقرہ۲:۲۶۷) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ خرچ کرو پاکیزہ چیزیں جو تم نے کمائیں اور جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالیں۔

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام۶:۱۴۲) جس دن تم (فصل) کاٹو (اللہ کا) حق ادا کرو۔

رسول کریم ﷺ نے اس کے نصاب کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔ **قال فیما سقت السماءُ والعیون اَو کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العُشر** (بخاری کتاب الزکاۃ) فرمایا جس زمین کی آب پاشی بارش اور چشموں سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصّہ دیا جائے گا۔ جس کی پانی کھینچ کر (کنواں وغیرہ سے) کی گئی ہو اس کی پیداوار کا بیسواں حصّہ لیا جائے گا۔

یہ فرق صرف محنت اور اخراجات کی وجہ سے ہے۔ جس زمین پر محنت اور اخراجات کم ہیں۔ وہاں دسواں حصّہ اور جہاں محنت اور اخراجات زیادہ ہیں وہاں پیداوار کا بیسواں حصّہ۔ جیسا کہ حدیث کا متن واضح کرتا ہے زمین بارش سے سیراب ہوتی ہے۔ وہاں قدرتی آب پاشی کی وجہ سے اخراجات کم ہیں۔ زمین کی پیداوار کا دسواں حصّہ لیا جائے گا۔ جہاں کنوؤں اور ٹیوب ویلوں سے زمین سیراب کی گئی ہے اخراجات بڑھ گئے ہیں وہاں بیسواں حصّہ۔

صاحب ہدایہ مرغینانی لکھتے ہیں **لان المونه تکثر فیه و تقلی فیما یسقی بالسماء او سیحًا**۔ (ہدایہ ج ۱ کتاب الزکاۃ الزروع والثمار)

فصول پر عشر نافذ کرنے کے بارے میں اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک کھیتوں کی

Marfat.com

ہر قسم کی پیداوار پر کم ہو یا زیادہ یا جس قسم کی بھی ہو عشر واجب ہے ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے۔ "وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ" (البقرہ ۲۶۷) (جو کچھ ہم نے تمھارے فائدہ کے لیے زمین سے پیدا کیا ہے عشر ادا کرو) لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک صرف اسی پیداوار پر واجب ہے جو دو شرطیں پوری کرتی ہو۔ ا۔ لوگ اس کا ذخیرہ کرسکیں لہٰذا ایسی سبزیات جن کا ذخیرہ نہیں کیا جاسکتا (کھیرا، ککڑی، توری، بینگن، ساگ پات وغیرہ) پر عشر واجب نہیں۔ ۲۔ پیمانے سے ناپ تول کی جاسکیں مثلاً اناج، دالیں وغیرہ (کتاب الخراج ص ۳۰۔ امام ابو یوسف الھدایہ ج ا کتاب الزکاۃ مرغینانی)

امام شافعی اور امام مالک بھی یہی رائے ہے (الاحکام السلطانیہ باب ۱۱ ص ۱۱۴ ماوردی)

حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے سے اتفاق کرنے والے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، مجاہدؒ، حمادؒ، داورؒ اور ابراہیم نخعی میں، مالکی فقہاء کی ایک نمایاں شخصیت ابن العربی امام ابوحنیفہ کی تائید کرتے ہیں۔

مفاد عامہ کے پیش نظر امام ابوحنیفہ کی رائے زیادہ قرین قیاس اور قوی ہے کیونکہ سبزیات کی بیع سے بھی تو کاشت کار آمدن حاصل کرتا ہے۔

دوم۔ بیت المال میں جتنی زیادہ آمدن ہوگی۔ ملکی معاشی حالت مضبوط ہوگی اور عوام کو فائدہ ہوگا۔

نصاب

امام ابوحنیفہ اور حضرت امام زفر کے نزدیک کھیتوں کی پیداوار پر کوئی نصاب نہیں ہر پیداوار خواہ کم ہو خواہ زیادہ پر عشر واجب ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک جب عشری زمین کی پیداوار پانچ وسق تک پہنچ جائے تب عشر واجب ہے۔ (الاحکام السلطانیہ ماوردی باب ۱۱ ص ۱۱۴۔ موطأ امام مالک کتاب الزکاۃ) بخاری شریف کی ایک حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ، موطأ امام مالک کتاب الزکوٰۃ)

۴۔ فئ

وہ مال ہے جو محارب قوموں سے بغیر جنگ و جدل کے حاصل ہو۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الحشر ۵۹:۶) اور اللہ نے اپنے رسول کو ان سے جو مال دلوایا تو تم نے اس پر گھوڑے نہیں دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے۔ تسلط دے دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فئ کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا۔ ایک حصہ رسول کریم ﷺ کی حیات تک آپ کا ہوتا تھا اور باقی چار حصے آپ کے قرابت داروں، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کو دیے جاتے تھے۔

Marfat.com

۴/۵ حصہ حضرت عمرؓ کے ابتدائی دورِ خلافت تک مجاہدین میں اسلحہ جنگ خریدنے کے لیے تقسیم کر دیا جاتا تھا جب اسلحہ فراہم کرنے کا انتظام حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تو یہ مال بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔

۵۔ خراج

وہ سرکاری لگان ہے جو غیر مسلم مفتوحین کی غیر مقبوضہ زمین پر سالانہ عائد ہوتا تھا۔ خراج وصول کرنے کے دو طریقے تھے۔ ایک پیمائش کا طریقہ تھا۔ اس میں زمین کی پیمائش یا تخمینہ کے بعد نقد یا پیداوار کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس طریقہ پر خراج مقرر کیا تھا۔

دوسرا طریقہ بٹوارے کا تھا اس میں پیداوار کا ایک معین حصہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں پایا جاتا تھا۔

خراج زمین کی زرخیزی اور وسائل آب پاشی کی سہولتوں کا لحاظ کر کے مقرر کیا جاتا تھا۔

۶۔ جزیہ

جزیہ اس ٹیکس کا نام ہے جو اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم افراد سے ان کی طے شدہ مرضی کے مطابق لیا جاتا تھا۔ یہ ٹیکس ان کی فوجی خدمت اور ان کی محافظت کے عوض میں لیا جاتا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ جزیہ کی رقم ذمیوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جائے۔

جزیہ کی مقدار حسب ذیل تھی۔

۱۔	دولت مندوں سے	۴۸ درہم سالانہ	(بارہ روپے)
۲۔	متوسط طبقہ سے	۲۴ درہم سالانہ	(چھ روپے)
۳۔	ادنیٰ طبقہ سے	۱۲ درہم سالانہ	(تین روپے)

متذکرہ بالا مقدار عام قانونی حیثیت رکھتی ہے لیکن امیر مملکت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس سے کم مقدار پر بھی اہل الذمہ سے سمجھوتہ کرے۔ اس صورت میں جزیہ کی مقدار کسی صورت میں بھی بڑھائی نہیں جا سکتی۔

صاحب ہدایہ لکھتا ہے۔ **لان الموجب ھو التراضی فلا یجوز التعدی الی غیر ماوقع علیہ الاتفاق** چونکہ یہ مقدار باہم رضامندی سے طے پائی ہے۔ اس لیے اس سے تجاوز کرنا جائز نہ ہوگا۔

غرباء، بوڑھوں، غلام، درویش، مذہبی رہنما اور معذور افراد سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

Marfat.com

۷۔ عشور

عشور وہ ٹیکس ہے جو ان غیر مسلم تاجروں سے وصول کیا جاتا ہے جو اسلامی ریاست میں تجارت کی غرض سے مال لے کر داخل ہوتے ہیں۔

یہ ٹیکس حضرت عمرؓ کے عہد میں شروع ہوا۔ وہ اس طرح کہ حضرت موسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو لکھا کہ

ہمارے ملک کے مسلمان تاجر جب حربی علاقوں میں جاتے ہیں تو وہ لوگ ان سے دسواں حصّہ وصول کرتے ہیں۔

تو حضرت عمرؓ نے انھیں لکھا کہ ''تم بھی ان سے اسی طرح وصول کرو جس طرح وہ مسلمان تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔

یہ سال میں ایک دفعہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

۸۔ کراء الارض

ریاست کی زمینوں کا مقررہ لگان جو کاشتکاروں کی باہمی رضامندی سے وصول کیا جاتا ہے۔
(درمختار ج ۳ ص ۳۵۳ باب العشر والخراج)

۹۔ وقف

وقف وہ جائیداد ہے جو مالک جائیداد خدا کے نام پر بیت المال کے نام پر وقف کر دیتا ہے۔

۱۰۔ ضرائب

وہ مالی امداد جو امراء سے غرباء کے لیے وصول کی جاتی ہے۔ یہ ٹیکس اس وقت امراء پر عائد کیا جاتا ہے۔ جب وہ معاشی قوانین پر عمل نہ کریں اور امراء دولت جمع کر کے عوام کی غربت کا سبب بن جاتے ہیں تو معاشی توازن قائم رکھنے کے لیے حکومت امراء پر ٹیکس عائد کر دیتی ہے۔

۱۱۔ لقطہ

وہ مال جس کا کوئی مالک نہ مل سکے۔ اس میں گری پڑی چیزوں کے علاوہ وہ تمام اموال شامل ہیں جو کسی کی ملکیت میں رہے ہوں لیکن اب ان کے مالک کا پتہ نہ چلتا ہو۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مال کے متعلق ایک سال تک اشتہار کا اہتمام کرے۔ اگر مالک نہ ملے تو اس کو غرباء میں تقسیم کر دے۔

رسول کریم ﷺ سے روایت ہے فرمایا لاتحل اللقطة فمن التقط شيئا فليعرفه سنة فان

Marfat.com

جاء صاحبها فليود عليه وان لم يات فليتصدق. (بدائع الصنائع ج ٦ ص ۲۱۲) لقطہ حلال نہیں ہے۔ لہٰذا جو کوئی چیز کو اٹھائے اسے چاہیے کہ ایک سال تک اس کا اشتہار کرے۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو اس مال کو اس کے حوالے کر دے اور اگر نہ آئے تو اسے خیرات کر دے۔

امام اوزاعی کی رائے ہے کہ لقطہ کے طور پر پایا جانے والا مال کثیر رقم ہے تو اسے بیت المال میں داخل کر دے۔ (بدایۃ المجتہدین ابن رشد ج ۲ ص ۳۰۶)

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ مال جو کسی مسلمان کا ہو لیکن اس کے مالک یا ورثاء کا پتہ نہ چل سکے تو ریاست کی ملکیت میں داخل کر لیا جائے گا۔ (السیاست الشرعیہ فی احوال الراعی والرعیہ ص ۴۰)

۱۲۔ لاوارث ترکے

ایسے تمام ترکے جن کا کوئی شرعی وارث نہ ہو۔ یا وہ مال جس کو مالک نے وصیت کے ذریعہ اس کا حق ملکیت بیت المال کی طرف منتقل کیا ہو۔ اسلامی ریاست کی ملکیت سمجھا جائے گا کیونکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے...... وانا وارث من لاوارث له ارثه واعقل عنه. (کتاب الاموال ابوعبیدہ ص ۲۲۱) اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث میں ہوں میں اس کا ترکہ پاؤں گا اور اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا۔

حضرت عمرؓ بھی اسی اصول پر عمل کرتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر ابن الخطاب کو مصر کے ایسے راہبوں کے بارے میں لکھا جو وارث چھوڑے بغیر مر جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے انھیں جواب دیا کہ جس راہب کے پیچھے اس کی نسل میں کوئی زندہ ہو تو اس کا ترکہ اس کے حوالے کر دیا جائے اور جس کے پیچھے کوئی نہ ہو اس کے مال کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا جائے کیونکہ ان کی ولایت مسلمانوں کو پہنچتی ہے۔

(فتوح مصر و اخبارھا از ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ بن الحکم ص ۹۰)

قاضی ابو یوسف کہتے ہیں۔

''مسلمانوں میں سے جو کوئی بھی لاوارث مر جائے۔ اس کا مال بیت المال کی ملکیت قرار پائے گا۔'' (کتاب الخراج ص ۲۳۱)

۱۳۔ کاروبار کے منافع

اسلامی ریاست کو مختلف قسم کے نفع اور کاروبار کرنے کا حق حاصل ہے جو نفع حاصل ہوگا وہ اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پائے گا۔

Marfat.com

۱۴۔ نشوونمائے ملکیت

اسلامی ریاست کی املاک سے حاصل ہونے والی آمدنی بیت المال میں داخل ہوگی۔ مثلاً درختوں کے پھل، جنگلات، جانوروں کی نسل وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدن ریاست کی ملکیت ہے۔

۱۵۔ النوائب

نوائب سے مراد ہنگامی ٹیکس ہیں جو خاص حالات کی وجہ سے عوام پر عائد کیے جاتے ہیں۔ ہدایہ میں نوائب کی یہ تعریف کی گئی ہے۔

ماینوبه من غیر راتب (باب الکفالہ) وہ مطالبہ زر جو دائم اور مسلسل نہ ہو۔

جب حکومت کو ہنگامی حالات درپیش ہوں۔ خزانہ ملکی ضروریات کا متحمل نہ ہوسکتا ہو۔ ان حالات میں حکومت عوام پر ملی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ٹیکس عائد کرسکتی ہے لیکن یہ امر لازمی ہے۔ یہ ٹیکس اتنا زیادہ نہ ہو جو لوگوں کی برداشت سے باہر ہو۔ حالات کے مطابق قومی ترقی کے لیے نئے ٹیکس لگائے جاسکتے ہیں۔ وہ تمام ٹیکس "نوائب" کے زمرہ میں آئیں گے۔

Marfat.com

باب ۷

تقسیم دولت

زکوٰۃ۔ رکاز (دفینہ) طوعی انفاق (صدقات و خیرات) عشر۔
وراثت۔ وصیّت۔ وقف۔ ہبہ۔ کفارات۔ صدقۃ الفطر۔ نفقات۔ عفو

Marfat.com

تقسیم دولت

کسی اقتصادی نظام کے حسن کا مدار اس کے نظام تقسیم دولت پر ہے اگر تقسیم کی راہیں عوام کی طرف کھلیں گی تو عوام خوش حال ہوں گے۔ اگر تقسیم کی راہیں مخصوص طبقے کی طرف وا ہوں گی تو عوام مفلوک الحال اور خواص مرفہ الحال ہوں گے۔ سرمایہ داری نظام نے تقسیم دولت کی بنیاد افراد پر رکھی ہے تو معاشرہ پر ظلم ہوا ہے اور اشتمالیت نے اجتماع پر بنیاد رکھی ہے تو افراد پر ظلم ہوا ہے صرف اسلام نے ہی تقسیم دولت کا عادلانہ نظام پیش کیا ہے جس نے سرمایہ کار کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے دولت کا بہاؤ عوام کی طرف رکھا ہے جس سے عوام اور سرمایہ کار کے درمیان رشتہ اخوت استوار رہتا ہے۔

تقسیم دولت کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک صورت عمل اور ضرورت کی بناء پر ہے اور دوسری صورت حصول ملکیت کے بعد تقسیم دولت کی مختلف راہیں۔ پہلی صورت کے لحاظ سے اسلام نے اپنے نظام تقسیم میں عمل اور ضرورت دونوں کو سامنے رکھا ہے۔ اسلام انسان کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر حصول رزق کی سعی کرے۔ اس کی اس سعی اور عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (النجم:۳۹) انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کوشش کی یعنی انسان کو معاوضہ بمقدار محنت ملتا ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ (النساء:۳۲) مردوں کے لیے ان کی کمائی کے موافق حصہ ہے جبکہ عورتوں کے لیے ان کی کمائی کے متعلق حصہ ہے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں اعملوا فکل میسر لما خلق له. (بخاری و مسلم بحوالہ کنوز الحقائق) عمل کرو ہر شخص کے لیے وہ کام آسان ہے جس کی وہ صلاحیت رکھتا ہے۔

فرمایا اسعوا فان اللہ کتب علیکم السعی. (مسند امام احمد کنوز الحقائق) کوشش کرو کیونکہ اللہ نے تم پر کوشش کرنی فرض کی ہے۔

فرمایا اجملوا فی طلب الدنیا فان کلا میسر لما خلق له. (ابن ماجہ باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ) دنیا کی طلب اپنی صلاحیت کے مطابق کرو اس لیے جس لیے آدمی پیدا کیا گیا ہے وہ ضرور اس کو ملے گا۔

رسول کریم ﷺ مزدور کی اجرت کی ادائیگی کے متعلق فرماتے ہیں۔ اعْطُوا الاجیر اَجرَہٗ قبل اَنْ یجفَّ عرقه. (ابن ماجہ کتاب الاجارہ) مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

حدیث میں آتا ہے۔ ان رسول الله نهى عن استجار الاجير حتى يبين له اجره. (البیہقی کتاب الاجارہ) رسول کریم ﷺ نے ممانعت فرمائی کہ مزدور اور اجیر کو اس کی اجرت طے کیے بغیر کام پر لگایا جائے۔

حدیث قدسی ہے۔ قال رسول اللهﷺ قال الله عزوجل ثلثة انا خصمهم يوم القيمة ومن كنت خصمه خصمته...... وبرجل استاجر اجيراً استوفى منه ولم يوفه. (بیہقی کتاب الاجارہ) رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تین قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا اور جس سے میں جھگڑوں گا اس کو مغلوب ہی کر کے چھوڑوں گا...... ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہے اور اس کے مناسب اس کی مزدوری نہیں دیتا۔

فرمایا (وہ مزدور) تمہارے بھائی ہیں۔ ان کو خدا نے تمہارے ماتحت کیا ہے پس جس کے ماتحت خدا نے بھائی کو کیا ہے اس کو چاہیے کہ وہ جو خود کھائے وہی اس کو کھلائے جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے اور جو کام اس کی طاقت سے باہر ہو اس کی اسے تکلیف نہ دے اور اگر اسے تکلیف دے پھر اس کی مدد کرے۔ (بخاری کتاب الایمان)

اشتمالی نظام اقتصاد میں عامل کے عمل کے نتائج سماج کی ملکیت ہیں۔ عامل کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ معاشرہ ان کی ضرورت کے مطابق ان کو دے گا جبکہ سرمایہ دارانہ نظام اقتصاد میں اجیر کا استحصال ہے۔ یعنی اجرت کم۔ کام زیادہ۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا نظام ہے جس کی رو سے اجیر کو اس کی مزدوری کا صلہ نہ صرف پورا ملتا ہے بلکہ وہ آجر کا بھائی ہوتا ہے اور اس کی تمام ضروریات کا محافظ ہوتا ہے۔

تقسیم دولت کا دوسرا عنصر ضرورت ہے۔ ضرورت کے لحاظ سے معاشرہ دو حصوں میں منقسم ہے ایک وہ لوگ ہیں جو اپنی فکری اور فطری صلاحیتوں کی بناء پر اپنی معیشت کے حصول کے لیے پوری پوری قدرت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کی محنت کا پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی یعنی انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا۔

ایک طبقہ وہ ہے جو بدنی اور ذہنی کمزوری کی وجہ سے کسی کام کے کرنے سے عاجز ہیں۔ صرف اسلام کا ہی ایک ایسا نظام اقتصاد ہے جس نے ان کے سہارے اور ربوبیت کا بندوبست کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات:۱۹) یعنی ان کے مالوں میں سوالیوں اور محروموں کا حصہ ہے۔

اسلام کی رو سے معاشرہ (اسلامی حکومت) کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان محتاجوں کی ضرورت کو

Marfat.com

پورا کرے۔

رسول کریم ﷺ نے ذمہ داری کو پورا نہ کرنے والے کے متعلق ایک حدیث قدسی میں فرمایا۔ (قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ خدا ایک انسان سے کہے گا) اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی بندہ متعجب ہو کر کہے گا بھلا ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے اور تُو تو تمام جہانوں کا رب ہے۔ خدا فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی۔ اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اسی طرح خدا فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہیں کھلایا بندہ عرض کرے گا بھلا ایسے کیسے ہوسکتا ہے۔ میں تجھے کھلاتا۔ آپ تو خود تمام جہانوں کو کھلانے والے تھے خدا فرمائے گا! کیا تجھے یاد نہیں کہ فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے کھلانے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر تُو اسے کھانا کھلاتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔ ایسے ہی خدا فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تُو نے مجھے پانی نہیں پلایا بندہ عرض کرے گا تُو تو خود پروردگار عالم ہے۔ خدا فرمائے گا میرے فلاں پیاسے بندہ نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے اسے نہیں پلایا اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔'' (مسلم عن ابی ہریرہ)

یہ حدیث واضح کرتی ہے اسلام کا ہی ایک ایسا نظام اقتصاد ہے جو ہر قسم کے معذور اشخاص کی ربوبیت کے لیے ذمہ داری معاشرہ پر ڈالتا ہے اور اگر معاشرہ اس ذمہ داری کو ادا نہیں کرتا تو خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔

تقسیم دولت کی راہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تقسیم دولت کے لیے ایک طریقہ انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنا) بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کے آغاز میں ہی متقی کی علامات میں سے ایک علامت یہ بیان کی ہے۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (بقرہ۲:۳) جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (بقرہ ۲:۱۹۵) اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ڈالو۔

ارشاد الٰہی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (بقرہ۲:۲۵۴) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اس میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوستی اور نہ ہی سفارش کام آئے گی اور کافر ہی ظالم ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ. (بقرہ۲:۲۶۷) اے لوگو! جو ایمان لائے

Marfat.com

ہو ان اچھی چیزوں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ. (بقرہ ۲:۲۱۹) وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ جو ضرورت سے زائد ہے۔ (وہ ذیل کی راہ میں خرچ کر دیجئے)

انفاق کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ لازمی (زکوٰۃ)۔ ۲۔ طوعی خیرات

زکوٰۃ کے معنی اس کی حقیقت اور اس کی اہمیّت

زکوٰۃ کا لفظ زکا سے مشتق ہے۔ کھیتی میں نمو آنے یا اس کے بڑھنے پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اسے زکوٰۃ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس سے قومی مال بڑھتا ہے یا اس سے تزکیہ نفس ہوتا ہے اسلامی اصطلاح میں زکوٰۃ وہ مال ہے جو نصاب کے تحت امراء سے لیا جاتا ہے اور سورۃ توبہ کی آیت ۶۰ کی رو سے حاجت مندوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے لیے دو اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ (۱) صدقہ (۲) انفاق فی سبیل اللہ صدقہ صدق سے مشتق ہے۔ جس کے معنی سچائی اور خلوص کے ہیں۔ گویا زکوٰۃ کو صدقہ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ معطی کے ایمان میں سچائی اور خلوص کی چمک پیدا کرتی ہے۔ جس سے اس کا باطن روشن ہو جاتا ہے۔ دوم۔ صدقہ کا لفظ معطی کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنا مال خلوص اور صدق دل سے دے دے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ غرباء اور محتاجوں کو دینا گویا اللہ تعالیٰ کو دینا ہے۔

حقیقت زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اس کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے تا کہ وہ اللہ کی صفات کو ظلی طور پر ظاہر کرے۔

اللہ تعالیٰ کی ان گنت صفات میں سے ایک صفت ربوبیت ہے۔ یہ صفت انسان سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق صفت ربوبیت کا اظہار کرے اسلام نے وہ اظہار زکوٰۃ خیرات اور صدقات کی صورت میں بیان کیا ہے۔ زکوٰۃ دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ظلی طور پر اظہار ہے۔

اہمیّت

قرآن مجید نے اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ ایتائے زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے۔ جس میں یہ حکمت بالغہ ہے کہ انسان اس وقت تک صحیح تربیت یافتہ نہیں کہلا سکتا۔ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے کے

Marfat.com

ساتھ ساتھ مخلوق الٰہی کی خدمت بجا نہیں لاتا۔ یہ دونوں پہلو ہی تکمیل انسانیت کے لیے ضروری ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُو الزَّکٰوۃَ (البقرہ۲:۴۳) یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ فَاِنْ تَابُوا وَاَقَامُو الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ (توبہ ۹:۱۱) اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الحکیم ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ o الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ. (سورۃ لقمٰن ۳۱:۲.....۴) یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ ھدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ o الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (بقرہ۲۔۳) یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں۔ یہ پرہیزگاروں کے لیے ہدایت کا موجب ہے پرہیزگار وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال سے خرچ نہ کرنے والوں کے لیے قرآن مجید اور حدیث میں سخت تہدید بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْ نَھَا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ. یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَاکَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تکنزون. (توبہ ۹:۳۴،۳۵) یعنی جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو درد ناک عذاب کی خبر دے جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں پر داغ لگایا جائے گا۔ یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا گیا تھا۔ سو اس کا مزا چکھو جو تم جمع کرتے تھے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ. (۳:۱۸۰) اور وہ لوگ جو اس میں سے بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کے لیے اچھا ہے بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے۔ قیامت کے دن وہی اُن کے گلے کا طوق بنایا جائے گا۔ جس میں وہ بخل کرتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ زکوٰۃ نادہندگان کے متعلق فرماتے ہیں۔ مُثِّلَ لہ یوم القیمۃ شجاعًا اَقْرَعَ لَہٗ زبیبتان یطوقہ یوم القیمہ ثم یاخذبلھز متیہ (یعنی شدقیہ) ثم یقول انا مالک انا کنزک ثم تلا وَیَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الایۃ (بخاری کتاب الزکوٰۃ، موطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ) (وہ دولت) قیامت کے دن اس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گی۔ اس کے سر کے بال

جھڑ گئے ہوں گے اور اس کی آنکھوں کے اوپر سفید نقطے ہوں۔ پھر وہ سانپ گلے کا ہار بنا دیا جائے گا۔ پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں اور میں ترا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الخ۔

حدیث میں آتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَیْهِمْ صَدَقَةً تُوْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِیْ فُقَرَآئِهِمْ (بخاری ۱:۲۴) کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کیا ہے کہ وہ ان کے امراء سے وصول کر کے غرباء میں تقسیم کیا جائے۔

قرآن مجید کی آیات یہ ظاہر کرتی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے نماز اور زکوٰۃ کو اپنی اپنی امتوں کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَا اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ o (سورۃ الانبیاء ۲۱:۷۳) اور ہم نے انھیں امام بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیکیوں کے کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

موسوی شریعت میں اس کا حکم ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (مائدہ ۵:۱۲) اور اللہ تعالیٰ نے کہا میں تمھارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو اور اچھا مال اللہ کو کاٹ کر دو گے تو میں ضرور تمہاری برائیاں تم سے دور کر دوں گا اور ضرور تم کو باغوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ پس جو کوئی تم میں سے اس کے بعد انکار کرے۔ وہ یقیناً سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ہے۔ تورات میں زکوٰۃ کا حکم خروج ۲۳:۱۰، ۱۱ میں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَیًّا (مریم ۱۹:۳۱) اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ ہوں۔

انجیل لوقا (۱۸.....۱۰) اور ۲۱ ویں باب کی پہلی آیت متی ۱۹۔۲۴۔ متی ۱۷۔ ۲۴ میں زکوٰۃ ادا کرنے کی تعلیم ہے۔

زکوٰۃ کن اموال پر فرض ہے

سونا، چاندی، نقدی خواہ سکے کی شکل میں ہو یا نوٹ ہوں۔ مال تجارت پر اور ان جانوروں پر جو

Marfat.com

سال کا اکثر حصہ چر کر اپنا پیٹ پالتے ہیں اور زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ فرض ہے۔ زمین اور سکنی مکان استعمال کی جانے والی چیزیں جواہرات، ترکاری، سبزیاں، پھل وغیرہ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

اسلام نے نہایت ہی حکمت بالغہ سے ان اشیاء پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو کچھ عرصہ تک محفوظ رہ سکتی ہیں اور ان سے اور ان میں ترقی ونشوونما کی صلاحیت موجود ہو جو اشیاء زیادہ عرصہ محفوظ نہ رہ سکتی ہوں اور ان میں ترقی اور نشوونما کی صلاحیت بھی موجود نہ ہو۔ ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

نصاب زکوٰۃ

مختلف مالوں کا نصاب زکوٰۃ مختلف ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

چاندی کی صورت میں ۲۰۰ درہم یا ۲/۲۱ تولے تقریباً ۲۱ اونس

سونے کی صورت میں ۲۰ مثقال یا ساڑھے سات تولے تقریباً ۳ اونس

نقدی اور مال تجارت کی صورت میں قیمت کا شمار اور نصاب چاندی کے معیار پر ہوگا۔

زیورات اگر چاندی کے ہیں تو چاندی کا نصاب اگر سونے کے زیور ہیں تو سونے کا نصاب ہوگا۔

حیوانات کی صورت میں نصاب اونٹوں کے لیے پانچ، بیلوں اور گائیوں کے لیے تیس اور بکریوں کے لیے چالیس ہے۔

زکوٰۃ کی شرح

جب کسی مال پر ایک سال گزر جائے تو اس پر حسب ذیل شرح سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جمع شدہ مال پر اڑھائی فیصد اور حیوانات کی شرح کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

	تعداد	شرح زکوٰۃ
اونٹ	۵......۹	ایک بکری
	۱۰......۱۴	دو بکریاں
	۱۵......۱۹	تین بکریاں
	۲۰......۲۴	چار بکریاں
	۲۵......۳۵	اونٹ کا ایک سال کا بچہ
	۳۶......۴۵	اونٹ کا دو سالہ بچہ
	۴۶......۶۰	تین سال کا اونٹ کا بچہ
	۶۱......۷۵	چار سال کا اونٹ
	۷۶......۹۰	دو سال کے دو بچے

Marfat.com

۹۱......۱۲۰	تین سال کے دو بچے

۱۲۰ کے بعد ہر چالیس پر دو سال کا ایک بچہ اور ہر پچاس پر تین سال کا ایک بچہ۔

بکری

ایک سے ۳۹ تک کی تعداد پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

۴۰......۱۲۰	ایک بکری
۱۲۱......۲۰۰	دو بکریاں
۲۰۱......۳۰۰	تین بکریاں

پھر ہر سو پر ایک ایک بکری

گائے، بیل، بھینس

ایک سے انتیس تک کی تعداد پر زکوٰۃ نہیں۔

۳۰ پر	ایک دو سالہ بچھڑا
۴۰ پر	تین سالہ بچھڑا
۶۰ پر	دو سال کے دو بچھڑے
۷۰ پر	ایک تین سال کا اور ایک سال کا
۸۰ پر	تین سال کے دو
۹۰ پر	دو سال کے تین
۱۵۰ پر	دو سال کے دو اور تین سال کا ایک

زمین

زمین کی دو قسمیں ہیں۔ وہ زمین جو بارش یا قدرتی چشموں سے سیراب ہوتی ہے تو حکومت اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لے گی۔ جب زمین کنوؤں یا مصنوعی ذرائع سے سیراب ہوتی ہو تو اس سے پیداوار کا بیسواں حصہ لیا جاتا ہے۔

رکاز (دفینہ)

اسلامی تعلیم کی رو سے اگر کسی کو دفینہ مل جائے تو حکومت اس کے پانچویں حصہ کی مالک ہوگی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ ان رسول اللہ ﷺ قال..... فی الرکاز الخمس. کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ دفینہ میں اسلامی حکومت کا پانچواں حصہ ہے۔

Marfat.com

مصارف زکوٰۃ

اسلام دولت اور وسائل دولت دونوں کو اللہ تعالیٰ کی مِلک قرار دیتا ہے۔ انسان اس دولت کا امین ہے اس لیے انسان احکام شریعت کے مطابق ہی اس میں تصرف کر سکتا ہے۔ اگر احکام شریعت کے خلاف تصرف کرے گا تو وہ اسلام کی نظر میں خائن ہوگا۔ حکومت بھی اسی قاعدہ کے تحت امین ہے اس کی جو آمدنی ہے۔ وہ احکام الٰہی کے مطابق ہی صرف ہوگی۔ بعض تصرفات تو قرآن نے واضح طور پر بیان کر دیے ہیں۔ بعض کی وضاحت نہیں امیر مملکت کو اختیار حاصل ہے کہ حالات کے مطابق مسلمانوں اور ملک کی بہبود کے لیے خرچ کرے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِى سَبِيْلِ اللّٰهِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (توبہ ۹:۶۰) زکوٰۃ ناداروں کے لیے ہے اور مسکینوں اور اس کے کارکنوں کے لیے اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب ضروری ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے یہ اللہ کی طرف سے ضروری ٹھہرایا گیا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

فقراء

فقراء فقیر کی جمع ہے۔ فقیر فقر سے مشتق ہے جس کے معنی ریڑھ کی ہڈی کو توڑنا ہے یہ لفظ اس شخص پر بولا جاتا ہے جو کسی جسمانی عذر کی وجہ سے، بیماری کی وجہ سے، بڑھاپے کی وجہ سے یا جس پر کوئی سخت مصیبت آن پڑی ہو اور وہ اس قابل نہ رہا ہو کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکے۔

مساکین

مساکین، مسکین کی جمع ہے مسکین سکن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں وہ خاموش یا بے حرکت ہو گیا۔ مسکین سے مراد وہ شخص ہے جو کمانے کے لائق ہو مگر غربت یا عدم ذرائع کی وجہ سے کچھ کما نہ سکتا ہو اور کسی کے سامنے دست سوال پھیلانا پسند نہ کرے۔ ایک حدیث میں ہے۔ ”مسکین وہ ہے جو ضروری مال سے بھی محروم ہو اور پہچان میں نہ آئے اور نہ ہی وہ لوگوں سے کھڑے ہو کر مانگتا ہے۔“

رسول کریم ﷺ کا ایک قول ہے۔ لیس المسکین الذی لامال لہٗ ولکن المسکین الذی لا مکسب لہٗ یعنی مسکین وہ نہیں جس کے پاس مال نہیں بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کمائی کا ذریعہ نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس مال نہیں ہے وہ مسکین ہے لیکن جس کے پاس مال بھی نہیں اور

Marfat.com

نہ ذریعہ معاش ہے اس کی مسکنت تو شدید تر ہے۔ اس مد میں وہ تمام لوگ آ جاتے ہیں جو صاحب ہنر ہیں لیکن نادار ہیں اور اپنے ہنر کے لیے اوزار نہیں خرید سکتے۔ اس طرح وہ لوگ بھی شامل ہیں جو تعلیم یافتہ ہیں لیکن ان کو روزگار نہیں ملا۔ حکومت کا یہ فرض ہے کہ ان تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے زکوٰۃ کے فنڈ سے ماہوار وظیفہ مقرر کرے اس طرح غریب طلباء بھی مسکین کے زمرے میں آتے ہیں۔

عاملین علیہا

عاملین علیہا (کارکن) اس مد میں تمام وہ لوگ شامل ہیں جو زکوٰۃ کے جمع کرنے والے حساب رکھنے والے، حساب کی کتاب کا آڈیٹنگ کرنے والے ہیں گویا اس میں ریاست کی تمام سول انتظامیہ شامل ہے۔

اَلْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ (تالیف قلوب)

یہ چار قسم کے لوگ ہیں اوّل ایسے لوگ جو دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے لیکن ان کو اسلام کے قریب لانے کی ضرورت ہے۔ اس قسم کے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے کئی طریقے ہیں ان کے لیے سکول، ہسپتال اور دیگر رفاہی ادارے قائم کیے جائیں۔ ان کے لیے اسلامی کتب کی لائبریریاں بنائی جائیں۔ اسلامی لٹریچر مفت تقسیم کیا جائے وغیرہ۔

دوم وہ نومسلم جن کے قلوب میں اسلام پورے طور پر راسخ نہیں ہوا ان کی امداد اور ان کو تعلیم اسلام سے واقف کرانے کے لیے بیت المال سے خرچ کیا جائے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے مذہب کو ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوگا تو اس کے اعزہ واقربا اور ہم قوم اس سے اپنے تعلقات قطع کر لیں گے۔ کیونکہ انسان کی عقل پر مذہبی تعصب کی اتنی دبیز یں ہوتی ہیں کہ وہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کا کوئی عزیز دوسرا دین قبول کرے۔

اس مصرف کا منشا یہ ہوتا ہے کہ نومسلم ایمان لائیں تو اسلامی حکومت ان کے اخراجات کا بوجھ اٹھائے اور اپنے اعزہ واقربا اور ہم قوم کا سوشل بائیکاٹ کو بھول جائیں اور مسلمانوں میں داخل ہو کر یہ سمجھیں کہ وہ ایسے معاشرہ میں داخل ہوئے ہیں جو خونی اور نسبی تعلقات سے بھی زیادہ محبت کرنے والا ہے۔

سوم وہ لوگ جن کے شر سے مسلمانوں اور اسلام کو بچانا مقصود ہوتا ہے تاکہ حالت جنگ میں وہ غیر جانب دار رہیں گے۔

چہارم وہ لوگ ہیں جن کو رقم اس لیے دی جائے کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں۔

فی الرقاب (غلاموں کو آزاد کرانا)

اسلام کے علاوہ کوئی مذہب نہیں جس نے غلاموں کی رہائی کے لیے باضابطہ طور پر بیت المال سے ایک مد مقرر کر دی ہو۔ یہ آزادی تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ ا۔ حکومت مالکوں سے غلام خرید کر آزاد

Marfat.com

کرائے۔۲۔ اسیران جنگ کا فدیہ دیا جائے۔۳۔ ان غلاموں کی مدد کی جائے جو مالک سے مکاتبہ کر کے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ فی الرقاب میں مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کے غلام شامل ہیں۔

طبقات ابن سعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک خط نقل کیا ہے وہ خط گورنر یمن کے نام ہے۔ اس خط میں لکھتے ہیں کہ جتنی رعایا دشمن کے ہاتھ قید ہے اس کو چھڑانے کے لیے سرکاری خزانے سے رقم خرچ کی جائے اس صراحت کے ساتھ کہ چاہے وہ مسلمان ہو یا ذمی۔

گویا اسیران جنگ کی رہائی کے لیے بھی اسی مد سے خرچ کیا جائے گا۔

الغارمین (مقروض)

قرض داروں کا قرض اتارنے کے لیے زکوٰۃ کی مد سے خرچ کیا جائے گا۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن پر جرمانہ ہو گیا ہو مگر یہ شرط ضروری ہے کہ مقروض پر قرضے کا بوجھ عیاشی اور فضول خرچی کی وجہ سے نہ پڑا ہو بلکہ کسی ناگہانی مالی مصیبت کی وجہ سے، مال چوری ہو جانے، تجارت میں گھاٹا پڑ جانے کی وجہ سے قرض کے بوجھ تلے آ گیا ہو اور اس سے نجات حاصل کرنا مشکل نظر آتی ہو تو حکومت کا یہ فرض ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی مدد زکوٰۃ فنڈ سے کرے۔

حضرت عمرؓ نے لفظ غارمین سے استنباط کی ایک نئی راہ نکالی ہے۔ وہ یہ ہے خزانہ سے لوگوں کی امداد نہیں بلکہ قرضہ حسنہ بلاسود دینا ہے ایک ایسا شخص ہے جس کو امداد کی ضرورت نہیں لیکن اس کو کاروبار چلانے کے لیے مال کی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں سرکاری خزانے سے اس قسم کے لوگوں کو مالی امداد کی جاتی تھی۔ یہ رقم بطور قرض کے ہوتی تھی۔ واپس کرنا ضروری ہوتا تھا۔

فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں)

اس سے مراد جہاد ہے۔ جہاد تین قسم کا ہے جہاد سیفی، جہاد قلمی، جہاد لسانی۔

جہاد سیفی سے مراد یہ ہے کہ ملک کے دفاع کا خرچ زکوٰۃ مد سے کیا جائے۔ جہاد قلمی سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لیے عمدہ عمدہ کتب زکوٰۃ کے فنڈ خرچ کر کے شائع کی جائیں۔

جہاد لسانی سے یہ مراد ہے کہ بیت المال کے خرچ پر مبلغ تیار کر کے بیرونی ملک بھیجے جائیں اور وہ فریضہ تبلیغ انجام دیں۔

فی سبیل اللہ

"فی سبیل اللہ" کے تحت تمام ملٹری انتظامیہ آ جاتی ہے سپاہیوں کی تنخواہ کی ادائیگی اور جدید ترین اسلحہ کی تیاری پر اس مد سے خرچ کیا جائے گا۔

Marfat.com

ابن السبیل (مسافر)

بیت المال سے مسافروں کی امداد کرنے کا حکم ہے۔ بعض اوقات سفر میں ایسے مراحل ہی آ جاتے ہیں کہ مسافر بیمار ہو جاتا ہے اس کی رقم گر جاتی ہے تو وہ بالکل ہی بے دست و پا ہو جاتا ہے اس صورت میں وہ مالی امداد کا محتاج ہو جاتا ہے حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس قسم کے مسافروں کی مالی امداد کر کے ان کے گھروں تک پہنچائے۔

ابن السبیل کے لفظ سے ٹورسٹ، ٹریفک کے انتظام پر خرچ کرنے کا استنباط بھی کیا جا سکتا ہے۔ سڑکوں پلوں وغیرہ کی تعمیر اس میں شامل ہے۔

جب سے زکوۃ کی تقسیم نجی ہاتھوں میں آئی ہے اس کا مفہوم بھی تنگ ہو گیا ہے۔ فقہاء نے زکوۃ کے مستحقین صرف مسلمان قرار دیے ہیں۔ حضرت عمر کے دور میں زکوۃ غیر مسلموں پر بھی خرچ کی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ ایک روز مدینہ میں کسی گلی سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص بھیک مانگ رہا ہے۔ اس سے بھیک مانگنے کی وجہ پوچھی تو بوڑھے نے کہا کہ میں یہودی ہوں۔ جوانی میں کاروبار کیا کرتا تھا اور جزیہ دیا کرتا تھا۔ اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ کام نہیں کر سکتا لہٰذا بھیک مانگنے پر مجبور ہوں حضرت عمرؓ نے فوراً افسر خزانہ کو حکم دیا کہ اس یہودی کے لیے روزینہ مقرر کر دیا جائے، آپ کے الفاظ ہیں ھذا من مساکین اھل الکتاب یہ مساکین کے زمرہ میں آتا ہے اس لیے زکوۃ سے رقم دی جائے۔

جیسا کہ پہلے یہ ذکر کیا جا چکا ہے "فی الرقاب" کی مد میں مسلمان اور ذمی دونوں قسم کے قیدی مراد ہیں۔

زکوۃ کے آداب و شرائط

(۱) زکوۃ دینے والے کے سامنے صرف رضا الٰہی ہو۔ ذاتی شہرت اور منفعت مقصود نہ ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَا تُنفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ (سورہ بقرہ ۲:۲۷۲) اور تم خرچ نہیں کرتے۔ سوائے اس کے اللہ کی رضا حاصل ہو۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (۷۶:۹) ہم تم کو خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے کوئی بدلہ اور شکریہ نہیں چاہتے۔

(۲) جسے خیرات دی جائے اس پر احسان نہ جتایا جائے اور نہ اس کی دل آزاری کی جائے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ (سورۃ بقرہ ۲:۲۶۴) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور

Marfat.com

تکلیف دے کر باطل نہ کرو۔ اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے۔

(۳) خیرات اچھی اور طیب کمائی سے کرنی چاہیے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَاکَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ (بقرہ۲:۲۶۷) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ ان اچھی چیزوں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور اس سے جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے پیدا کیا اور ردی چیز دینے کا قصد نہ کرو کہ اس میں سے تم خرچ کرو گے۔

اس آیت میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں۔ اوّل، زکوٰۃ کسب حلال سے دینی چاہیے۔ دوم: مال ردی نہ ہو۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران۳:۹۲) تم نیکی ہرگز حاصل نہیں کر سکو گے۔ یہاں تک کہ اس مال سے خرچ کرو۔ جس سے تمھیں محبت ہو۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا۔ (مسلم کتاب الزکوٰۃ) اے لوگو! اللہ پاک ہے وہ پاک مال سے صدقہ زکوٰۃ قبول کرتا ہے۔

(۴) خیرات، اعلانیہ بھی دینی چاہیے اور خفیہ بھی۔

ارشاد الٰہی ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤْتُوْھَا الْفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (سورہ بقرہ۲:۲۷۱) اگر تم خیرات کھلے طور پر دو تو کیا ہی اچھا ہے اور اگر تم اسے چھپا کر دو اور فقراء کو دو تو وہ تمھارے لیے بہتر ہے۔

علماء نے اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ زکوٰۃ اعلانیہ اور اختیاری خیرات چھپا کر دینی چاہیے۔

(۵) خیرات کرتے وقت قلبی مسرت ہونی چاہیے۔ قرآن مجید نے منافقین کی ایک علامت یہ بیان کی ہے کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ کو چٹی سمجھتے ہیں اور حتی الامکان بخل سے کام لیتے ہیں قرآن مجید میں آیا ہے کہ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا (توبہ:۹۸) ان اعراب میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو چٹی سمجھتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتا ہے۔ ھٰاَنْتُمْ ھٰؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَمِنْکُمْ مَنْ یَّبْخَلُ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَفْسِہٖ (محمد ۴۷:۳۸) سن لو! تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ بخل کرتے ہیں اور جو کوئی اس کام میں بخل کرتا ہے وہ خود اپنے لیے ہی بخل کرتا ہے۔

(۶) زکوٰۃ قومی بیت المال میں جمع ہونی چاہیے جیسا کہ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا (کارکنان زکوٰۃ) کے

الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ اگر زکوۃ انفرادی طور پر خرچ کرنا جائز ہوتی تو یہ الفاظ بیان نہ ہوتے۔

(۷) خیرات میں میانہ روی ہونی چاہیے۔

اسلام انسانی طبائع اور فطرت کے عین مطابق ہے وہ عیسائیت کی طرح یہ تعلیم نہیں دیتا کہ اللہ کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لیے سب کچھ خیرات کر دیا جائے، اگر کوئی حاجت مند کرتا مانگے تو پاجامہ بھی اتار کر دے دیا جائے۔ اس قسم کی تعلیم پر عمل کرنا انسانی طبائع پر دوبھر ہے۔ اسلام میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۲۹) اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول دے ورنہ ملامت کیا ہوا اور درماندہ ہو کر بیٹھ جائے گا۔

حدیث میں آتا ہے۔ مَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ جو شخص خرچ میں میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ تنگدست نہیں ہوتا۔

(۸) صدقہ وزکوۃ صرف مستحقین کو دی جانی چاہیے تاکہ غریب طبقہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے اور قوم ملک کے لیے تقویت کا باعث بن سکے۔

زکوۃ کے فوائد

انفرادی فوائد

زکوۃ تزکیہ نفس کا موجب ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ ۹:۱۰۳) یعنی ان کے مالوں سے زکوۃ لے تاکہ اس سے انھیں پاک اور صاف کرے۔

انسان کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب چیز مال ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے مال کو فتنہ قرار دیا ہے کیونکہ بعض اوقات محبوب چیز کی وجہ سے انسان احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ زکوۃ انسان کے دل سے مال کی محبت کم ہوتی ہے۔ مال کی محبت کی کمی کی وجہ سے انسان بے شمار برائیوں سے بچ جاتا ہے اور بے شمار نیکیوں کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ ایک تو ناجائز طریقہ سے روپیہ کما کر اپنے پیٹ کے دوزخ کو نہیں بھرتا۔ دوم۔ بخل کی قبیح عادت سے نجات مل جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الحشر سورہ ۵۹:۹) اور جو اپنے دل کو حرص اور لالچ سے بچائے گا وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

سوم۔ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے جو تمام نیکیوں کی جڑ ہے اور انسان کی زندگی کا منتہائے مقصود اور جوہر مطلوب ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ وَتَثۡبِیۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ کَمَثَلِ جَنَّۃٍۢ بِرَبۡوَۃٍ (سورہ بقرہ: ۲۶۵) اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو رضائے الٰہی کے حصول کے لیے خرچ کرتے ہیں اور کچھ اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اس باغ کی مثال کی طرح ہے جو اونچی جگہ پر ہے۔

اس آیت کریمہ میں زکوٰۃ کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ جو لوگ رضا الٰہی کے لیے صدقات دیتے ہیں۔ وہ ایمان کی ایک مستحکم چٹان پر کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کے دل اللہ کی محبت سے بھر جاتے ہیں اور ان کی طبیعت خود بخود نیکی کی طرف بہہ نکلتی ہے اور اپنے آپ کو ایک حصن حصین میں پاتے ہیں جہاں شیطان کا گزر نہیں ہوتا۔

اجتماعی فوائد

(۱) اقتصادی اور معاشی ترقی

زکوٰۃ قوم کی اقتصادی اور معاشی ترقی کا بہترین ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ (۲:۲۷۶) اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے دوسری جگہ آتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ. (بقرہ ۲:۲۶۱) ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ایک دانہ کی مثال ہے جو سات بالیں اگائے ہر ایک بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے کئی گنا کر دیتا ہے اور اللہ بہت دینے والا اور جاننے والا ہے۔

زکوٰۃ کا لفظ بھی قوم کی معاشی اور اقتصادی ترقی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ زکوٰۃ کا مفہوم ہی بڑھوتی ہے۔

اقتصادی اور معاشی ترقی کا انحصار چند اشخاص کے ہاتھوں میں دولت کے جمع ہونے پر نہیں ہے بلکہ ساری قوم کی مجموعی خوش حالی سے وابستہ ہے۔ جب غرباء میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی تو روپیہ چند ہاتھوں سے نکل کر قوم کے بے شمار دوسرے افراد میں تقسیم ہو جائے گا۔ دوم، وہ اس مالی امداد سے اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ اپنی روزی کما سکیں۔ اس طرح ملک کی اقتصادی اور معاشی حالت مستحکم بنیادوں پر قائم ہو جائے گی۔

(۲) زکوٰۃ قوم کی ترقی کا ذریعہ ہے

قرآن مجید نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو قوم کی ترقی کا ذریعہ بیان کیا ہے۔ سورہ بقر میں حضرت حزقیل کا ایک رویاء بیان ہوا ہے کہ وہ ایک تباہ حال بستی (یروشلم) پر سے گزرے۔ اس کو دیکھ کر حضرت حزقیل نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یہ بستی کب آباد ہوگی، کب اس کے رہنے والے ترقی کریں گے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے ان کو رویاء میں بتایا کہ یہ بستی سو سال کی تباہی کے بعد آباد ہوگی۔ اسی رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے احیاء موتی کی کیفیت کا سوال کرتے ہیں۔ معاً اس رکوع کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر آ جاتا ہے۔ تباہ حال بستی اور احیاء موتی کے ذکر کے معاً بعد اللہ کی راہ میں خرچ کا بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا تباہ حال بستی کی آبادی اور احیاء موتی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ وہی قوم دنیا کے نقشہ پر ترقی کے ساتھ ابھرتی ہے۔ جو قومی، ملی مفاد کی خاطر خرچ کرنا جانتی ہے۔ آغاز اسلام میں مسلمان کس کسمپرسی اور غربت کی حالت میں تھے۔ انھوں نے اس حالت میں بھی ملی اور قومی مفاد کے لیے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ رسول کریم ﷺ کسی ضرورت کے لیے چندہ کی اپیل کرتے ہیں تو صحابہ اپنے گھر کا اثاثہ لا کر پیش کر دیتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس کچھ نہیں تو وہ مزدوری کر کے چند ٹکے کما کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔ آخر اس قربانی کے نتیجہ میں یہ اللہ کے فضلوں کی وارث بنے اور بڑی بڑی حکومتیں ان کے قدموں پر آن پڑیں۔

(۳) غربا کی ربوبیت

زکوٰۃ قوم کے غرباء کی ربوبیت اور کفالت کا بہترین ذریعہ ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ اِفْتَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ فِی فُقَرَائِھِمْ (بخاری ۱:۲۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان (مسلمانوں) پر زکوٰۃ فرض کی ہے کہ وہ امراء سے لے کر حاجت مندوں میں تقسیم کی جائے۔

(۴) زکوٰۃ قوم کی اخلاقی حالت درست رکھنے کا ذریعہ ہے

بھوک، غربت اور افلاس ہمیشہ جرائم کے ارتکاب کا سبب بنتے ہیں۔ جس قوم کے افراد افلاس کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔ اس قوم میں جرائم کی کثرت ہو جاتی ہے۔ روزمرہ کے واقعات اس پر کافی گواہ ہیں کہ بعض لوگ مالی عسرت کی وجہ سے چوری، قزاقی اور لوگوں کی جیبیں کاٹنی شروع کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات جب یہ عسرت اور افلاس اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو یہ لوگ دن دھاڑے امراء کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا شروع کر دیتے ہیں اور ملک کا امن تہس نہس ہو جاتا ہے۔

غربت کی وجہ سے انسان صرف جرائم کا ہی ارتکاب نہیں کرتا بلکہ اس میں اور بھی بے شمار اخلاقی کمزوریاں آ جاتی ہیں۔ فقر اور مسکنت انسان کو دنی اور خسیس بنا دیتی ہے۔ ایمان باللہ دل سے نکل جاتا ہے۔ وہ امراء کو ہی ارباباً من دون اللہ (اللہ کے سوا دوسرے کو معبود بنا لینا) تصور کرنا شروع کر دیتا ہے۔ انہی کو اپنا پالن ہار اور مربی خیال کرتا ہے۔ ان کا خوف خدا کے خوف سے بڑھ کر دل پر مستولی ہوتا ہے۔ یہی وہ اخلاقی بیماریاں ہیں جن کی وجہ سے انسان کی طبعی استعدادیں دب جاتی ہیں اور وہ قردۃ خاسئین کے

Marfat.com

زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ کا معاشی نظام میں مقام

اس وقت دنیا میں دو معاشی نظام چل رہے ہیں۔ ایک سرمایہ داری نظام ہے اور دوسرا کیمونزم۔ سرمایہ داری نظام کا مزاج اس قسم کا ہے۔ اس سے چند ہاتھوں میں ہی دولت جمع ہو جاتی ہے اور دوسری قوم افلاس کے عفریت کے منہ میں چلی جاتی ہے اسی نظام کے ردعمل سے دوسرا معاشی نظام اشتراکیت ظاہر ہوا۔ جس کا اصول یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کمائے ہوئے مال کا مالک نہیں ہے۔ سب دولت حکومت کی ہے وہ تمام لوگوں کو ضروریات کے مطابق دے گی۔

یہ دونوں نظریات افراط اور تفریط کے شکار ہیں۔ اگر سرمایہ داری نظام مزدور طبقہ کے افلاس کا سبب بنتا ہے اور ان کی محنت کی بے وقری کرتا ہے۔ کیونکہ اشترا کی نظام میں مزدور محنت سے کمائی ہوئی چیز کا خود مالک نہیں بن سکتا۔ اس سے زیادہ محنت اور کوشش کرنے کی تحریک اور جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔

اسلام نے دونوں نظاموں کے برعکس محنت کی توقیر اور عزت کی ہے۔ ملکیت کو بھی جائز قرار دیا ہے تا کہ محنت کرنے کا جذبہ زندہ رہے۔ دوسری طرف تقسیم دولت کے لیے زکوٰۃ جیسا حکمت بالغہ پر مبنی قانون بنا دیا ہے تا کہ دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہونے پائے۔ بلکہ ساری قوم میں گردش کرتی رہے کیونکہ زکوٰۃ کا اصول یہ ہے کہ ہر سال جمع شدہ سرمایہ کا چالیسواں حصہ غرباء کے لیے قومی بیت المال میں داخل کیا جائے۔ ایک تو اس لازمی خیرات کی وجہ سے سرمایہ دار ہمیشہ اپنے سرمایہ کو کاروبار میں لگائے رکھے گا تا کہ زکوٰۃ ہی تمام سرمایہ کو نہ کھا جائے۔ کاروبار میں سرمایہ لگانے سے روپیہ لوگوں کے ہاتھوں میں گردش کرتا رہتا ہے اور مزدور طبقہ بھی اپنی محنت کا پھل حاصل کرتا رہتا ہے۔ دوسرے امراء اور غرباء کے تعلقات خوشگوار رہتے ہیں۔ امراء وغرباء کو اپنا بھائی خیال کرتے ہیں اور ان کے بارہ میں ہمدردی اور مواسات کے جذبات اپنے دل میں لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف امراء کے جذبہ ہمدردی کی وجہ سے غربا کے دلوں میں محبت کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔ دونوں طبقوں کے باہمی اتحاد اور اتفاق اور مواسات کی وجہ سے ملک اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر مسلم ریاستیں زکوٰۃ کے نظام کو مستحکم بنا لیں تو ریاست کا مالی نظام ایک مضبوط بنیاد پر قائم ہو جائے گا۔ اس سے صرف غربت اور افلاس ہی دور نہ ہوگی بلکہ ملکی دفاع بھی مضبوط ہوگا۔

زکوٰۃ اور ٹیکس میں اصولی فرق

بعض متجددین زکوٰۃ کو ٹیکس شمار کرتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ بات ذہن نشین رکھی جائے کہ ٹیکس حکومت کی طرف سے ہوتا ہے اور زکوٰۃ بنائے اسلام ہے اور خدا کی طرف سے بندوں پر فرض ہوا ہے۔ ٹیکس

Marfat.com

کی کمی بیشی اور ساقط کرنے میں حکومت کو ہر وقت اختیار ہے جبکہ زکوٰۃ میں نہ کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ صاحب نصاب سے ساقط ہو سکتی ہے۔ٹیکس کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے بندہ صرف حکومت کا مجرم ہوتا ہے اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے سے انسان خدا کا مجرم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف قرآن مجید میں بیان کر دیے ہیں اور انہی جگہوں پر زکوٰۃ خرچ ہوگی۔ جبکہ ٹیکس کے خرچ کرنے میں حکومت کو اختیار ہے۔ جہاں چاہے خرچ کرے۔ اس وجہ سے یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے۔ جب حکومت کسی سے کوئی ٹیکس وصول کرے تو زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری نہیں رہتی۔

زکوٰۃ کی وصولی اور ادائیگی کا مسئلہ

اسلامی حکومت کی موجودگی میں کوئی ادارہ زکوٰۃ وصول کر کے عامۃ الناس کی بھلائی پر خرچ نہیں کر سکتا۔ زکوٰۃ صرف حکومت وصول کر سکتی ہے۔ عہد نبوی میں زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب مسلمان عرب قبائل نے حکومت کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور اس مالیاتی نظام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تو خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کو حکومت کا باغی قرار دے کر ان کے خلاف اعلان جہاد کیا اور اس وقت تک ان کی سرکوبی کی جب تک انھوں نے زکوٰۃ بیت المال میں بھیجنی شروع نہ کر دی۔

جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو مسلمان حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہ کی حمایت میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اس انتشار اور سیاسی عدم استحکام کے زمانہ میں صحابہ کرام کے درمیان یہ سوال اٹھا کہ زکوٰۃ کس کو دی جائے۔ اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس بارے میں استفسار کیا تو انھوں نے یہ فتویٰ دیا۔ مسلمانوں کی حکومت کیسی ہو۔زکوٰۃ بہرحال حکومت کو ادا کی جائے گی۔

اہل حجاز کے لیے ایک عملی دشواری یہ تھی کہ حجاز پر کبھی حامیان معاویہؓ غالب آ جاتے اور کبھی شیعان علیؓ اور دونوں حکومتیں ایک دوسرے کو باغی سمجھتی تھیں۔ ایسی حکومتوں میں سے کس کو زکوٰۃ ادا کی جائے۔

جب یہ مسئلہ دوبارہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو انھوں نے جواب دیا کہ "جو غالب آ جائے اسے زکوٰۃ دے دو۔" (ابوعبیدہ کتاب الاموال ج ۲ ص ۳۴۹)

ایک دفعہ ربیع بن معید نے اس فتنے کے دور میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ وہ اپنے زیر نگرانی یتیموں کے مال کی زکوٰۃ اپنے ضرورت مند عم زاد بھائیوں کو دے دوں۔ تو آپ نے فرمایا "زکوٰۃ صرف حکومت کا حق ہے۔ اسے اہل حکومت کے حوالے کر دو۔" (ابوعبیدہ کتاب الاموال ج ۲ ص ۳۴۳)

غرضیکہ مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ صرف اسلامی حکومت کو ادا کرنی چاہیے زکوٰۃ

کی وصولی کا اور کوئی حق نہیں رکھتا۔

زکوٰۃ کو انفرادی طور پر جمع کرنے اور خرچ کرنے کا رواج سقوط بغداد کے بعد ہوا۔ جب مسلمانوں کا سیاسی شیرازہ منتشر ہو گیا تو مسلمانوں نے غیر مسلم حکومتوں کو زکوٰۃ دینا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے بعد زکوٰۃ کی وصولی حکومتوں کے ہاتھ نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے اسلامی حکومتوں کی معاشی حالت درست نہیں ہوتی۔ اگر اسلامی حکومتیں زکوٰۃ کی وصولی اپنے ہاتھ میں لے لیں تو ہر اسلامی حکومت اپنے ملک سے غربت اور افلاس کو ختم کر سکتی ہے۔

طوعی انفاق

(الف) صدقات

لازمی انفاق (زکوٰۃ) کے علاوہ محتاجوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کرنا طوعی انفاق کہلاتا ہے۔ جس کی تاکید قرآن اور حدیث میں بہت بیان ہوئی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرہ ۲:۲۷۴) وہ لوگ جو اپنا مال دن رات پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں پس ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور ان پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً (فاطر ۳۵:۲۹) اس سے جو ہم نے انھیں دیا چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں۔

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ ۲:۲۱۹) وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں کہہ دیجیے جو کچھ ضرورت سے زائد ہو خرچ کرو۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ ثُمَّ تَلَا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الایۃ (مشکوٰۃ ۶:۱ بروایت ترمذی) زکوٰۃ کے علاوہ مال میں حق ہے پھر یہ آیت پڑھی "یہ نیکی نہیں کہ تم اپنے مونہوں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو آخر آیت تک)

پس زکوٰۃ اور خیرات دو الگ الگ چیزیں ہیں مذکورہ حدیث واضح کرتی ہے کہ ہر انسان کے مال میں دوسروں کے دو حق ہیں۔ ایک حق زکوٰۃ ہے جو حکومت کے زیر اہتمام جمع کی جاتی ہے اور توبہ کی یت نمبر ۶۰ کے تحت خرچ کیا جاتا ہے۔ خیرات (طوعی انفاق) انسان اپنے طور پر اقرباء، مساکین، یتامیٰ، بیواؤں اور دیگر حاجت مندوں پر خرچ کرتا ہے۔

مختلف حاجت مند طبقوں پر خرچ کرنے کے متعلق قرآن اور حدیث میں تاکید ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ

Marfat.com

ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ (۲:۱۷۷) لیکن بڑا نیک وہ ہے جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت کے لیے قریبوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو اور غلاموں کے آزاد کرنے میں مال دے اور نماز قائم کرے اور زکوۃ دے۔ اس آیت کریمہ میں دونوں قسم کے انفاق لازمی اور طوعی کا ذکر کیا ہے۔ طوعی انفاق کی مدات بھی بیان کردی ہیں۔

ایک اور موقع پر فرمایا۔ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (البقرہ۲:۲۱۵) کہو جو کچھ بھی اچھے مال سے خرچ کرو وہ ماں باپ اور قریبوں اور یتامی اور مساکین اور مسافر کے لیے ہے۔

فَاٰتِ ذَالْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ (الروم:۳۸) پس تو اقربا اور محتاج اور مسافر کو دے۔

حدیث میں آتا ہے عَن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ قال علی مسلم صدقۃ فقالوا یانبی اللہ فمن لم یجد فقال یعمل بیدہ فینفع نفسہ ویتصدق قالوا فان لم یجد قال یعین ذا الحاجۃ الملھوف قالوا فان لم یجد قال فلیعمل بالمعروف ولیمسک عن الشر فانھا لہٗ صدقۃ (بخاری ۲۴:۳۱) ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی جس کے پاس مال نہ ہو۔ فرمایا اپنے ہاتھ سے مزدوری کرے اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی دے اور انھوں نے عرض کیا اگر یہ نہ ملے فرمایا حاجت مند مصیبت زدہ کی امداد کرے انھوں نے عرض کیا (اگر یہ بھی) نہ ہو سکے فرمایا نیک کام کرے اور برائی سے بچا رہے یہی اس کے لیے صدقہ ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ تعالیٰ انفق یا ابن ادم اُنفِقْ عَلَیْکَ (بخاری ومسلم) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم (میرے ضرورت مند و بندوں) پر خرچ کر۔ میں (اپنے خزانہ سے) تجھ کو دیتا رہوں گا۔

عن اسماء قالت قال رسول اللہ ﷺ انفقی ولا تحصی فیُحصی اللہ علیک ولا توعی فیوعی اللہُ علیک ارضخی ما استطعت (بخاری ومسلم) حضرت اسماء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خرچ کرو اور گنو مت (اگر تم گنو گے) یعنی حساب کتاب کر کے دو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمھیں حساب سے ہی دے گا۔ (دولت) بند کر کے نہ رکھو۔ بس اللہ بھی تجھ پر (اپنی نعمت و مال) بند کر دے گا جس کی بھی تم طاقت رکھتے ہو کشادگی سے دو۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ مانقصت صدقۃ من مال (مسلم) صدقہ سے مال میں کمی

Marfat.com

نہیں آتی۔

عن مرثد بن عبداللہ قال حدثنی بعض اصحاب رسول اللہ ﷺ انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول ان ظل المومن یوم القیمۃ صدقتۃ (احمد) مرثد بن عبداللہ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب نے بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ قیامت کے دن مومن پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔

فرمایا۔ ان الصدقۃ لتطفی غضب الرب وتدفع میتۃ السوءِ (ترمذی) صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دور کرتا ہے۔

جیسا کہ پہلے اس باب کے آغاز میں مسلم کی حدیث درج کی ہے کہ صاحب استطاعت ہوتے ہوئے ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا نہ کرنا اللہ کی ناراضی کا موجب ہے۔

رسول کریم ﷺ اپنے متعلق طوعی انفاق کی کیفیت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ اگر احد پہاڑ بھی میرے لیے سونا بن جائے تو میری خوشی اس میں ہوگی کہ میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں اور تین راتیں بھی گزرنے نہ پائیں اس میں ایک دینار یا ایک درہم بھی میرے پاس رہ جائے۔ سوائے اس کے کہ اگر میرے ذمہ کوئی قرض ہو تو اسے ادا کرنے کے لیے بچالوں۔ (بخاری)

صدقات پر کتنا خرچ کیا جائے

جس طرح رسول کریم ﷺ نے زکوٰۃ کی حد مقرر کی ہے اسی طرح طوعی انفاق کی بھی حد مقرر کر دی ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ ۲:۲۱۹) اور اے محمد! وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں (کار خیر میں) کہہ دیجئے جو کچھ ضرورت سے زائد ہے۔

اسلام نے طوعی انفاق میں اسراف اور تبذیر سے روکا ہے اور میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان :۶۷) وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف سے کام نہیں لیتے اور تنگی بھی نہیں کرتے (اگر خرچ کرنے کا موقعہ ہو تو خرچ نہیں کرتے) بلکہ وہ دونوں حالتوں کے بین بین اعتدال پر رہتے ہیں۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل ۱۷:۲۹) اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول دے ورنہ ملامت کیا ہوا اور ماندہ ہو کر بیٹھ رہے گا۔

جابر بن عبداللہ انصاری روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص انڈے برابر سونا لے کر آیا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ سونا میں نے ایک کان میں پایا ہے آپ اس کو لیجئے یہ صدقہ ہے اس کے سوا میرے پاس کچھ مال نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف

Marfat.com

سے منہ پھیر لیا۔ وہ پھر پیچھے سے آیا رسول اللہ ﷺ نے وہ سونا لے کر پھینک دیا اگر وہ اس کو لگتا تو زخمی کر دیتا یا چوٹ آ جاتی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ایک تم میں سے اپنا سب مال لے کر آتا ہے اور کہتا ہے یہ صدقہ ہے پھر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ بہتر صدقہ وہ ہے جس کا مالک صدقہ دے کر بھی مال دار رہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

فرمایا انما الصدقة عن ظهر غنى (کنوز الحقایق) صدقہ اس وقت دینا چاہیے کہ خود بعد صدقہ غنی رہے۔

ان شئت حبست اصلها وتصدقت (کنوز الحقایق) اگر تو چاہے اس کے اصل کو محفوظ رکھ اور اس کے حاصلات کو صدقہ کر۔

صدقات سے گریز کرنے والوں کے متعلق

اسلام نے صرف طوعی انفاق (صدقات) کی ہی تعلیم نہیں دی بلکہ صدقات سے گریز کرنے والوں کے متعلق تہدید بھی کی ہے کیونکہ ضرورت مند پر خرچ نہ کرنا جذبہ اخوت اور ایثار اور تعاون کے خلاف ہے۔ جن پر اسلامی معیشت کی اساس ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (البقرہ ۲:۱۹۵) اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اس آیت میں انفاق سے گریز کو ہلاکت کا موجب قرار دیا گیا ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران ۳۰:۹۱) تم ہرگز بھلائی نہ پا سکو گے جب تک کہ اس شی میں سے خرچ نہ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔

نِ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ کَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ (الھمزہ ۲ تا ۴) جو مال کو جمع کرتا ہے اور اسے شمار میں لاتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا ہرگز نہیں وہ حطمہ (اللہ کی جلائی ہوئی آگ) میں ڈالا جائے گا۔

وَکَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَرْیَۃٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَھَا فَتِلْکَ مَسٰکِنُھُمْ لَمْ تُسْکَنْ مِّنْۢ بَعْدِھِمْ اِلَّا قَلِیْلًا (قصص ۲۸:۵۸) بہت سی بستیاں ہم نے ہلاک کیں جو اپنی (وافر) روزی کے سامان پر گھمنڈ کرتی تھیں سو یہ ان کے مکانات ہیں جو ان کے بعد آباد نہیں ہوئے مگر بہت کم اور ہم ہی وارث ہیں۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے جن لوگوں کو روزی کا سامان زیادہ مل گیا ہے۔ وہ اس پر اترانا شروع کر دیتے ہیں اس کو اپنی طاقت اور عقل کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور دوسرے حاجت مندوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان گریز کرنے والوں کو تنبیہ کر رہا ہے۔ ان کا غرباء کو نہ دینا ان کی ہلاکت کا ذریعہ ہے۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبۃ: ۳۴) اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ کرتے ہیں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو خبر کر دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ لیس المومن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ وھو یعلم (رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر) ایسا شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا خود تو سیر ہو کر سوئے اور اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے جبکہ وہ جانتا ہے۔

قریب قریب انہی الفاظ میں امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں بیہقی نے ''شعب الادب'' اور حاکم نے مستدرک میں یہ مضمون بیان کیا ہے۔

فرمایا ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک انسان سے پوچھے گا۔ اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ حیران ہو کر کہے گا بھلا ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے اور تُو تو رب العالمین ہے۔ خدا فرمائے گا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا اور تُو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ اگر تُو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اسی طرح خدا فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تُو نے نہیں کھلایا بندہ عرض کرے گا بھلا ایسے کیسے ہوسکتا ہے میں تجھے کیسے کھلاتا تُو خود رب العالمین ہے خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ فلاں میرے بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے کھلانے سے انکار کر دیا تھا اگر تُو اسے کھانا کھلاتا تو تُو اسے میرے پاس پاتا۔ ایسے ہی خدا فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تُو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ تجھے پیاس لگے تُو تو خود پروردگار عالم ہے۔ خدا فرمائے گا میرے فلاں پیاسے بندہ نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے اسے پانی نہیں پلایا اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو اسے میرے پاس پاتا۔ (مسلم عن ابی ہریرہ)

حدیث میں آتا ہے۔ قال رجل یارسول اللہ ای صدقۃ اعظم اجراً قال ان تصدق وانت صحیح شجیع تخشی الفقر وتامل الغنی ولا تمھل حتی اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان کذا ولفلان کذا وقد کان لفلان (بخاری ومسلم) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جبکہ تم تندرست ہو اور دولت چاہتے ہو۔ اپنے پاس رکھنے کی خواہش ہے۔ اس حالت میں تمھیں فقر کا خوف ہو۔ دولت مندی کی آرزو ہو۔ (ایسی حالت میں صدقہ کا ثواب زیادہ ہے) اور ایسا نہ ہونا چاہیے کہ تم ٹالتے رہو۔ یہاں تک کہ موت کا وقت آ جائے تو تم کہو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو (اب تمہارا مال) فلاں فلاں کا ہو جائے گا۔

عن اسماء قالت قلت یارسول اللہ ﷺ مالی مال الا ما ادخل علی الزبیر

Marfat.com

فاتصدق قال تصدقی ولا توعی فیوعی علیک۔ (بخاری) اسماء سے روایت ہے کہا میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرا کوئی مال نہیں سوائے اس کے جو زبیر مجھے دیتے ہیں تو کیا میں صدقہ دوں فرمایا صدقہ دے اور اللہ کے رستے میں خرچ کرنے کو بند نہ کرو۔ ورنہ تجھ سے بند کر دیا جائے گا۔ (بخاری)

عن ابی امامة قال قال رسول اللہ ﷺ یا ابن ادم ان تبذل الخیر خیرٌ لک وان تمسکه شرٌ لکَ وَلا تلام علی کفاف وابدءُ بمن تعول (مسلم) حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن آدم (اللہ کی دی ہوئی دولت) خرچ کر۔ وہ تیرے لیے بہتر ہے اگر تو نے روک لیا۔ (تو تیرا یہ روکنا) تیرے لیے باعث برائی ہے ہاں گزارے کے بقدر رکھنا کوئی ملامت نہیں۔ سب سے پہلے ان پر خرچ کرو جن کی تم پر ذمہ داری ہے۔

عن ابی ذر قال انتہیت الی النبی ﷺ وھو جالسٌ فی ظل الکعبة فلما ارانی قال ھم الاخسرون ورب الکعبه فقلت فداک ابی وامی من ھم قال ھم الاکثرون اموالاً الامن قال ھکذا وھکذا من بین یدیه ومن خلفه وعن یمینه وعن شماله وقلیل ماھم۔ (بخاری ومسلم) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے گھاٹے میں ہیں؟ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کون لوگ ہیں جو بڑے گھاٹے میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں ان میں سے وہی لوگ گھاٹے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اپنی دولت کشادہ دستی سے خرچ کرتے ہیں۔ مگر دولت مندوں میں ایسے بندے بہت کم ہیں۔

عشر (زمین کی زکوٰۃ)

عشر کے لغوی معنی ہیں دسواں حصہ۔ لیکن اصطلاح میں اس سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ ہے وہ اراضیات جو بارش سے سیراب ہوتی ہوں چونکہ اس کی پیداوار میں محنت کا حاصل نسبۃً کم ہوتا ہے اس کی شرح ۱۰ (دس) فیصد رکھی گئی ہے اور وہ زمین جو محنت سے سیراب ہوتی ہو تو کل پیداوار کا بیسواں حصہ بیت المال میں جائے گا۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَاکَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ (۲:۲۶۷) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ان اچھی چیزوں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور اس سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا۔

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ (۱۴۱:۶) اس کے کاٹنے کے دن اس کا حق دو۔

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے اس سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ (عشر) ہے۔

Marfat.com

عشری اراضیات کی دو اقسام ہیں۔

(الف) غیر عشری

ایسی زمین جسے نہری یا ٹیوب ویل کا پانی لگا کر اور ہل جوت کر محنت کر کے فصل حاصل کی جائے اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصّہ ہے۔

(ب) عشری زمین

ایسی زمین جو بارش یا چشمے کے پانی سے سیراب ہوتی ہے اس کو عشری زمین کہتے ہیں۔ ان میں عشر (دسواں حصّہ) ہے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ "**فیما سقت السماء والعیون او کان عشر یا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر**" (بخاری کتاب الزکوٰۃ) جو زمین بارش سے سیراب ہوتی ہو یا چشمے پانی دیں یا وہ عشری زمین ہو (تر و تازہ ہو یا نیچے سے طراوت حاصل کرے) اس میں دسواں حصّہ ہے اور جس زمین کو کنوئیں وغیرہ سے سیراب کیا جائے تو اس میں نصف عشر (بیسواں) ہے۔

امام ابو یوسف اپنی کتاب "کتاب الخراج" میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔ "**ان رسول اللہ ﷺ قال فیما سقت السماء العشر وما سقی بالرشاء نصف العشر**" (ص ۵۴) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس زمین کو بارش سیراب کرتی ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصّہ اور جس زمین کی آب پاشی پانی کھینچ کر کی گئی ہو اس کی پیداوار کا بیسواں حصّہ۔

نصاب عشر

امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک کھیتوں کی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں اور ہر پیداوار خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ پر عشر واجب ہے جبکہ امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک عشری زمین کی پیداوار پانچ وسق یعنی ۳۰ من (۱۲۰۰ کلو گرام) تک پہنچ جائے تو عشر واجب ہے لیکن سبزیوں وغیرہ میں عشر نہیں پھلوں میں کھجور اور انگور اور سیب وغیرہ اور اجناس میں سے ہر ایک جنس جو ذخیرہ کے طور پر رکھی جائے جیسے گندم، مکئی، جوار، باجرہ، جو، مسور، ماش، لوبیا، گنا اور کپاس وغیرہ میں عشر ہے۔

عشر میں سال گزرنے کی قید نہیں ہے بلکہ جن اراضیات میں سال کے اندر دو بار کاشت کی جاتی ہے ان میں ہر فصل پر عشر واجب ہے۔

عشر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

وراثت

اسلام عدل اجتماعی کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر عدل اجتماعی قائم کرنے کے لیے مختلف طریقے بیان

Marfat.com

کیے ہیں اور وہ ایسے طریقے ہیں جن سے دولت چند ہاتھوں سے نکل کر بہتوں کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے ان طریقوں میں سے ایک طریقہ وراثت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ (الحشر:۷) تاکہ دولت تم میں سے امراء کے اندر نہ پھرتا رہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۝

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۝ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ. (النساء۴:۱۱،۱۲) اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ مرد کے لیے دوعورتوں کے برابر ہو۔ پھر اگر (اولاد میں) دو یا اس سے زیادہ عورتیں ہوں تو ان کے لیے اس کی دو تہائی ہے جو (مال) چھوڑا اور اگر ایک ہو تو اس کے لیے نصف ہے اور اس کے ماں باپ کے لیے دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اس کا چھٹا حصہ ہے جو (مال) چھوڑا ہے اگر اس کی اولاد ہو لیکن اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے اور اگر اس کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے وصیت کی ادائیگی کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرضہ کے اور تمہارے لیے اس کا نصف ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑیں اگر ان کی اولاد نہ ہو اور ان کی اولاد ہو تو تمہارے لیے اس کا چوتھا حصہ ہے جو انھوں نے چھوڑا ہے۔ وصیت کی (ادائیگی) کے بعد جو انھوں نے کی ہو یا قرضہ کے اور ان کے لیے اس کا چوتھا حصہ ہے جو تم نے چھوڑا اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو۔ تو ان کے لیے اس کا آٹھواں حصہ ہے جو تم نے چھوڑا وصیت کی ادائیگی کے بعد جو تم نے کی ہو یا قرضہ کے اور اگر کسی مرد یا عورت جس کی میراث لی جاتی ہے۔ کلالہ ہو اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہیں وصیت کی ادائیگی کے بعد جو کی گئی ہے یا قرضہ کے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا. (النساء۴:۳۳) اور جو کچھ ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے قریبی وارث بنائے ہیں۔ نیز جن سے (عورتوں

Marfat.com

سے) تمہارا عہد و پیمان (نکاح) ہو چکا ہے پس چاہیے کہ جو کچھ جس کا حصہ ہو اس کے حوالے کر دو اور ہر چیز پر گواہ ہے۔

مذکورہ آیات سے حسب ذیل احکام نکلتے ہیں۔

مرنے والے کے ذمہ قرض ہو تو سب سے پہلے اس کے ترکے میں سے وہ ادا کیا جائے گا۔ پھر کوئی وصیت اگر اس نے کی ہو تو پوری کی جائے گی اس کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔

وارث کے حق میں وصیت نہیں ہو سکتی حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حق والے کو اس حق دے دیا ہے پس وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔ (مشکوٰۃ ۲:۲۰ بروایت ابی داؤد)

اور کوئی کافر کسی مسلمان کا اور نہ مسلمان کسی کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ والدین اور بیوی یا شوہر کا حصہ دینے کے بعد، ترکہ کے وارث میت کی اولاد ہے۔ مرنے والے نے کوئی لڑکا نہ چھوڑا ہو۔ اور اس کی اولاد میں دو یا دو سے زائد لڑکیاں ہی ہوں تو انھیں بچے ہوئے ترکے کا دو تہائی دیا جائے گا۔ ایک ہی لڑکی ہو تو وہ اس کے نصف کا حق دار ہوگی۔ میت کی اولاد میں صرف لڑکے ہی ہوں تو یہ سارا مال ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اولاد میں لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا۔ اس صورت میں بھی سارا مال انہی میں تقسیم ہوگا۔

اولاد کی غیر موجودگی میں میت کے بھائی، بہن اولاد کے قائم مقام ہیں۔ والدین اور بیوی یا شوہر موجود ہوں تو ان کا حصہ دینے کے بعد میت کے وارث یہی ہوں گے۔ مرد اور عورت کے لیے ان کے حصے اور ان میں تقسیم وراثت کا طریقہ وہی ہے جو اولاد کے لیے اوپر بیان ہوا۔

میت کی اولاد یا اولاد نہ ہو اور بہن بھائی ہوں تو والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ بھائی بہن بھی نہ ہوں تو بیوی یا شوہر کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکے کا ایک تہائی ماں کو ملے گا اور دو تہائی کا حق دار میت کا والد ہوگا اگر میاں بیوی میں کوئی نہ ہو تو سارا ترکہ اسی اصول کے مطابق والدین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

مرنے والا مرد ہو اور اس کی اولاد ہو تو اس کی بیوی کو ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اس کی اولاد نہ ہو تو وہ ایک چوتھائی ترکے کی حق دار ہوگی میت عورت ہو تو اس کی اولاد نہ ہو تو نصف ترکہ اس کے شوہر کا ہے اگر اس کی اولاد ہو تو شوہر کو چوتھائی ترکہ ملے گا۔

ان دونوں کے علاوہ یا ان کے بعد یا ان کی عدم موجودگی میں مرنے والا اگر چاہے تو والدین اور اولاد کے سوا دور و نزدیک کسی رشتے دار کو ترکے کا وارث بنا سکتا ہے جس رشتہ دار کو وارث بنایا گیا ہو اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو چھٹا حصہ اور ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو ایک تہائی انھیں دینے کے بعد باقی

Marfat.com

۵/۶ یا دو تہائی اسے ملے گا۔

وصیت

تقسیم دولت کا ایک ذریعہ وصیت ہے۔ یہ ایک خاص اقرار ہے جس کی تنفیذ بعد موت ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ کُتِبَ عَلَیۡکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَکَ خَیۡرَا ۨ الۡوَصِیَّۃُ لِلۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ حَقًّا عَلَی الۡمُتَّقِیۡنَ ؕ فَمَنۡۢ بَدَّلَہٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَہٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ یُبَدِّلُوۡنَہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ؕ فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَیۡنَہُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۔ (البقرہ۲:۱۸۰ تا ۱۸۲) (اے مسلمانو!) تم پر جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت قریب آ جائے عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اگر وہ بہت سا مال ماں باپ کے لیے اور اقربا کے لیے چھوڑے یہ متقیوں پر لازم ہے۔ پھر جو کوئی اس کے بعد جو اس نے سن لیا ہے اسے بدل دے تو اس کا گناہ انہی پر ہے جو اسے بدلتے ہیں۔ اللہ سننے والا جاننے والا ہے مگر جسے وصیت کرنے والے کی طرف سے طرفداری یا گناہ کا خوف ہو پھر وہ ان کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

آیت نمبر ۱۸۰ میں لفظ خیر آیا ہے جس کے معنی مال کثیر کے ہوتے ہیں۔ جب متوفی اپنے پیچھے والدین اور اقرباء کے لیے مال کثیر چھوڑے تو پھر قومی مذہبی اور فلاحی کاموں کے لیے وصیت کر دے۔ رسول کریم ﷺ نے اس کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ ماحق امرئٍ مسلم لہٗ شیءٌ یُوصی فیہ یبیت لیلتین اِلاّ وصیۃٌ مکتوبۃ عندہ (بخاری ۵۵:۱) ایسے مسلمان کو جس کے پاس مال ہو جس میں اس پر وصیت کرنا ضروری ہو یہ مناسب نہیں کہ دو راتیں گزارے مگر اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہیے۔

قرآن مجید کی آیت میں کُتِبَ کا لفظ آیا ہے جو عموماً فرضیت اور وجوب کے لیے آتا ہے اور حدیث میں بھی اسے حق لازم قرار دیا ہے کہ ذی استطاعت پر وصیت واجب ہے۔ اس سے وصیت کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

وصیت ورثا کے لیے نہیں ہوتی کیونکہ قرآن مجید میں ورثا کے حصص مقرر ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ اللہ قد اعطی کُلَّ ذی حق حقہٗ فلا وصیۃ لوارثٍ (مسند احمد) اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کا حق دے دیا ہے اب کسی وارث کے لیے وصیت نہیں۔

فرمایا: اَلاِضرار فی الوصیۃ من الکبائر. نقصان پہنچانے کے لیے وصیت کرنا بڑا گناہ ہے۔
فرمایا: "ولیس لقاتلٍ وصیۃ" قاتل کے لیے وصیت درست نہیں۔

سب سے اہم شرط وصیت کے لیے یہ ہے کہ وصیت کرنے والا مقروض نہ ہو۔ قرض کی

Marfat.com

ادائیگی کے بعد وصیت ہوگی کیونکہ رسول کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق قرض، وصیت اور وراثت دونوں پر مقدم ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کا کوئی حکم بھی فطرت کے خلاف نہیں۔ اس لیے وصیت بھی ان لوگوں کے لیے ضروری قرار دی ہے جو اپنے پیچھے مال کثیر چھوڑے جا رہے ہیں۔ ایسے شخص کو وصیت کرنا جائز نہیں۔ جس سے پسماندگان غربت کا شکار ہو جائیں جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو فرمایا اِنَّکَ اَنْ تذر ورثتک اغنیاء خیرٌ من ان تذرھم عالة یتکفّفُوْنَ النَّاسَ (بخاری ۲۳:۳۶) تو اپنے وارثوں کو غنی چھوڑے تو اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ رسول کریم ﷺ نے اس حدیث میں سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا۔ الثلث والثلث کبیر او کثیرٌ (بخاری ۲۳:۳۶) ایک تہائی اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔

اس حدیث میں خیراتی وصیت کو ایک تہائی مال تک محدود کر دیا تا کہ ورثا کے لیے بھی مال رہ جائے۔

وقف

وقف کے لغوی معنی روکنے کے ہیں۔ لیکن فقہی اصطلاح میں جو اشیاء منقولہ یا غیر منقولہ ذاتی ملکیت سے نکال کر فی سبیل اللہ دے دی جائیں وقف کہلاتا ہے۔

وقف نہ فروخت ہو سکتا ہے اور نہ ہبہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ ورثاء میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ اس کی آمدن وقف کرنے والے شخص کی منشا و ہدایت کے مطابق مصارف خیر میں لائی جائے گی اور وقف کرنے والا شخص اپنے مالکانہ حقوق سے ہمیشہ کے لیے دست بردار ہو جاتا ہے۔

وقف کا تصور زمانہ جاہلیت میں عربوں میں نہیں تھا۔ رسول کریم ﷺ نے ی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اس کا رواج کیا۔ اب تو یہ تصور تمام دنیا میں پایا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی (۹۲:۵) سو جو دیتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اچھی بات کی تصدیق کرتا ہے تو ہم اسے آسانی کی طرف چلائیں گے۔

کتب تفاسیر میں ہے کہ جب یہ آیات "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (تم ہرگز نیکی نہ پا سکو گے جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جس کو تم محبوب رکھتے ہو) "مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" (کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے) نازل ہوئیں تو حضرت طلحہؓ نبی کریم ﷺ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے یا رسول اللہ! میرا فلاں باغ مجھے بہت عزیز ہے وہ خدا کے لیے دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اجعله فی فقراء قومک" اس کو اپنی قوم کے فقراء کے لیے وقف کر دو۔

Marfat.com

اسی طرح عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ میرے والد حضرت عمرؓ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی، تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی ہے اس سے بہتر کوئی جائیداد میں نے نہیں پائی۔ آپ ﷺ اس کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اصل زمین کو محفوظ (یعنی وقف) کردو اور اس کی پیداوار کو صدقہ قرار دے دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو اسی طرح وقف کر دیا اور یہ طے فرما دیا کہ یہ زمین نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ اس میں وراثت جاری ہو اور اس کی آمدن فقراء، مساکین، اہل قرابت، غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں، جہاد میں اور مسافروں اور مہمانوں کی خدمت میں خرچ کی جائے جو شخص اس کا متولی ہو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے دستور کے مطابق کھائے اور کھلائے اور وہ مال بننے والا نہ ہو۔ (بخاری ۱۹:۵۴) حضرت سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے تو کون سا صدقہ زیادہ بہتر ہے آپ ﷺ نے فرمایا پانی یعنی (کہیں کنواں کا کھدوا دینا اسی کو وقف کر دینا) چنانچہ انھوں نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا یہ میری والدہ ام سعد کے لیے ہے۔

اس طرح حضرت عثمانؓ کے بھی رسول کریم ﷺ کی اپیل پر بیر رومہ مسلمانوں کے لیے وقف کیا اسی طرح زمین خرید کر مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے وقف کی۔

رسول کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کے مبارک عہود کے بعد بھی مسلمان امراء نے دل کھول کر مختلف ضرورتوں کے پیش نظر اپنی جائیدادوں سے کچھ حصے وقف کیے۔ ان اوقاف سے مساجد، سرائیں، ہسپتال، یتیم خانوں، مفلوک الحال لوگوں کی ضروریات اور مدارس کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ دور حاضر میں مسلمان لک میں وقف کرنے کا رواج بہت کم ہے اس وجہ سے مسلمان ممالک میں معاشی مسائل حل نہیں ہوتے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے معاشرہ کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک مخصوص اور قلیل طبقہ دولت کے تمام ذرائع پیدائش پر قابض ہے اور ایک بڑا طبقہ نان جویں کا محتاج ہے۔ اگر مسلمان امراء رسول کریم ﷺ کے جاری کردہ ادارہ وقف کو زندہ کرلیں تو بے شمار معاشی ضرورتیں پوری ہو جائیں گی اور معاشرہ سے معاشی ناہمواریاں ختم ہو جائیں گی۔

ہبہ

ہبہ، وہب سے ہے۔ جس کے معنی ہیں دینا۔ لیکن فقہ کی اصطلاح میں "تملیک بلا عوض" (بغیر کسی قسم کے معاوضہ کے کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا) ہے۔

ہبہ عام معنی کی رو سے اسے بھی کہتے ہیں کہ کسی پر قرض ہو یا دین اسے معاف کر دیا جائے اور صدقہ کو بھی کہتے ہیں اور ہدیہ کو بھی۔ امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ہبہ عام معنوں میں استعمال کیا

Marfat.com

ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ دولت ایک ہاتھ سے نکل کر دوسروں کے ہاتھوں میں جائے۔

رسول کریم ﷺ نے ہبہ کرنے کے بعد رجوع کو ناپسند قرار دیا ہے۔ لیکن والدین اولاد کو ہبہ کر کے رجوع کر سکتے ہیں جیسا کہ حدیث سے واضح فرمایا "**لایحل لرجل مسلم ان یعطی العطیة ثم یرجع فیها الا الوالد فیما یعطی ولده**" (مسند احمد، ترمذی) کسی مسلمان مرد کے لیے یہ بات حلال نہیں کہ عطیہ (ہدیہ) دے پھر واپس لے لیکن والد جو اپنی اولاد کو دے رجوع کر سکتا ہے۔

اگر والدین اولاد میں سے کسی ایک بچے کو کوئی چیز ہبہ کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں۔ رسول کریم ﷺ کی تعلیم کی رو سے تمام بچوں میں ہبہ کرتے وقت مساوات برتنی چاہیے اگر مساوات کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو ایک اولاد میں باہم نفرت پیدا ہو جائے گی۔ دوم تقسیم دولت کی روح کے بھی منافی ہے حدیث شریف میں ہے۔ "حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ اس کے والد اس کو رسول کریم ﷺ کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنا غلام اپنے بیٹے (نعمان) کو بخش دیا ہے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کیا تو نے اپنی اولاد میں سے ہر ایک کو اتنی چیز بخشی ہے۔" میرے والد نے کہا "نہیں۔" اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "تب تم اس کو واپس لے لو۔"

اسلام سے پہلے یہ رواج تھا کہ کسی کو کوئی چیز دیتے وقت یہ کہہ دیتے اَعْمَرَ تُكَهَا یعنی میں نے یہ عمر بھر کے لیے تجھے دے دیا تو اگر کوئی شرط ساتھ نہ ہوتی تو جب وہ شخص جس کے نام پر وہ چیز ہبہ کی گئی ہے۔ مر جاتا تو وہ چیز دینے والے کو یا اس کے ورثاء کو مل جاتی۔ رسول کریم ﷺ نے اس قسم کے ہبہ کو ناپسند کیا ہے اور یہ فیصلہ دیا "حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عمریٰ کے بارہ میں فیصلہ کیا کہ وہ اس کے لیے ہے جسے ہبہ کیا جائے۔ (بخاری ۵۱:۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے عمریٰ کو ایسی صورت میں جائز قرار دیا ہے کہ وہ چیز ہمیشہ کے لیے اس کی ہو جائے جسے دی گئی ہے۔

ایک اور قسم کا ہبہ رقبیٰ کہلاتا ہے۔ یعنی اگر دینے والا پہلے مر جائے تو جسے دیا گیا ہے اس کا ہو گیا اور اگر جسے دیا گیا وہ پہلے مر جائے تو وہ دینے والے کا ہو گیا گویا ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا تھا اسلام نے اسے بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا لَا تُرْقِبُوْا وَلَا تُعْمِرُوْا فَمَنْ اُرْقِبَ شَیْئًا اَوْ اُعْمِرَ شَیْئًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهٖ (ابوداؤد، نسائی) نہ رقبیٰ کرو اور نہ عمریٰ کرو کیونکہ جب کوئی چیز رقبیٰ کرے یا عمریٰ کرے تو یہ اس کے وارثوں کے لیے ہے۔

کفارات

غرباء تک دولت کو پہنچانے کا ایک ذریعہ کفارات ہیں کوئی شخص بلا عمد کسی مسلمان کو قتل کر دے یا قسم کھا کر اسے توڑ دے رمضان کے مہینے میں روزہ رکھ کر توڑ دے یا اپنی بیوی سے ظہار کرے تو ان صورتوں میں مال کا ایک حصہ غرباء کے لیے خرچ کرنا ضروری قرار دیا ہے۔

صدقۃ الفطر

عیدالفطر کے موقع پر صاحب نصاب لوگوں پر محتاجوں کے لیے صدقۃ الفطر دینا واجب قرار دیا گیا ہے۔ نماز عید کو جانے سے پہلے فی کس پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ضرورت مندوں پر خرچ کریں۔ یہ رقم صرف اپنی طرف سے نہیں بلکہ گھر کے ہر فرد کی طرف سے نکالی جاتی ہے۔

نفقات

اسلام نے ہر انسان پر کچھ ذمہ داریاں عائد کی ہیں وہ اپنے اقرباء کی معاشی کفالت کرے۔ بعض ذمہ داریاں تو وہ ہیں جو واجب ہیں مثلاً بیوی اولاد والدین کی کفالت کرنا بعض ذمہ داریاں معاشی خوش حالی کے ساتھ مشروط ہیں کہ اپنے خاندان کے دُور کے نادار رشتے داروں کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

عفو (ضرورت سے زائد خرچ کرنا) اسلام کا ایک انقلابی قدم

عفو (زائد از ضرورت) مال کی تقسیم اقتصادی شعبہ میں ایک انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کی مثال دنیا کے دوسرے کسی معاشی شعبہ میں نہیں ملتی۔ قرآن مجید کی رو سے عفو (مال) صاحب ثروت کی ملکیت نہیں رہتا بلکہ یہ دولت حکومت کی ہو جاتی ہے تاکہ ملک کے حاجت مندوں کی بھلائی پر خرچ کیا جا سکے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے فلاحی ریاست کا تصور اسلام نے دیا۔

ابن حزم نے اپنے واسطے سے رسول کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ان رسول اللہ ﷺ **قال من کان له فضل ظهر فليعد به علی من لاظهر له ومن کان فضل من زاد فليعد به علی من لازاد له قال فذکر من اصناف المال ماذکر حتی راينا انه لاحق لاحد عنا فی فضل.** یعنی ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ جس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ سواری ہو وہ زائد کو اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد خوراک ہو وہ زائد خوراک ان کو دے دے جن کے پاس خوراک نہیں ہے۔ (ابوسعید خدری کہتے ہیں) کہ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے دولت اور ذخیرے کی تمام اقسام کی تفصیل بتا دی جسے سن کر ہمیں یقین ہو گیا کہ زائد مال پر ہمارا کوئی حق نہیں رہا۔ (المحلی ۶/ ۱۵۸)

امام صاحب اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ "راینا" کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ "ضرورت سے زیادہ مال کسی کی ملکیت میں نہیں رہتا اور امام صاحب خود بھی اس حدیث کے وسیع مفہوم پر ایمان رکھتے ہیں۔" (المحلی ۶/ ۱۵۸/ ۳ تا ۴)

Marfat.com

حضرت عمرؓ کا فرمان

قال عمر بن الخطاب لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین. یعنی مجھے (عمر) پہلے ہی اس امر کا علم ہو جاتا جو بعد کو ہوا تو میں اغنیاء کی زائد دولت چھین کر نادار مہاجروں میں تقسیم کر دیتا۔ (المحلی ۶/ ۱۵۸/ ۷ تا ۱۰)

امام ابن حزم حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور تین سو جلیل القدر صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ وصح عن ابی عبیدہ بن الجراح وثلثماۃ من الصحابہ ان زادھم فی فامرھم ابوعبیدہ فجمعوا اوزاد ھم فی مزودین وجعل بقوتھم ایاھا علی السواء فھذا اجماع مقطوع من الصحابۃ لا مخالف لھم منھم. ایک (خشک سالی کی وجہ سے) غلہ کی قلت ہوگئی جس پر ابوعبیدہ نے سب کو حکم دے دیا کہ جتنا کچھ غلہ کسی کے پاس ہے اسے عکومت کے دو غلہ سٹاکوں میں جمع کر دے۔ اس کے بعد غلہ سٹاکوں سے ہر ایک فرد کو مساوی طور پر غلہ مہیا کیا جاتا تھا۔ اس واقع کو نقل کرنے کے بعد حضرت امام ابن حزم لکھتے ہیں یہ صحابہ کا قطعی اجماع ہے جس پر کسی ایک شخص نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

قرآن مجید میں فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (ان کے مالوں میں سائلین اور محرومین کا حق ہے) کے الفاظ میں بیان کیا ہے اس لیے بعض مسلم مفکرین نے یہ کہا کہ اگر کوئی سرمایہ دار اپنے اس حق کو ادا نہیں کرتا تو وہ باغی ہے۔ محتاج کو یہ حق حاصل ہے کہ سرمایہ دار سے اپنا حق چھین لے۔ ابن حزم فرماتے ہیں۔ ویقولون من عطش فخاف الموت ففرض علیہ ان یاخذ الماء حیث وجدہ وان یقاتل علیہ (المحلی ۶/ ۱۵۹/ ۱۲ تا ۱۳) فقیہ کہتے ہیں کہ پیاس کی وجہ سے جس کی موت یقینی ہو جائے تو اس کا فرض ہے کہ جہاں سے پانی ملے اسے حاصل کرے، خواہ اس کی مقاتلہ تک نوبت کیوں نہ آ جائے۔

امام ابن حزم المحلی ۶/ ۱۵۹/ ۱۴ تا ۱۶ میں مزید وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں اگر فقہاء کے نزدیک پیاس کی صورت میں دوسرے سے مقاتلہ کی اجازت ہے تو بھوک اور تن ڈھانپے کے لیے سرمایہ داروں سے لڑنے کی اجازت کیوں نہیں کیا اس تفریق کے لیے فقہاء کے پاس اجماع صحابہ قرآن سنت اور قیاس کی کوئی سند ہے؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں یقیناً تمام بنیادی ماخذ اس تفریق کے مخالف ہیں۔

حضرت امام ابن حزم ضروریات زندگی کے پورے نہ ہونے کی وجہ سے مضطر شخص کے متعلق فرماتے ہیں۔ ولہ ان یقاتل علی ذالک فان قتل فعلی قاتلہ القود وان قتل المانع فالی لعنۃ اللہ لانہ یمنع حقا وھو طائفۃ باغیۃ یعنی بھوک اور پیاس سے مضطر شخص کو اجازت ہے کہ غذا کے حصول کے لیے مالدار سے دست و گریبان ہو اب اگر اس راہ میں وہ قتل ہو جائے تو صاحب مال سے قصاص لیا جائے گا لیکن اگر مالدار (مضطر کے ہاتھوں) مارا جائے تو کوئی قصاص نہیں۔ اس پر خدا کی لعنت۔

(المحلی ۶/ ۱/ ۲۰ تا ۲۲)

Marfat.com

امام صاحب نے سورہ حجرات کی آیت ۹ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي (یعنی ایک فریق جب دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے باغی کو قتل کر دیا جائے) کی رو سے صاحب مال غرباء کا حق ادا نہ کرنے والے کو باغی قرار دیا ہے۔ کیونکہ حق ادا نہ کرنے کی پہل مالدار نے کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مانع الحق باغ علی اخیہ الذی له الحق وبھذا قاتل ابوبکر مانع الزکوۃ وباللہ تعالٰی التوفیق. (المحلی ۶/۱۵۶/۲۲ تا ۲۵) یعنی جس شخص نے اپنے غریب بھائی کا حق مارا وہی باغی ہے (اس قرآنی حکم کو مدنظر رکھ کر) حضرت ابوبکرؓ نے زکوٰۃ روکنے والوں سے لڑائی کی تھی۔ اللہ کی توفیق سے ایسا ہونا چاہیے۔

مضطر مالدار سے الجھنے اور دست و گریبان ہی کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب اسلامی حکومت حاجت مندوں کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے مالداروں سے ''عفو'' وصول کرنے کا کوئی بندوبست نہیں کرتی تو اس وقت فقہاء کے نزدیک اضطراری حالت میں مال داروں سے الجھنے کی اجازت ہے۔ اسلام دولت مندوں کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے مال پر سانپ بن کر بیٹھ جائیں اور غرباء کے حقوق کو پس پشت ڈال دیں۔

Marfat.com

باب ۸

اسلام اور تقسیم دولت (۲)

(منافع۔ لگان۔ اجارہ۔ محنت)

Marfat.com

اسلام اور تقسیم دولت (۲)

منافع (Profit)

اسلام کے سوا کوئی ایسا اقتصادی نظام نہیں ہے جو نفع کی حدود کا تعین کرے اور ناجائز حصول نفع پر پابندیاں لگاتا ہو۔ سرمایہ دارانہ نظام میں تو ناجائز حصول نفع پر بھی پابندیاں عائد کرنا ہی سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ہے۔

منافع کی تعریف

"منافع قومی آمدنی کا وہ حصّہ ہوتا ہے جو نفع ونقصان کی ذمہ داری قبول کرنے والے سرمایہ کے مالک کو ادا کیا جاتا ہے۔

"The share of the National Income which is given to risk capital for the services in the process of production is called profit."

نفع کی حد

اسلام نے نفع کی کوئی حد مقرر تو نہیں کی لیکن کچھ معاشی اخلاقی اقدار تقوئ، احسان، عدل، اخوت، مساوات اور لاضرر ولاضرار مقرر کر دی ہیں کہ کوئی سرمایہ کاران اقدار کے پیش نظر نفع کی اس حد تک نہیں بڑھ سکتا جو ان اخلاقی اقدار کی روح کے منافی ہو۔

جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو مسلمان تجار کی مثالیں سامنے آتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح مسلمان تجار نے نفع کے لیے اسلامی اقدار کو سامنے رکھا۔

امام غزالی نے اپنی تصنیف کیمیائے سعادت میں کاروبار اور باہمی لین دین میں احسان کی مختلف صورتوں پر بحث کی ہے اس کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ زیادہ نفع حاصل کرنا جائز نہ سمجھا جائے۔ خواہ مشتری اپنی ضرورت کی بناء پر زیادہ قیمت دینے پر رضامند ہو۔ حضرت سری السقطی دکان پر بیٹھتے تھے۔ وہ پانچ درہم فیصد سے زیادہ نفع کو جائز نہ سمجھتے تھے ایک دفعہ انھوں نے ساٹھ دینار کے بادام خریدے بعد میں باداموں کا نرخ بڑھ گیا۔ دلال نے ان سے فروخت کے لیے طلب کیے فرمایا تریسٹھ دینار

Marfat.com

میں فروخت کر دوں گا۔ اس نے کہا۔ ان کا بھاؤ تو ان دنوں نوے دینار ہو رہا ہے فرمایا ''ہوگا'' لیکن میں نے عہد کر رکھا ہے کہ پانچ فیصد منافع سے زیادہ پر کبھی بھی کوئی چیز فروخت نہیں کروں گا۔ اس لیے اپنے عہد سے روگردانی کیوں کروں حضرت محمد بن المنکدر کپڑا فروخت کرتے تھے۔ ایک دن ان کی عدم موجودگی میں ان کے شاگرد نے پانچ دینار والا کپڑا ایک اعرابی کے ہاتھ دس دینار میں بیچ ڈالا آپ جب واپس آئے تو حقیقت حال سے آگاہ ہوئے۔ تو اسی وقت اعرابی کی تلاش میں نکل پڑے بڑی تلاش کے بعد اعرابی مل گیا۔ فرمایا وہ کپڑا جو تم نے میری دکان سے خریدا ہے وہ پانچ دینار سے زیادہ کا نہیں ہے اعرابی نے کہا۔ ٹھیک ہی ہے۔ لیکن میں نے اپنی مرضی رضا و رغبت سے خریدا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے اپنی رضامندی سے خریدا ہے لیکن میں جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتا اسے کسی مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند نہیں کرتا۔ پس یا تو بیع فسخ کر دو یا پانچ دینار مجھ سے واپس لے لو یا پھر میرے ساتھ دکان تک چلو تا کہ میں تمھیں وہ کپڑا دوں جس کی قیمت واقعی دس دینار ہے اعرابی نے پانچ دینار واپس لے لیے۔

مسلمان تجار سلف کی یہ عادت تھی کہ نفع کم لیتے تھے اور معاملہ زیادہ کرتے تھے حضرت علیؓ کوفہ کے بازار میں پھر کر فرمایا کرتے تھے۔ ''اے لوگو! تھوڑے منافع کو رد نہ کرو کہ زیادہ منافع سے محروم نہ ہو جاؤ۔'' حضرت عبدالرحمن بن عوف سے لوگوں نے دریافت کیا، کہ آپ کی دولت مندی کا راز کیا ہے فرمایا ''میں نے تھوڑے نفع کو کبھی رد نہیں کیا۔''

اسلام نے جہاں منافع حاصل کرنے کے لیے اخلاقی اقدار کی تعلیم دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی منافع کے ناجائز ذرائع کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ وہ یہ ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ۱۔ احتکار (اشیاء کی قیمتوں کو بڑھانے کے لیے روک رکھنا تا کہ زیادہ نفع حاصل کیا جائے) ۲۔ اتلاف مال (اشیاء کا ضائع کر دینا تا کہ منڈیوں میں اشیاء کی رسد کم ہو جائے اور قیمتیں بڑھ جائیں) ۳۔ تخبیس اشیاء (زیادہ نفع کے حصول کے لیے معیار کا گرا دینا) ۴۔ اجارہ داری (ایک یا چند تاجر مل کر کسی شے صرف پر قبضہ کر لیتے ہیں پھر اس شے کو مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں) ۵۔ بددیانتی۔ وغیرہ

لگان

زرعی زمین کے کرایہ کو لگان کہا جاتا ہے جس طرح ضرورت سے زائد مکانات اور پلازے تعمیر کر کے ضرورت مندوں کو کرایہ پر دینا ناجائز ہے۔ اسی طرح زائد از ضرورت زمین کو محض اپنی خوش حالی کی خاطر لگان پر دینا بھی از روئے اسلام ناجائز ہے۔ اسلام کی معاشی پالیسی یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں نہ رہے بلکہ گردش دولت پر زور دیا ہے تا کہ تمام لوگ گردش دولت کی وجہ سے مستفید ہو سکیں۔

اسلام نے جاگیرداری نظام کے لگان کو قطعی طور پر ممنوع اور ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ اسلام میں جاگیرداری نظام حرام ہے خصوصاً اس قسم کا جاگیرداری نظام جو پاکستان میں ہے۔ اس موضوع پر ہندوستان

Marfat.com

اور پاکستان کے علماء نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مزید مطالعہ کے لیے قاری کو کتب زمینداری، جاگیرداری اور اسلام مصنفہ رحمت اللہ طارق، اشاعتی ادارہ البیان چوک انارکلی لاہور، مسئلہ زمین اور اسلام مصنفہ شیخ محمود احمد ایم اے پرنسپل گورنمنٹ کالج راولاکوٹ آزاد کشمیر، اشاعتی ادارہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور اسلام کا اقتصادی نظام مصنفہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اشاعتی ادارہ مکتبہ اقرا سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور اور عربی کی ایک مشہور کتاب المحلیٰ مصنفہ ابن حزم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

لگان کے ناجائز ہونے کے متعلق حضرت رافع بن خدیج، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ثابت بن ضحاکؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے احادیث مروی ہیں۔

مدینہ میں زمینداری کے لحاظ سے رافع بن خدیج کا سب سے بڑا خاندان تھا۔ اس خاندان کو بٹائی پر زمین کو کاشتکاری پر دینے سے منع فرمایا۔

حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ (الحازمی) اپنی سند کے ساتھ رقمطراز ہیں کہ:

سلیمان بن یسار نے رافع بن خدیج سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس کے پاس کوئی زمین ہو اسے چاہیے کہ یا تو خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو زراعت کے لیے دے دے۔ مگر لگان پر نہ دے نہ تہائی پیداوار پر نہ چوتھائی نہ ایک مقررہ مقدار پر (کتاب الاعتبار ص ۱۳۵)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے نهى رسول الله ﷺ كراء الارض رسول اللہ ﷺ نے کرائے (لگان) پر زمین دینے سے منع فرمایا۔

حضرت جابر سے روایت ہے۔ نهى رسول الله ﷺ ان يوخذ الارض اجرٌ وحظٌ (مسلم) رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ زمین اجرت پر یا پیداوار کے کسی حصے پر کاشت کے لیے دی جائے۔

ابوسعید خدری سے روایت ہے۔ نهى رسول الله ﷺ عن المزابنة والمحاقلة (مسلم، ابن ماجہ) یعنی رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے بدلے ثمرہ کی فروخت اور کاشت کرانے کے لیے بٹائی سے منع فرمادیا۔

عن حماد بن سلمة حدثنا عمرو بن دينار قال سمعت عبدالله بن عمر بن الخطاب يقول نهى رسول الله ﷺ عن كراء الارض (المحلیٰ ۸/۲۱۲/۱۱ تا ۱۳) حماد بن سلمہ سے روایت ہے کہ ہم سے عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن عمر بن خطاب سے سنا کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کے کرائے (لگان) سے منع فرمایا تھا۔

لگان پر کاشت کرانے کی ممانعت کی احادیث عہد رسول ﷺ میں ہی مشہور تھیں۔ ابن حزم لکھتے ہیں۔ فهو نقل تواتر موجب للعلم اليقين فاخذ بهذا طائفة من السلف لگان پر کاشت کرانے کی ممانعت رسول اللہ ﷺ سے تواتر سے مروی ہے۔ علم یقین کا موجب ہیں سلف کی ایک جماعت نے ان پر

Marfat.com

متواتر احادیث کو بنیاد بنا کر لگان پر کاشت کرانے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ (المحلی ۱۶/۲۱۲/۸)

امام ابویوسف، امام اعظم کا لگان کے متعلق نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اذا اعطی الرجل الرجل ارضا مزارعة بالنصف او الثلث او الربع او اعطی نخلا او شجراً معاملة بالنصف او اقل من ذالک او اکثر فان ابا حنیفة کان یقول هذا کله باطل (اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ) یعنی اگر ایک آدمی کسی آدمی کو نصف یا تہائی یا چوتھائی پر زمین بٹائی پر دے یا باغ یا درخت کا نصف یا اس سے کم یا زیادہ پر معاملہ کرے۔ یہ ساری صورتیں ناجائز ہیں۔ مزارعت پر بحث کرتے ہوئے یہ بیان کیا تھا کہ حدیث کے دفتر سے مزارعت کے جائز ہونے کی بھی احادیث ملتی ہیں پھر وہاں مزارعت کے جائز ہونے کی بھی احادیث ملتی ہیں پھر وہاں مزارعت کے جائز اور ناجائز ہونے میں تطبیق بھی کی تھی۔ یہی حالت لگان کے جائز اور ناجائز ہونے میں ہے۔ کتب احادیث میں ایسی بھی روایت بھی ہیں جو لگان کو جائز قرار دیتی ہیں۔ قیس بن مسلم حضرت ابوجعفر (امام محمد باقر) سے روایت کرتے ہیں کہ مہاجرین کا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا۔ جو تہائی یا چوتھائی حصہ پیداوار کے عوض کاشت نہ کرتا ہو۔ امام بخاری نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد پھر اس تائید میں مزید نظائر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ بٹائی پر حضرت علی حضرت سعد بن مالک اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے معاملہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور قاسم اور عروہ نے بھی کیا۔ اسی طرح آل ابوبکر، آل علی، آل عمر سب بٹائی کاشت کراتے تھے۔ حضرت عمرؓ اس شرط پر بٹائی پر دیتے تھے۔ اگر "عمر اپنے پاس سے بیج دے گا تو آدھی پیداوار لے گا اور اگر کاشت کار اپنا بیج لائیں تو ان کا حصہ اتنا ہوگا (بخاری باب المزارعة بالشطر ونحوه)

حضرت ابوبکرؓ کے متعلق آتا ہے کان ابوبکر یعطی الارض علی الشطر (طحاوی) حضرت ابوبکر اپنی زمین نصف نصف کی بٹائی پر کاشتکاری کے لیے دیتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ:

لاباس المزارعة بالنصف (کنز العمال) نصف نصف کی بٹائی پر زمین کاشت کے لیے دینے میں کوئی حرج نہیں۔

رسول کریم ﷺ نے بٹائی پر کاشتکاری کے لیے زمین دینے سے اس گھرانے یا لوگوں کو منع فرمایا تھا جو مدینہ میں سب سے زیادہ زمین کے مالک تھے یعنی اس دور کے جاگیردار تھے۔ ان لوگوں کا بٹائی پر زمین کاشت کاری کے لیے دینا اسلامی نظام اقتصاد کی روح کے منافی تھا۔ اگر کوئی قاری پاکستان کے بڑے بڑے جاگیرداروں کا نظام لگان دیکھے تو اس پر صاف کھل جائے گا کہ رسول کریم ﷺ نے کس قسم کی بٹائی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ پاکستان کے نظام جاگیرداری سے ملتا جلتا نظام زمین داری حضرت رافع بن خدیج کے گھرانہ میں تھا۔ اس گھرانے (رسول کریم ﷺ کے دور کا جاگیردار گھرانہ) کو منع فرمایا۔ لیکن جن لوگوں کی

Marfat.com

تھوڑی زمینیں تھیں کسی مجبوری سے خود بھی کاشتکاری نہیں کر سکتے تھے ان کو بٹائی پر زمین دینے سے نہیں روکا۔ جاگیرداری نظام میں زمین بٹائی پر دینا احسان، اخوت اور عدل اور مساوات کے منافی ہے اس لیے آپ نے اس قسم کی بٹائی پر کاشتکاری کے لیے دینا ممنوع قرار دیا ہے۔ بٹائی کی دوسری شکل کو جائز قرار دیا۔ یہ صورت احسان اخوت اور عدل کے منافی نہیں۔

رسول کریم ﷺ کا یہ حکم حکمت اور موقع محل کے مطابق ہوتا تھا۔ مثلاً رسول کریم ﷺ سے ایک بوڑھے آدمی نے روزہ میں بھوسہ لینے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک نوجوان نے پوچھا تو آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔ دونوں فتاویٰ حکمت اور دانائی پر مبنی تھے اور موقع محل کے مطابق بوڑھے آدمی کی طبیعت میں بھوسہ لینے سے اشتعال پیدا ہونے کا احتمال نہیں ہے۔ اس لیے آپ نے بوڑھے کو بھوسہ لینے سے نہیں روکا جبکہ جوان آدمی کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہونے کا قوی امکان تھا۔ اس لیے نوجوان کو روک دیا۔ یہی حال بٹائی پر زمین کاشت دینے کا معاملہ ہے۔ رسول کریم ﷺ نے پاکستانی طرز کی جاگیرداری نظام کی بٹائی کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

ہمارے علماء نے افراط اور تفریط کا راستہ اختیار کیا ہے۔ بعض علماء نے بٹائی کی ہر شکل کو جائز قرار دیا ہے جبکہ بعض نے ہر شکل کو ناجائز۔

جو بٹائی کی شکل جائز ہے اس میں بھی اخلاقی اقدار عدل، احسان اور اخوت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

اجارہ

اجارہ، اجر سے ہے جس کے معنی ہیں جو عمل کے بدلہ سے لوٹ کر آتا ہے دنیوی ہو یا اخروی۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (یونس ۱۰:۷۲) میرا اجر صرف اللہ پر ہے۔ اٰتَیْنٰہُ اَجْرَہٗ فِی الدُّنْیَا (العنکبوت ۲۹:۲۷) ہم نے اسے دنیا میں اس کا اجر دیا۔

فقہ کی اصطلاح میں کسی شے کے نفع کے عوض کے مقابل کسی شخص کو مالک کر دینا اجارہ ہے جسمانی یا ذہنی عمل کا بدلہ، ٹھیکہ اور نوکری یہ سب اجارہ کی مختلف شکلیں ہیں۔

اجارہ کی ایک شکل ''مکان وغیرہ کی کرایہ داری'' سے متعلق بحث کی جا چکی ہے۔ اجارہ مکان کے جواز میں کوئی صحیح حدیث نہیں پائی جاتی۔ یہ شکل اسلام کے معاشی تعلیم کی روح کے منافی ہے کیونکہ اس شکل سے دولت کا بہاؤ مخصوص طبقہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ دوم اسلامی اقدار اخوت اور تعاون کے بھی خلاف ہے۔ یہاں اجارہ کی اس شکل کا ذکر کیا جائے گا جو کسی کے عمل کے نتیجہ میں ملتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْکَ لِیَجْزِیَکَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا (القصص ۲۸:۲۵) کہنے لگی میرا باپ تجھے بلاتا ہے تاکہ تجھے اس کی اجرت بدلہ میں دے جو تو نے ہمارے لیے پانی پلایا۔

قَالَتْ اِحْدٰهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (القصص ۲۶:۲۸) دونوں (لڑکیوں) میں سے ایک نے کہا اے میرے باپ اسے نوکر رکھ لے بہترین نوکر جو تو رکھنا چاہتے ہو مضبوط اور امین ہے۔ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ. (۲۸:۲۷) اس (حضرت شعیب) نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں اس شرط پر کہ تو آٹھ سال تک میری نوکری کرے۔

حدیث میں مزدوری کے اجارے کا جواز

حدیثوں میں مزدوری کے اجارے کے جواز میں بہت احادیث پائی جاتی ہیں۔

۱۔ عن ابی هریره عن النبی ﷺ قال مابعث اللّٰهُ نبیًا الا رعیٰ الغنم فقال اصحابه وانت؟ فقال نعم کنت ارعاها علی قراریط لاهل مکه (بخاری شریف) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" میں نے بھی چند قیراط پر مکہ والوں کی بکریاں چرائی تھیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اجرت پر مزدوری جائز ہے۔

عن جابرؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ اجرت نفسی من خدیجة سفرتین بقلوص (امام بیہقی، السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۱۸) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اجرت پر خدیجہؓ کے لیے دو تجارتی سفر ایک جوان اونٹنی کے بدلے کے۔

عن عائشةؓ قالت استاجر رسول اللّٰه ﷺ وابوبکر رجلاً من نبی الدیل هادیًا خریتا...... وهو دین کفار قریش فامناه فدفعا الیه راحلتیهما و واعده غار ثور بعد ثلاث لیالِ فاتاهما براحلتیهما صبیحة لیال ثلاث فارتحلا وانطلق معهما عامر بن فهیرة والدلیل الدیلی فاخذهم طریق الساحل (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۳۰۱) حضرت عائشہؓ نے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر نے بنی دیل کے ایک آدمی کو اجرت پر لیا وہ راستوں کا خوب ماہر تھا۔ باوجودیکہ وہ کفار قریش کے دین پر تھا۔ ہم نے اس پر بھروسہ کیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی دو سواریاں دیں اور وعدہ لیا کہ وہ تین دن کے بعد ان کو غار ثور پر لے آئے گا۔ چنانچہ وہ تیسرے روز صبح کے وقت دونوں سواریاں لے کر آ گیا آپ دونوں ان پر سوار ہو کر چل پڑے۔ اور آپ ﷺ ساتھ عامر بن فہیرہ اور دوسرا راہبر دیلی تھا۔ وہ ان کو ساحل سمندر کے راستہ سے لے گیا۔

عن ابن عباس قال احتجم النبی ﷺ واعطی الحجام اجره (بخاری صحیح حصہ اوّل صفحہ

Marfat.com

۳۰۴) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنی لگوائی اور حجام کو اس کی اجرت ادا فرمائی۔

اجرت کے ادا کرنے کا حکم

پوری اجرت ادا کرنا

رسول کریم ﷺ نے جہاں اجرت پر مزدور رکھنے کو جائز قرار دیا ہے وہاں اجیر کے حقوق بھی بیان کیے ہیں۔

قال رسول الله اعطوا الاجیر اجره قبل ان یجف عرقه (بخاری و مسلم) رسول کریم ﷺ نے فرمایا مزدور کی مزدوری اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ قال قال الله ثلاثة انا خصمهم یوم القیامه رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حراً فاکل ثمنه و رجل استاجر اجیراً فاستوفی منه ولم یعطه اجره (صحیح بخاری جلد اوّل ص ۳۰۲) حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول کریم ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تین آدمی ایسے ہیں جن سے میں جھگڑوں گا ایک وہ جس نے میرے نام سے عہد کیا اور پھر اسے توڑ دیا دوسرا وہ جس نے کسی آزاد شخص کو بیچ کر اس کی ثمن کھائی اور تیسرا وہ جس نے اجیر سے کام تو پورا پورا لیا لیکن اس کو اس کی اجرت نہ دی۔

عن ابی هریره ان رسول الله ﷺ قال مطل الغنی ظلم (بیہقی کتاب الجارہ جلد ٦ ص ۱۲) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مالدار کا دوسرے کی ادائے حق میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔

اجرت اور مدت کا تعین

اسلام نے اجیر کو کام پر لگانے سے پہلے اس کی اجرت کا تعین ضروری قرار دیا ہے۔ **عن ابی هریره عن النبی ﷺ قال من استاجر اجیراً فلیعلمه اجره** (السنن الکبریٰ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی سے اجرت پر کام کرائے واضح طور پر اس کی اجرت بتا دے۔

عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول الله ﷺ نهی عن استجار الاجیر حتی یبین له اجوه (بیہقی کتاب الاجارہ) ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اجیر کو اس کی اجرت طے کیے بغیر کام پر لگانے سے منع فرمایا۔

انی لست استعمل احداً حتی اشارطه (کتاب فردوس دیلمی کنز الحقایق) میں کسی کو کسی

Marfat.com

کام پر بغیر معاہدہ کے مقرر نہیں کرتا۔

مذکورہ احادیث میں اجیر کی اجرت اور کام کے میعاد کا تعین اور کام کی نوعیت کی وضاحت کر لینا ضروری ہے۔

طاقت سے زیادہ کام نہ دیا جائے

فرمایا ویکلفه من العمل ما یغلبه فان کلفه مایغلبه فلیعنه علیه (بخاری کتاب الایمان) اور جو کام اس کی طاقت سے باہر ہو اس کی اسے تکلیف نہ دے اور اگر تکلیف دے تو پھر اس کی مدد کر۔

مزدور کو بونس دینا

اسلام نے جہاں مزدور کو اس کی مزدوری پورا دینا ضروری قرار دیا ہے بلکہ پوری مزدوری نہ ادا کرنے والا سرمایہ دار قابل مواخذہ ہے۔ وہاں مزدوری کے ساتھ دیگر مراعات دینا بھی ضروری قرار دیا ہے۔ فرمایا هم اخوانکم جعلهم الله تحت ایدیکم فمن جعل الله اخاه تحت یده فلیطعمه مما یاکل ولیلبسه مما یلبس (بخاری کتاب الایمان) وہ مزدور تمہارے بھائی ہیں ان کو خدا نے تمہارے ماتحت کیا ہے پس جس کے ماتحت خدا نے اس کے بھائی کو رکھا ہے اس کو چاہیے کہ وہ جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے۔

موجودہ دور جو مزدور کو اپنے جیسا کھلانے اور پہنانے کا ذکر کیا ہے وہ بونس کے زمرہ میں آتا ہے۔ حدیث کی روح اس طرح اشارہ کرتی ہے کہ اگر مزدور کی متعینہ مزدوری کے ساتھ اس کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں تو وہ مزید مراعات دے کر اس کی کھانے پہننے کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

ایک اور حدیث ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اعطوا العامل من عمله فان عامل الله لایخیب (مسند احمد حنبل) کام کرنے والے کو اس کے کام میں سے حصہ دو کیونکہ خدا کا عامل نامراد نہیں کیا جا سکتا۔

عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال اذا اتی احدکم خادمه بطعامه فان لم یجلسه معه فلینا وله اکلة او اکلتیس او لقمة او لقمتیس فانه ولی حره و علاجه (بخاری کتاب الاطعمة) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تمہارا خادم کھانا لائے تو اگر خادم کو اپنے ساتھ نہ بٹھائے تو چاہیے کہ اسے ایک لقمہ یا دو لقمے، ایک نوالہ یا دو نوالے دے دے کیونکہ گرمی کی شدت برداشت کی ہے اور اس کو پکایا ہے۔

اسلام نے تنخواہ یا اجرت کا معیار بھی مقرر کر دیا ہے کہ اس سے مزدور کے کنبہ کی بنیادی ضروریات پوری کی جا سکیں مثلاً خوراک، لباس اور مکان اور اضافی ضروریات مثلاً علاج اور تعلیم وغیرہ جیسا

Marfat.com

کہ ایک حدیث میں آتا ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ابن آدم کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کے لیے ایک گھر ہو جس میں وہ رہائش پذیر ہو سکے۔ کپڑا ہو جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے اور کھانے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے پانی ہو۔" (ترمذی)

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ تنخواہ یا اجرت اتنی ہونی چاہیے جس سے اس کی بنیادی احتیاجات پوری ہو سکیں۔ اگر حکومت اپنے ملازمین[1] کو ان کی ضروریات کے مطابق تنخواہیں نہیں دیتی یا کارخانہ دار اپنے مزدوروں کی احتیاجات کو پورا نہیں کرتے تو اسلامی معاشی تعلیم کی روح کے منافی ہے تو آجر ان کی حق تلفی کرتا ہے۔ وہ خدا کے غضب کا مستوجب ہے۔

تعین کے لحاظ سے اجرت کی اقسام

۱۔ طریق ادائیگی کی بناء۔ ۲۔ عام اصولوں کی بناء پر۔ ۳۔ شکل وصورت کی بناء پر۔

طریق ادائیگی کی بناء پر اجرت کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں۔

(الف) اجرت بلحاظ وقت

اس سے مراد وہ اجرت ہے جو مزدور کو کام کرنے کے وقت کے لحاظ سے دی جاتی ہے یعنی مزدور جتنے دن اور جتنے گھنٹے کام کرے انھیں شمار کر کے اس کا معاوضہ دے دیا جائے مثلاً یومیہ اجرت، ہفتہ وار اجرت یا ماہوار اجرت۔

(ب) اجرت بلحاظ کام

جب مزدور کو اس اجرت کے کام کے حساب سے دی جائے تو اسے اجرت بلحاظ کام کہتے ہیں اگر کام زیادہ ہے تو زیادہ اجرت اور اگر کام کم ہو تو کم اجرت دی جاتی ہے گویا اجرت ادا کرتے وقت مزدور کے کام کی مقدار کو مدنظر رکھا جاتا ہے مثلاً ایک شخص کپڑے سلائی کے لیے درزی اجرت پر رکھتا ہے تو ایک جوڑے کی سلائی کی مزدوری مقرر کر کے درزی سے کہتا ہے کہ جتنے جوڑے وقت مقررہ میں سی لے گا۔ اس کے مطابق اس کو اجرت دے دی جائے گی۔

۲۔ عام اصولوں کی بناء پر اجرت

عام اصولوں کی بناء پر اجرت کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) اوسط اجرت

اس سے مراد ایسی اجرت ہے جو اوسط شرح سے کسی کاروبار یا کارخانے میں مزدوروں کو ادا کی

---

[1] گورنمنٹ ملازمین بھی اجیر کے زمرہ میں آتے ہیں۔

Marfat.com

جاتی ہے۔ اسے فارمولہ کے تحت اجرت اس طرح ادا ہوگی۔

اوسط اجرت = کل اجرت / مزدوروں کی تعداد

اس طریقہ کار میں ایک مزدور کی اجرت مقرر نہیں کی جاتی بلکہ کل اجرت مقرر لی جاتی ہے پھر مزدوروں کے سپرد کام کر دیا جاتا ہے۔ جب کام ختم ہو جاتا ہے تو وہ اجرت تمام مزدوروں میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ مثلاً ایک کاروبار میں کل اجرت ایک لاکھ روپے ہے مزدوروں کی تعداد ایک ہزار ہے تو اوسط اجرت ۱۰۰۰۰۰÷۱۰۰۰ یعنی ۱۰۰ روپے ہوگی۔

(ب) نسبتی اجرت

اگر مختلف پیشوں میں یا ایک ہی پیشہ میں کام کرنے والے مزدوروں کو ان کی تعلیم اور فنی مہارت کی بناء پر مختلف اجرت ادا کی جائے تو اسے نسبتی اجرت کہتے ہیں۔

۳۔ شکل وصورت کی بناء پر اجرت

اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(الف) ظاہری اجرت یا اجرت متعارفہ

یہ وہ ادائیگی اجرت ہے جو ایک مزدور کو اس کی محنت کے عوض زر کی صورت میں دی جاتی ہے۔ مثلاً اگر ایک مزدور کو ۲۰۰ روپے روزانہ ملتے ہیں تو یہ رقم اس کو ظاہری اجرت یا اجرت متعارفہ ہوگی۔ اس اجرت کو زری اجرت بھی کہا جاتا ہے۔

(ب) حقیقی اجرت

اس سے مراد اشیاء وخدمات کی وہ مجموعی مقدار ہے جو کسی مزدور کو اس کی خدمات کے صلہ میں حاصل ہوتی ہے اس میں عموماً تنخواہ کے علاوہ دوسری مراعات بھی شامل ہیں۔ مثلاً رہائشی مکان، مفت طبی امداد اور وردی وغیرہ۔

حقیقی اجرت میں ظاہری اجرت اور دیگر مراعات شامل ہیں۔

اسلام کی معاشی تعلیم کی رو سے مزدوروں کی اجرت کا معیار، اجرت حقیقی ہے۔ یعنی ہر مزدور کو اتنی اجرت دی جائے۔ جس سے اس کی تمام بنیادی ضروریات پوری ہو سکیں۔

مزدوروں کے فرائض

اسلام نے جہاں آجروں پر مزدوروں کی بنیادی ضروریات پوری کرنا ضروری قرار دیا ہے وہاں

اجیروں کے بھی فرائض مقرر کیے ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ (۲۶:۲۸) بہترین نوکر وہ ہوتا ہے جو قوی اور امین ہو۔

گویا مزدور امین ہونا ضروری ہے جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے اس کو باحسن طریق انجام دے یا جو چیز اس کے سپرد کی گئی ہے اس کی حفاظت کرے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

الخازن الامین الذی یودی ما امربه طیبه نفسه احد المصدقین (بخاری) امانت دار خزانچی جو اپنے مالک کی دی ہوئی رقم سے خوشی سے ادا کرے اس کو بھی صدقہ کا ثواب ملے گا۔

اجیر کی اقسام

اجیر کی دو اقسام ہیں۔ اجیر خاص اور اجیر مشترک۔

(الف) اجیر خاص

اس سے مراد وہ شخص ہے جس کو مستاجر نے کسی خاص اجرت پر اور متعینہ وقت کے لیے رکھا ہو۔ جیسے نوکر یا خادم۔

(ب) اجیر مشترک

یہ کسی ایک شخص کے لیے کام کرنے کا پابند نہیں ہوتا۔ جو شخص اس کو اُجرت پر رکھ لے تو وہ کام انجام دینے پر اجرت کا مستحق ٹھہرے گا مثلاً سٹیشن پر ایک قلی ہے۔ جب کوئی شخص اس سے کام لے گا۔ تب وہ مزدوری کا حق دار ہوگا۔ وہ کسی ایک شخص کا اجیر نہیں ہوتا جو بھی اس سے کام لے گا وہ اسی کا اجیر ہوگا۔ اگر اس کو خاص مدت یا خاص مقام کے لیے پابند کیا گیا ہے تو وہ اس دوران کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتا۔

اجارہ کی شرائط

۱۔ عاقل ہونا۔ ۲۔ ملک و ولایت اجارہ کرنے والا مالک یا ولی ہو اجارہ کرنے کا اسے اختیار حاصل ہو۔ ۳۔ مستاجر کو وہ چیز سپرد کر دینا جب کہ اس چیز کے منافع پر اجارہ ہوا ہو۔ ۴۔ اجرت کا معلوم ہونا۔ ۵۔ منفعت کا معلوم ہونا تاکہ جھگڑے کا احتمال نہ رہے۔ ۶۔ جہاں اجارہ کا تعلق مدت سے ہے تو مدت کا تعین کرنا ضروری ہے۔ مثلاً مکان کرایہ پر لیا تو یہ طے کرنا ضروری ہے کہ اتنے عرصے کے لیے لیا۔ ۷۔ جانور کرایہ پر لیا تو وضاحت ضروری ہے کہ کس کام کے لیے لیا گیا ہے اور کتنے وقت کے لیے لیا گیا ہے اور کس قسم کا کام لیا جائے گا۔ صرف سواری کے لیے یا بوجھ لادنے کے لیے۔ ۸۔ وہ کام ایسا ہو کہ اس کا پورا کرنا قدرت میں ہو۔ مثلاً غلام کو اجارہ پر دیا وہ بھاگا ہوا ہے یا شرعاً غیر مقدور ہو مثلاً کسی گناہ کے ارتکاب پر

اجارہ۔ یہ دونوں اجارے صحیح نہیں۔ ۹۔ وہ عمل جس کے لیے اجارہ کیا ہو اس شخص پر واجب نہ ہو۔ ۱۰۔ منفعت مقصود ہو۔ ۱۱۔ اجارہ میں ایسی شرط نہ ہو جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو۔

اجارہ کا فاسد ہونا

جو شرائط مقتضائے عقد کے خلاف ہیں ان سے عقد اجارہ فاسد ہو جاتا ہے لہٰذا جو شرائط بیع کو فاسد کرتی ہیں اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہیں کیونکہ اجارہ بھی ایک قسم کا بیع ہے مثلاً مجنوں، فاتر العقل نے یا بچے نے جس میں قوت تمیز نہیں معاملہ کیا تو یہ معاملہ باطل ہوگا۔ اس طرح جہالت سے بھی اجارہ فاسد ہو جائے گا یعنی جو چیز اجرت پر دی جائے وہ مجہول یا منفعت کی مقدار مجہول ہو۔ یعنی مدت بیان نہیں ہوئی مثلاً مکان کتنے دنوں کے لیے کرایہ دیا یا اجرت مجہول ہو یعنی یہ بیان نہیں کیا کہ کرایہ کیا ہوگا یا کام مجہول ہو۔ یہ نہیں بیان کیا گیا کہ اس سے کیا کام لیا جائے گا۔ مثلاً جانور میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ یہ بار برداری کے لیے ہے یا سواری کے لیے (فتاوی عالمگیری) کوئی جانور اس شرط پر لیا کہ اس کو دانہ گھاس وغیرہ مستاجر دے گا یہ اجارہ فاسد ہے جانور کا چارہ وغیرہ مالک کے ذمہ ہے اور مستاجر کے ذمہ کرنا مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔ اس طرح مکان کرایہ پر دیا اور یہ شرط رکھ دی کہ اس کی مرمت مستاجر کے ذمہ ہے یا مکان کا ٹیکس مستاجر کے ذمہ ہے یہ اجارہ فاسد ہوگا۔ (درمختار[1])

1. تفصیل کے لیے دیکھئے کتب بہار شریعت، ہدایہ، فتاویٰ عالمگیری، درمختار، بحر الرائق۔

Marfat.com

محنت

علم معاشیات میں جس طرح زراعت صناعت اور تجارت پیدائش دولت کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ اسی طرح محنت بھی ایک وسیلہ ہے۔ اسلام میں محنت سے مراد انسانی فعل ہے۔ خواہ اعضاء و جوارح کا ہو یا ذہن قلب کا۔ اسلام میں جس طرح متقوم یعنی کوئی قیمت والی شے ہے اسی طرح انسان کے افعال بھی متقوم یعنی قیمت والی شے ہیں۔

انسانی تمدنی زندگی کا دار و مدار ہی انسان کے افعال پر ہے۔ اگر ایک شخص اپنے سرمایہ سے ایک کارخانہ نصب کر لیتا ہے تو پیدائش دولت کے لیے مزدوروں کا محتاج ہے۔ سرمایہ دار تنہا تو کارخانہ کے تمام سرانجام نہیں دے سکتا۔ ہر قدم پر دوسرے لوگوں کا محتاج ہوگا۔ اگر کارخانہ میں مزدوروں کی محنت شامل نہ ہو تو تمام کارخانہ بند ہو جائے گا۔ لہٰذا معلوم ہوا محنت پیدائش دولت کا ایک اہم وسیلہ ہے جس کے بغیر دنیا کے تمام کاروبار ختم ہو جاتے ہیں اور دنیا کی علمی ثقافتی تمدنی زندگی ماند پڑ جاتی ہے۔ علماء معاشیات جسمانی مشقت کرنے والوں کو مزدور کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ دماغی محنت کرنے والوں کو ملازمین کے لفظ سے اور اہل حرفہ اور ماہرین فن اپنی اپنی فنی مہارت کی وجہ سے الگ الگ ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ مثلاً طبیب، وکیل، حجام وغیرہ۔

فقہ اسلامی کی اصطلاح میں پہلی قسم کے کام کرنے والوں کو اجیر خاص کہتے ہیں۔ یعنی ایسا اجارہ پر کام کرنے والا جو ایک وقت میں ایک ہی آجر کا کام کرتا ہے۔ دوسری قسم کے کام کرنے والوں کو اجیر مشترک یا اجیر عام کہتے ہیں جیسے اہل حرفہ میں دھوبی، حجام، موچی وغیرہ اور اہل فن میں طبیب وغیرہ۔

اسلام نے اس ہمہ گیر ذریعہ پیدائش دولت یعنی محنت کو بہت اہمیت دی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى (النجم ۵۳:۳۹......۴۱) اور انسان کے لیے کچھ نہیں مگر وہی جو وہ کوشش کرتا ہے اور کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى (الیل ۹۲:۴) بے شک تمہاری کوشش الگ الگ ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ (الغاشیہ ۸۸:۸،۹) کچھ منہ اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنی کوشش کی وجہ سے راضی ہوں گے۔

اِنَّ ھٰذَا کَانَ لَکُمۡ جَزَآءً وَّ کَانَ سَعۡیُکُمۡ مَّشۡکُوۡرًا (الدھر ۷۶:۲۲) یہ تمہارا بدلہ ہے اور تمہاری کوشش کی قدر ہوگی۔

وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعۡمَلُوۡنَ (الانعام ۶:۱۳۲) اور سب کے لیے درجے ہیں اس کے مطابق جو انھوں نے عمل کیے اور تیرا رب اس سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ (الجمعہ ۶۲:۱۰) پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (دولت) تلاش کرو۔

وَاٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ (المزمل ۷۳:۲۰) اور جو زمین میں سفر کریں گے۔ اللہ کے فضل (روزی) کو تلاش کریں گے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

من جدوجد ولکل مجتھد نصیب الصحۃ تمتع الرزق. (المدینۃ والاسلام فرید وجدی) جو شخص کوشش کرے گا اس کی کوشش کا پھل ملے گا۔ اور ہر کوشش کرنے والے کو کچھ نہ کچھ ملتا ہے۔

اعملو فکل میسر لما خلق لہ. (بخاری و مسلم بحوالہ کنوز الحقائق) عمل کرو ہر شخص کے لیے وہ کام آسان ہے جس کی وہ صلاحیت رکھتا ہو۔

اسعو فان اللہ کتب علیکم السعی. (مسند امام احمد کنوز الحقائق) کوشش کر کہ اللہ نے تم پر کوشش کرنا فرض کی ہے۔

اجملوا فی طلب الدنیا فان کلامیسر لما خلق لہ. (ابن ماجہ باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ) دنیا کی طلب اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کرو اس لیے کہ جس کے لیے کوئی پیدا کیا گیا ہے وہ اس کو ضرور ملے گا۔

اعمل لدنیاک کانت تعیش ابداً و اعمل لاخرتک کانت تموت غداً. (المدینۃ والاسلام) دنیا کے کاموں میں ایسی کوشش کرو گویا تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت کے لیے اس طرح عمل کرو گویا کہ تم کل ہی مر جاؤ گے۔

طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضہ. (کنز العمال) حلال روزی کا طلب کرنا اللہ کے فریضہ عبادت کے بعد سے بڑا فرض ہے۔

اذا صلیتم الفجر تناموا عن طلب ارزاقکم. (کنز العمال ج ۳ مشکوٰۃ کتاب البیوع) فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی کوشش کیے بغیر آرام کا نام نہ لو۔

اطلبوا الرزق فی خبایا الارض. (طبرانی فی الاوسط و کنز العمال ج ۲) روزی کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو۔

Marfat.com

من سعی علی والدیه فهو فی سبیل الله ومن سعی علی عیاله فهو فی سبیل الله ومن سعی علی نفسه لیعفها هو فی سبیل الله ومن سعی علی التکاثر فهو فی سبیل الشیطان. (بیہقی طبرانی صغیر) جو والدین کے لیے محنت کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے جو اہل و عیال کے لیے محنت کرتا ہے وہ بھی اللہ کی راہ کام کرتا ہے اور جو اپنے نفس کو فقر و فاقہ سے بچانے کے لیے کام کرتا ہے وہ بھی اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے اور جو سرمایہ دار بننے کے لیے محنت کرتا ہے وہ شیطان کی راہ میں کام کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ لایقعد احدکم عن طلب الرزق. (احیاء العلوم ج ۲ ص ۵۷) تم میں سے کوئی شخص بھی طلب رزق کی تلاش میں سست ہو کر نہ بیٹھ جائے۔

سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم میں حضرت عمرؓ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ای لابد للعبد من حرکة ومباشرة بسبب من اسباب یتصل به طریق الوصول الی الرزق. (اتحاف السادہ ج ۵ ص ۲۱۷) یعنی ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ روزی کے جائز اسباب میں سے کسی سبب اور وسیلہ کو ضرور اختیار کرے جس سے وہ روزی کو حاصل کر سکے۔

محنت کے معاوضہ کا مسئلہ

اس دور میں محنت کی اجرت کے متعلق دو نظریے ہیں۔ سرمایہ داری نظریہ اور اشتراکی نظریہ، سرمایہ داری نظام معیشت کی بنیاد ہی بے لگام انفرادی ملکیت پر ہے۔ سرمایہ دار محنت کی اجرتیں من مانے طریقہ پر متعین کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اس نظام میں آجر اور اجیر کے درمیان ایک مستقل جھگڑا رہتا ہے۔ آئے دن ہڑتالیں اور کارخانوں میں آتش زنی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔

اس کے برعکس اشتراکی نظام میں محنت کی اجرت کی مالک اسٹیٹ ہے۔ ملک کے تمام افراد محنت کرتے ہیں اور حکومت تمام افراد کی ضروریات کے مطابق ان کے اخراجات کی کفیل ہوتی ہے۔ اس نظام میں تمام محنت کش حکومت کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان دونوں نظریوں کے خلاف اسلام نے محنت کی اجرت کے مسئلہ کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے اسلام اگرچہ آجر اور اجیر کے درمیان رسد اور طلب کے نظام کو کسی حد تک تسلیم کرتا ہے لیکن ان کا تعلق رسمی نہیں ہے بلکہ اخوت پر مبنی ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ ان اخوانکم خولکم جعلهم الله تحت ایدیکم فمن کان اخوه تحت یده فلیطعمه مما یاکل ولیلبسه مما یلبس ولا تکلفوهم مایغلبهم فان کلفتموهم مایغلبهم فاعینوهم. (صحیح بخاری کتاب العتیق ج ۱) اور تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں۔ جنھیں اللہ نے تمہارے زیر دست کر رکھا ہے۔ لہٰذا جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو۔ اسے چاہیے کہ وہ جو کھائے اس میں سے اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنتا ہے اسی میں سے اس کو بھی پہنائے اور ان پر کسی قسم کا بوجھ نہ ڈالو۔ جو ان کی

Marfat.com

طاقت سے باہر ہو۔ اگر ان کے ذمے ایسا کام کر دیتے ہو تو ان کی مدد کرو۔

وفات سے قبل آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے۔ **الصلوٰة وما ملکت ایمانکم.** (ابن ماجہ جمع الفوائد جلد اوّل ص ۲۶۴) نماز کو باقاعدہ پڑھو اور زیردست لوگوں کے حقوق کی نگہداشت رکھو۔

مزدور کی محنت کا معاوضہ دینے کے متعلق رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ **اعطو الاجیره اجره قبل ان یجف عرقه.** (ابن ماجہ طبرانی عن ابن عمر جمع الفوائد جلد اوّل ص ۲۵۶) مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

ثلاثة انا خصمهم یوم القیامة رجل اعطی بی ثم غدر و رجل باع حرًا فاکل ثمنهٗ رجل استاجرا جیراً فاستوفی عنه ولم یعطه اجره. (صحیح بخاری کتاب الاجارہ جلد اوّل) تین آدمیوں سے قیامت کے دن خود لڑوں گا اوّل وہ جس نے میرے نام سے عہد کر کے عہد شکنی کی۔ دوم وہ شخص جس نے آزاد شخص کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی تیسرے وہ شخص جس نے کام پر مزدور لگایا اور اس سے پورا کام لیا اور مزدوری نہ دی۔

ان احادیث کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے، جو محنت کی اجرت کے مسئلہ کو خوش اسلوبی سے حل کرتا ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللّٰه ﷺ نهی عن استجار الاجیر حتی یبین له اجره. (بیہقی کتاب الاجارہ) رسول کریم ﷺ نے ممانعت فرمائی کہ مزدور اور اجیر کو اس کی اجرت طے کیے بغیر کام پر لگایا جائے۔

عقد (معاہدہ)

مزدور آجر کے جس کام کے کرنے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لیتا ہے اس کو فقہ اسلامی میں عقد (معاہدہ) کہا جاتا ہے۔ جس کی پابندی کرنا آجیر پر ضروری ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ.** (مائدہ ۵:۱) اے لوگو! جو ایمان لائے ہوئے۔ اپنے معاہدوں کو پورا کرو۔

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ. (القصص ۲۸:۲۶) بہترین نوکر جو تو رکھنا چاہتے ہو مضبوط امین ہے۔

فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ. (یوسف ۱۲:۵۴، ۵۵) پس جب اس سے گفتگو کی کہ آج تو ہمارے ہاں صاحب مرتبہ امین ہے۔ یوسف نے کہا مجھے مال کے خزانوں پر مقرر کر دو میں نگہبان خبردار ہوں۔

ارشاد الٰہی ہے۔ **وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ**

Marfat.com

اَوْ وَزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ. (المطففین ۸۳:۱....۳) کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا کر لیتے ہیں اور جب انھیں ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

فقہاء اسلام نے تطفیف (ناپ تول کم کرنا) کرنے والوں میں ان مزدوروں کو بھی شامل کیا ہے جو اجرت تو پوری لیتے ہیں لیکن کام دلجمعی اور پوری توجہ سے سرانجام نہیں دیتے۔ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً. (بنی اسرائیل:۳۴) اور عہد پورا کرو اور ہر عہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلاً. (النحل:۹۱) اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کر لو اور قسموں کو ان کے پکا کرنے کے بعد مت توڑو اور تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن کر چکے ہو۔ اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

اسلام نے جہاں آجر کو اجیر کی محنت کا معاوضہ بہتر طور پر دینے کا حکم دیا ہے اسی طرح مزدور پر بھی یہ لازم کر دیا ہے کہ وہ کام کو دیانتداری سے سرانجام دے۔

باب ۹

صرف دولت

صرف دولت کے اصول

صرف دولت کی چند ناجائز صورتیں

۱۔ اسراف وتبذیر

۲۔ مال کے ضائع کرنے کی ممانعت

۳۔ عیش وعشرت کی ممانعت

۴۔ مضرت رساں استعمال کی ملکیت کی ممانعت

۵۔ اپنے متعلقین کے گزارہ کے لیے کافی نہ ہونے کی صورت میں خیرات کی ممانعت

۶۔ فاتر العقل اور نابالغ کو انتظام مال سپرد کرنے کی ممانعت

Marfat.com

صرف دولت

اقتصادی نظام میں صرف دولت اہم باب ہے اور یہ ایک ایسا محور ہے۔ جس کے اردگرد پیدائش دولت، تبادلہ دولت اور تقسیم دولت گھومتے نظر آتے ہیں اگر صرف دولت نہ ہو تو باقی شعبہ ہائے معیشت بے کار اور بے معنی نظر آتے ہیں۔ صرف دولت ہی عمرانی زندگی کو خوشگواری اور رعنائی بخشتی ہے انفرادی اور اجتماعی زندگی صرف دولت سے ہی وابستہ ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں مالک کو اپنی ملکیت پر بے قید اور غیر محدود حقوق حاصل ہیں۔ مشہور ماہر قانون جان اسٹن نے ملکیت یا (Dominium) کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے یہ کسی متعین شے پر ایک حق کی نشان دہی کرتا ہے جو استعمال کے اعتبار سے غیر محدود اور تصرف و انتقال کے اعتبار سے بے قید ہے۔"[1]

یہ تعریف ظاہر کرتی ہے سرمایہ دارانہ نظام میں مالک تصرف دولت میں بے قید اختیارات کا مالک ہے۔

اس طرح دوسرے مغربی علماء قانون کے نزدیک حق ملکیت کا اصل جوہر دوسروں کو اپنی ملک پر مالکانہ حقوق سے محروم رکھنے کا قانونی حق ہے۔[2]

لیکن اسلام میں مالک اپنی ملک میں نیابۃً تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اسلام کی رو سے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے ارشاد الٰہی ہے۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ. (الحدید ۵۷:۷) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس سے خرچ کرو جس میں اس نے تمھیں اپنا نائب بنایا ہے۔

گویا مومنین کے مال کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انسان صرف بطور نائب یا امین ہے۔ اس لیے انسان اپنے مال کو اسی انداز میں خرچ کرے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسلام نے حلال و حرام واضح کر دیے ہیں۔ انہی حدود میں رہ کر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ جب بھی حلال و حرام کی حدود کو توڑا جائے گا تو ملک میں نظام معیشت بگڑ جائے گا۔ اس لیے نظام معیشت کو صحیح خطوط پر رکھنے کے لیے حلال و حرام کی قیود برقرار رکھنا ہوگا۔ جب بھی نظام معیشت میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو اس فساد کے پیچھے حلال و حرام کی قیود کو توڑنا ہوتا ہے

۱ Johen Austin: lectures on Jurisprudence vol 11 P 790.

۲ Encyclopaedia Americana Article on property vol XXII P 660.

Marfat.com

جو لوگ خدا کی تعلیمات حلت و حرمت کو چھوڑ کر محض اپنے جی سے حلال و حرام ٹھہراتے ہیں۔ اس کو شیطان کی راہ قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ. (بقرہ ۲:۱۶۸) شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔

گویا خدا کے حکم تحریم و تحلیل پر عمل نہ کرنا شرک ہے اس وجہ سے قرآن مجید میں شرک اور تحریم و تحلیل کا مضمون مختلف مقامات پر ایک ساتھ بیان ہوا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ. (النحل ۱۶:۳۵) اور جو شرک کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے۔ نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے حکم کے سوائے کوئی چیز حرام ٹھہراتے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ. (الانعام ۶:۱۴۸) جنھوں نے شرک کیا اب وہ کہیں گے اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے۔

معلوم ہوا شرک اور تحلیل و تحریم دونوں ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔

تحلیل و تحریم کے احکام

حلت و حرمت کی تعلیم انسان کی تمام زندگی پر حاوی ہے۔ یہاں صرف اسی حلت و حرمت کا ذکر کیا جائے گا۔ جس کا تعلق انسان کی اقتصادی زندگی سے ہے۔ اسلام نے صرف دولت کا حکم الٰہی اشیاء پر دیا ہے جو حلال اور طیب ہوں ارشاد الٰہی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. (بقرہ ۲:۱۶۸) اے لوگو! اس سے جو زمین میں ہے حلال اور پاکیزہ کھاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا. (مائدہ ۵:۸۸) اس سے جو اللہ نے تم کو دیا حلال اور ستھری چیزیں کھاؤ۔

صرف دولت کے اصول

اسلام نے صرف دولت کے چند سنہری اصول بیان کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مال ان مقاصد پر صرف کیا جائے۔ جو معاشرہ کے لیے کسی افادیت کا حامل ہو مثلاً ملکی دفاع کے لیے حکومت کو مال کی ضرورت پڑ گئی ہے تو عوام پر یہ لازم ہے کہ وہ دل کھول کر خرچ کریں۔ رسول کریم ﷺ کے عہد میں جنگ تبوک کے موقع پر مال کی ضرورت پڑی تھی تو رسول کریم ﷺ نے اپیل کی تو صحابہ نے دل کھول کر حصہ لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کا سارا سامان حضور کی خدمت میں پیش کر دیا حضرت عمرؓ نے گھر کا آدھا

اثاثہ پیش کیا۔ اس طرح ملک میں قحط پڑ جائے یا کوئی اور بلائے ناگہانی آ جائے تو ایسے مواقع پر بھی معاشرتی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے امراء کو دل کھول کر حصہ لینا چاہیے۔ اس طرح غریب اقرباء، مساکین، ابن سبیل (مسافر) وغیرہ پر خرچ کیا جائے۔

اسلام نے صرف دولت کا ایک اصول یہ وضع کیا ہے کہ صرف دولت سے انسان کے اخلاق پر بداثر نہ پڑے اس لیے اسلام نے بعض ماکولات مشروبات اور ملبوسات کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ماکولات میں سور کا گوشت، خون، مردہ جانوروں کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے۔ مشروبات میں سے نشہ آور چیزوں کو اور ملبوسات میں سے ریشمی کپڑے کو حرام قرار دیا ہے۔

انہی اصولوں میں سے ایک اصول اعتدال پسندی ہے ہر صاحب مال کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے مال کے سلسلہ میں نہ تو بخل سے کام لے اور نہ اسراف اور تبذیر سے۔ بلکہ اعتدال کا راستہ اختیار کرے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ "**خیر الامور اوسطھا**" بہترین کام وہ ہیں جن میں میانہ روی ہو۔ فرمایا **ماعال من اقتصد** جس نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہ ہو۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ **وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا۔** (بنی اسرائیل ۱۷:۲۹) اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول دے ورنہ تو ملامت کیا ہوا اور ماندہ ہو کر بیٹھ رہے گا۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ **وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا** (الفرقان ۲۵:۶۷) وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ ان کا خرچ دونوں حالتوں کے درمیان اعتدال پر رہتا ہے۔

اسلام نے صرف دولت میں اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ جس کا اصطلاحی نام "اقتصاد ہے۔ ایک حدیث میں "اقتصاد" کو نصف معیشت فرمایا گیا ہے۔ (کنز العمال)

اسلام نے صرف دولت کے دو ایسے اخلاقی اصول بھی مقرر کیے ہیں جو کسی نظام معیشت کا نہیں ہے وہ ہے کسی محتاج پر خرچ کرنے کے بعد نہ اس کو احسان جتایا جائے اور نہ آزار دی جائے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ** (البقرہ ۲:۲۶۴) اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتانے اور آزار سے باطل نہ کرو۔

دوسرا اخلاقی اصول یہ ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے دکھاوے سے کام نہ لیا جائے نہ نمود و نمائش مقصود ہو نہ یہ خواہش ہو کہ لوگ اسے سخی کے نام سے پکاریں گے۔ یہ صرف دولت کی روح کے منافی ہے ارشاد الٰہی ہے۔ **كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا**

Marfat.com

يَهْدِي الْكَافِرِيْنَ. (البقرہ۲:۲۶۴) اور جو شخص احسان اور دل آزاری کے ساتھ مال خرچ کرتا ہے وہ شخص اس شخص کی طرح ہے جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتا سو اس کی مثال اس صاف چٹان کی سی ہے جس پر مٹی ہو پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور اسے بالکل صاف کر کے چھوڑ دے اس میں کچھ بھی نہ پا سکیں گے جو کمایا تھا۔ اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دکھاتا۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ صرف دولت سے جو معاشرتی اور اقتصادی فوائد حاصل کرنے مقصود ہوتے ہیں وہ دکھاوے سے ضائع ہو جاتے ہیں۔

صرف دولت کا ایک اصول یہ بیان کیا ہے یہ اصول بھی اسلامی معیشت کا خاصہ ہے کہ طیب مال خرچ کیا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ (البقرہ۲:۲۶۷) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ ان اچھی چیزوں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو، اور اس سے جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے اور ردی چیزوں کا قصد نہ کرو۔ اس میں سے جو تم خرچ کرتے ہو۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ حلال روزی سے ہی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ چوری، ڈاکہ، ذخیرہ اندوزی، اور بلیک مارکیٹنگ اور دیگر ناجائز ذرائع سے کمائے ہوئے مال میں سے خرچ اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔

صرف دولت کی ناجائز صورتیں

اسلام نے حق استعمال و تصرف پر چند قیود عائد کی ہیں۔ اس کو احادیث میں حجر کہا گیا ہے جس کے لفظی معنی ہیں "وہ جو ممنوع ہے۔"

اسراف اور تبذیر کی ممانعت

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. (اعراف ۷:۳۱) کھاؤ اور پیو اور زیادہ نہ کرو اور وہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا o اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ. (بنی اسرائیل ۱۷:۲۶، ۲۷) اور بے جا خرچ کر کے مال ضائع نہ کر۔ بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل ۱۷:۲۹) اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول ورنہ تو ملامت کیا ہوا اور درماندہ ہو کر بیٹھ رہے گا۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا. (الفرقان

Marfat.com

۲۵:۶۷) اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ موقع پر تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دو حالتوں کے درمیان اعتدال پر ہے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ ”کھاؤ پیو، پہنو اور صدقہ کرو مگر اس میں اسراف اور گھمنڈ نہ ہو اور ابن عباسؓ نے کہا ہے۔ اسراف اور گھمنڈ سے بچتے ہوئے جو جی چاہے کھاؤ اور جو چاہو پہنو۔ (بخاری کتاب اللباس)

ان من السراف ان تاکل هل ما اشتهيت. (ابن ماجہ ابواب الاطعمہ) یہ بات بھی اسراف میں داخل ہے کہ جس چیز کی بھی خواہش ہو اسے کھا ہی لیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ حق کے خلاف ہر قسم کے صرف وخرچ کا نام تبذیر ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص حق کی خاطر سب کچھ خرچ کر دے تو اسراف نہیں ہے اور اگر اپنا تھوڑا سا مال بھی ناحق صرف کر دیا تو یہ تبذیر ہے اور قتادہ کہتے ہیں تبذیر نام ہے مال کو اللہ کی نافرمانی، ناحق اور فساد کے مواقع میں صرف کرنے کا۔

مال کے ضائع کرنے کی ممانعت

بعض اوقات سرمایہ دار قیمتوں میں مصنوعی گرانی پیدا کرنے کے لیے اشیاء کے ذخیروں کے ذخیرے تباہ کر دیتے ہیں۔ اسلام مال کے ضائع کرنے کی سختی سے ممانعت کرتا ہے کیونکہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان امین ہے۔ امین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مال کو ضائع کرے۔

ارشاد الٰہی ہے۔ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ. (البقرہ ۲:۲۰۵) اور جب حاکم بنتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا ہے کہ اس میں فساد ڈالے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں دولت کے ضائع کرنے کو فساد سے تعبیر کیا ہے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ ان الله کره لکم ثلاثاً قيل و قال و اضاعة المال و کثرة السوال. (بخاری کتاب الزکوۃ باب قولہ تعالیٰ لا یسئالون الناس الحافا) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے۔ قیل وقال کرنا، مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔

ایک اور روایت ہے۔ قال و کان ينهٰى عن قيلَ و قالَ و كَثرَةَ السُوَال و اِضَاعَةَ المَالِ وَ مَنعَ وَهَاتَ و عُقُوقِ الاُمهَاتِ و وَادِ البَنَاتِ. (بخاری کتاب الرقاق)

راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے قیل وقال کرنے، بہت زیادہ سوالات دریافت کرنے، مال کو ضائع کرنے، خود نہ دینے اور دوسروں سے مانگنے، ماں کی نافرمانی کرنے اور بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا ہے۔

Marfat.com

عیش وعشرت کی ممانعت

اسلام نے جہاں اسراف اور تبذیر سے منع کیا ہے وہاں عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے سے بھی روکا ہے اور سادہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی ہے کیونکہ عیش پرستی کی زندگی اپنے ساتھ بے شمار معائب لاتی ہے۔ اللہ کے ذکر سے روک دیتی ہے۔ انسان کو انسان سے جدا کر دیتی ہے انسان کو محنت جیسے قیمتی جوہر سے محروم کر دیتی ہے اور قوم کی معتدبہ دولت غیر طبعی مانگ پر خرچ ہو جاتی ہے۔ اور ملک میں معاشی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے یہ وہ موذی امراض ہیں جس سے سوسائٹی کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ اس وجہ سے اسلام نے عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ ﷺ لما بعث به الی الیمن قال ایاک والتنعم فان عباد اللہ لیسوا المتنعمین.
(مشکوۃ باب فضل الفقراء)

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جب انھیں یمن بھیجا تو فرمایا۔ خبردار عیش وتنعم کی زندگی بسر کرنے سے بچنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔

شرار امتی الذین ولدوا فی التنعم و غذوا به یاکلون من الطعام الوانا و یلبسون من اللباس الوانا و یرکبون من الدواب الوانا و یتشدقون فی الکلام. (الحاکم المستدرک) میری امت کے بدترین وہ افراد ہیں جو نعمتوں کی آغوش میں پیدا ہوئے اور اسی میں پروان چڑھے اور طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں۔ قسم قسم کے کپڑے پہنتے ہیں۔ قسم قسم کی سواریاں استعمال کرتے ہیں اور بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے آذربائیجان کے والی کے نام خط بھیجا اس میں لکھا۔

ایاکم والتنعم و ذی اهل الشرک و لبوس الحریر.
(سیرہ عمر بن الخطاب جمال الدین ابوالفرج ابن الجوزی ص ۱۳۰)

خبردار عیش کوشی سے بچو اور مشرکین کی پوشاک اور ریشمی لباس پہننے سے۔

اسلام نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے اور دیباج اور ریشمی کپڑے پہننے سے اسی وجہ سے منع کیا ہے تاکہ انسان عیش وعشرت کی زندگی میں پڑ کر مقصد حیات سے دور نہ جا پڑے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

حرم لباس الحریر والذهب علی ذکور امتی واحل لاناثهم.
(ترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی الحریر والذہب للرجال)

میری امت کے مردوں پر ریشمی لباس اور سونے کا استعمال حرام کر دیا گیا ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔

لا تلبسوا الحریر ولا الدیباج ولا تشربوا فی انیة ولا الفضة ولا تاکلوا فی صحافها فانها لهم فی الدنیا. (مسلم کتاب اللباس والزینہ) ریشم اور دیباج کے کپڑے نہ پہنو۔ سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو اور نہ بڑے بڑے پیالوں میں کھانا کھاؤ۔ یہ سب چیزیں دنیا کی زندگی میں دنیا پرستوں کے لیے ہیں۔

مضرت رساں استعمال ملکیت کی ممانعت

اسلام اخوت اور مودت کا پیغام لے کر آیا ہے وہ کسی صاحب ملک کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی دولت کو اس طرح استعمال کرے جس سے دوسرے افراد یا سوسائٹی کو نقصان پہنچے۔ حدیث میں آتا ہے۔

عن عبادہ بن الصامت ان رسول اللہ ﷺ قضی ان لا ضرر ولا ضرار. (ابن ماجہ کتاب الاحکام) حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فیصلہ فرمادیا کہ نہ خود نقصان اٹھانا ہے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے۔

عن ابی بکر الصدیق قال قال رسول اللہ ﷺ ملعون من ضار مومن او مکربه. (ترمذی ابواب البر والصلہ) حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کو دھوکا دے۔

لاضرر ولا ضرار فی الاسلام. (موطا امام مالک ودار قطنی) اسلام میں نہ خود نقصان اٹھانا ہے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے۔

فقہا اسلام نے اس اصول کو قانونی شکل میں بیان کیا ہے کہ مالک حسب منشاء اپنی املاک میں تصرف کرسکتا ہے لیکن ایسا تصرف نہیں کرسکتا کہ جس سے اس کے پڑوسی کو نقصان پہنچتا ہو۔

چنانچہ امام فخر الدین زیلعی رقمطراز ہیں۔

''ہر آدمی کو اپنی ملکیت میں حسب منشاء تصرف کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ جب تک اس سے دوسروں کو واضح نقصان نہ پہنچ رہا ہو۔'' (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۴ ص ۱۹۶)

اپنے اور متعلقین کے گزارہ کے لیے کافی نہ ہونے کی صورت میں خیرات سے ممانعت

مال کا ضیاع صرف تبذیر، اسراف اور مصنوعی گرانی کے لیے تلف کرنے سے ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے اور متعلقین کے گزارے کے لیے کافی نہ ہونے کی صورت میں خیرات کرنے اور نابالغ بچے کے سپرد مال کا انتظام کرنے سے بھی ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام نے عسرت والے کو خیرات کرنے سے اور نابالغ بچے کے سپردِ مال کا انتظام وانصرام کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ بخاری کے ایک باب کا یہ عنوان ہے۔

لاصدقة الاعن ظهر غنی ومن تصدق وهو محتاج او اهله محتاج او علیه دین

الذین احق ان یقضی من الصدقة والعتق والھبة وھورد علیه لیس له ان یتلف اموال الناس وقال النبی ﷺ من اخذ اموال الناس یرید اتلافھا اتلفه اللّٰه الا ان یکون (معروفًا) بالصبر فیوثر علی نفسه ولو کان به خصاصة. (بخاری کتاب الزکوٰۃ باب لا صدقة الاعن ظھر غنی) صدقہ وہی ہے جو غنا کے ہوتے ہوئے دیا جائے اور جو شخص صدقہ دے اور وہ یا اس کے ہاں بچے محتاج ہوں یا اس پر قرضہ ہو تو قرضہ ادا کرنا صدقہ اور غلام کے آزاد کرنے اور ہبہ پر مقدم ہے اور وہ اس پر واپس کر دیا جائے گا۔ اس کا یہ حق نہیں کہ لوگوں کا مال برباد کرے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جو لوگوں کا مال لے کر تباہ کرنا چاہے تو اللہ اسے ہلاک کر دے گا ہاں جب صبر کے لیے مشہور ہو تو اگرچہ وہ تنگی کی حالت میں اپنے اوپر محتاج کو مقدم کر سکتا ہے۔

اسلام کی تعلیم کتنی اعلیٰ اور فطرت کے مطابق ہے ایک طرف صدقات پر بہت زور دیا ہے۔ دوسری طرف عسرت والے کو حکم دیا ہے کہ اگر اس کے پاس اپنے لیے اور متعلقین کے گزارہ کے لیے کافی نہیں ہے تو وہ خیرات نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ خیرات کر دینے سے وہ خود اور اس کے متعلقین نان ونفقہ کے محتاج ہو جائیں اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جائیں۔ اسلام نے عسرت کی حالت میں صدقہ کرنے کو تضیع مال کہا ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ان اللّٰه کرہ لکم ثلاثا قیل و قال و اضاعة المال و کثرة السوال. (بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قول اللّٰه تعالٰی لا یسئلون الناس الحافا الخ) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین کام ناپسند کرتا ہے۔ فضول باتیں کرتے رہنا، مال کو تباہ کرنا اور زیادہ مانگنا۔

بخاری میں آتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک نے رسول کریم ﷺ سے کہا کہ یارسول اللہ میری توبہ کا ایک جزو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے صدقہ کرتا ہوا اپنے سارے مال سے الگ ہو جاؤں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اپنے مال میں سے کچھ اپنے پاس رہنے دے وہ تیرے لیے بہتر ہے۔ حضرت کعب بن مالک نے جواب دیا کہ میں اپنا خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھتا ہوں۔

فقہاء وسلف کی بھی یہ رائے ہے۔ اگر کوئی شخص کسی نیک کام میں واجب الادا حقوق کو نظر انداز کر کے حد اعتدال سے زیادہ خرچ کرے تو اس پر حجر عائد کیا جا سکتا ہے۔

فاترالعقل اور نابالغ کو انتظام مال سپرد کرنے کی ممانعت

فاترالعقل اور نابالغ بچوں کے سپرد اموال کا انتظام و انصرام کرنے کی بجائے ایک ولی مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اپنے اموال ضائع نہ کر دیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ

Marfat.com

وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا. (النساء۴:۶)

اور یتیموں کا امتحان لیتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ تب اگر تم ان میں عقل کی پختگی پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور فضول خرچی سے اور جلدی کر کے ان کو کھا نہ جاؤ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔ اور جو آسودہ ہے چاہیے کہ وہ بچا رہے اور جو حاجت مند ہے وہ مناسب طور پر لے لے۔ پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرو تو ان پر گواہ کر لو اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمْ. (النساء:۵) یعنی تم فاتر العقل لوگوں کو اپنے مال نہ دو۔

بلوغت کی عمر میں فقہاء کا اختلاف ہے حنفی فقہ کی رو سے لڑکوں کی بلوغت کی عمر ۱۸ سال اور لڑکیوں کی عمر ۱۷ سال ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں پندرہ سال ہے۔

صحیح مسلک یہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں لفظ رشد سے ظاہر ہے کہ جب بچہ سن تمیز کو پہنچ جائے خواہ پچیس سال پر یا اس سے قبل یا اس کے بعد پہنچے۔ اور اس سے دولت کے ضائع کرنے کا اندیشہ نہ رہے تو مال اس کے حوالے کر دینا چاہیے۔

حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد شیبانی کا یہی مسلک ہے کہ بچہ میں حالت رشد ظاہر ہو۔ خواہ پچیس سال پر ظاہر ہو یا اس سے پہلے یا اس کے بعد ظاہر ہو۔ متعدد فقہاء کا یہ مسلک ہے۔ اگر کوئی شخص عاقل بالغ ہوتے ہوئے اپنی دولت عیش و عشرت میں اڑا رہا ہو تو وہ مقام سفاہت پر ہے۔ اس پر حجر عائد کرنا ضروری ہے۔ حضرت امام شافعی اس مسلک کے حامی ہیں۔ (ہدایہ کتاب الحجر)

ڈاکٹر محمد محمود حجازی کہتے ہیں۔ السفها جمع سفيه والسفه الاضطراب فى العقل والفكر والخلق والمراد به هنا من لايحسن التصرف فى المال. (التفسیر الواضح ص ۱۴۸)

یعنی سفہا، سفیہ کی جمع ہے۔ سفہ عقل، فکر اور خلق میں اضطراب کا نام ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جو شخص مالی تصرف میں احسن طریق اختیار نہ کرے۔

مذکورہ وضاحت کی روشنی میں سفہاء سے مراد نابالغ، مجنون، مبذر وغیرہ سب لوگ ہیں۔ ان سے مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لیے اسلام نے ان پر پابندی لگا دی ہے۔

باب ۱۰

اسلام میں مالیات کی فراہمی کے طریقے

شراکت

مضاربت

Marfat.com

اسلام میں مالیات کی فراہمی کے طریقے

شراکت

کاروباری اداروں کا دار و مدار مالی وسائل پر ہے۔ جتنا زیادہ سرمایہ ہوگا۔ اتنا ہی کاروبار وسیع ہوتا جائے گا۔ اس لیے مالی وسائل کی فراہمی کے لیے دیگر مالی اداروں کا تعاون بہت ضروری ہے۔ اسلامی معیشت میں مالی وسائل کی فراہمی کے لیے کئی طریقے موجود ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

شراکت، مضاربت، بیع، سلم، بیع مرابحہ، بیع موجل، اجارہ۔

شراکت

شراکت سرمایہ کاری کے زمرہ میں آتا ہے۔ کتب فقہ میں کاروبار میں حصہ داری کے لیے شرکت یا شراکت اصطلاح مستعمل ہے شرکتہ کا مفہوم یہ ہے کہ مال کو باہم خلط ملط کر کے اس طرح ملا دیا جائے کہ شریک کا مال پہچانا نہ جائے۔ اگر اسی مفہوم کو جدید معاشی زبان میں لیا جائے تو اس سے مراد کچھ افراد کی کاروباری شرکت ہے جسے انگریزی لفظ کمپنی (Company) سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ فرق یہ ہوگا کہ کتاب فقہ کے مفہوم میں شراکت سے مراد مال کی شرکت ہے جبکہ کمپنی کے مفہوم میں افراد کی شرکت شامل ہے۔

شراکت کی تعریف

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے الفاظ میں ”شرکت یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین مالوں کے ساتھ اس معاہدے کے تحت شریک ہوں کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار کے نفع ونقصان میں متعین نسبتوں کے شریک ہوں گے۔ (شرکت و مضاربت کے شرعی اصول از ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی ص ۱۹)

احناف کے نزدیک شراکت کی تعریف یہ ہے۔

عبارہ عن عقد بین المتشارکین فی راس المال والربح (رد المختار علی در المختار لشامی)

شرکت عبارت ہے اس معاملے سے جو شرکاء میں راس المال اور منافع میں طے پاتا ہے۔

مالکی مکتبہ فکر کے نزدیک

Marfat.com

هی اذن فی التصرف لهما مع انفسهما (حاشیہ علی شرح الکبیر ج ۳ ص ۳۴۸) شراکت سے مراد دونوں شریکوں کے لیے ایک دوسرے کے تصرف کے لیے وہ اجازت ہے جس میں دونوں کے اعمال کا تصرف شامل ہے۔

حنابلہ کے نزدیک

هی الاجتماع فی استحقاق او تصرف (المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۱)

جدید دور میں شراکت کی یہ تعریف ہے۔

Partnership is the relation between persons who have agreed the share the profit of bussiness carried on by all or any of them acting or all (section 4 partnership act ix of 1932)

شراکت ان افراد کے درمیان پایا جانے والا رشتہ ہے جو کسی ایسے کاروبار کے منافع میں شریک ہونے پر متفق ہو جائیں جو ان سب کے ذریعے یا ان میں سے کسی ایک ذریعے کو سب کے لیے کام کرے، چلایا جا رہا ہو۔

شراکت کا جواز

رسول کریم ﷺ کی بعثت سے قبل شراکتی تجارت کا رواج تھا۔ آپ ﷺ نے خود بھی شراکت کے کاروبار میں حصہ لیا۔ مکی زندگی میں سائب بن شریک آپ ﷺ کے کاروبار میں شریک تھے۔ کچھ عرصہ بعد ان کی ملاقات رسول کریم ﷺ سے مدینہ میں ہوئی۔ تو شراکت کا دور آنکھوں کے سامنے آ گیا تو آپ ﷺ نے پسندیدگی کے ساتھ ان یادوں کا ذکر فرمایا سائب بن شریک کی خوبیاں بیان کیں۔ (المبسوط، سرخسی جلد ۱۱ ص ۱۵۱)

المبسوط کے حوالہ سے کتب فقہ میں مرقوم ہے کہ قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ ہمارا سرمایہ حضرت عائشہ کے پاس جمع تھا۔ آپ لوگوں کو کاروبار کے لیے یہ سرمایہ مہیا کرتی تھیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

انا ثالث الشریکین مالم یخن احدهما صاحبه فاذا خانه خرجت من بینهما (جامع الاصول لابن اثیر ج ۲ ص ۱۰۸ ابوداؤد، حاکم، بیہقی) میں کاروبار کے دو شرکاء میں تیسرا ہوں۔ تاوقتیکہ ایک اپنے دوسرے شریک کے ساتھ خیانت نہ کرے اور اگر وہ خیانت کرے تو میں ان دونوں کے درمیان میں سے نکل جاتا ہوں۔

ایک اور حدیث ہے۔ ید الله علی الشریکین مالم یتخاونا (المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۱، ابوداؤد) جب تک دو شرکاء آپس میں ایک دوسرے سے خیانت نہ کریں اللہ کا ہاتھ ان پر رہتا ہے۔

Marfat.com

رسول کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا کہ میں بازار میں کاروبار کرتا ہوں اور میرا شریک مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شاید تیرے کاروبار کی برکت اس کے سبب سے ہے۔(المبسوط)

شراکت کی شرائط

باہمی رضامندی

قرآن مجید کی رو سے باہمی لین دین کے معاملات میں باہمی رضامند بنیادی شرط ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (النساء۴:۲۹) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔

فریقین کا بالغ ہونا

نابالغ کاروبار کی پیچیدگیوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس ناسمجھی کی وجہ سے کاروبار میں نقصان کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے معاہدہ شراکت میں شامل ہونے والوں کے لیے بالغ ہونے کی شرط عائد کی ہے۔

عاقل ہونا

اسلام نے معاہدہ شراکت میں فریقین کا بالغ ہونا ہی ضروری قرار نہیں دیا بلکہ معاملات میں سمجھدار ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے۔

نفع کی شرح کا تعین

کاروبار شروع کرنے سے پہلے نفع کی شرحوں کا تعین لازمی ہے تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔

نقصان کی ذمہ داری

کاروبار میں نقصان ہونے کی صورت میں فریقین اپنے اپنے سرمایہ کی شرح سے نقصان کو برداشت کریں۔

شراکت میں ارکان کی تعداد

۱۔ایجاب وقبول ۲۔سرمایہ ۳۔نفع یا نقصان

Marfat.com

شراکت کی اقسام

حنفیہ کے نزدیک شراکت کی دو اقسام ہیں۔

ا۔ شراکت مِلک

اس شراکت میں دو یا زائد افراد کسی شے یا جائیداد میں ملکیت کے حقوق کی وجہ سے شریک ہوتے ہیں۔ یہ شراکت دو طرح سے ہوتی ہے جبری، شراکت یعنی جس پر انسان اپنی مرضی سے شراکت نہیں کرتا لیکن کسی قانون یا دستور کے تحت دوسروں کے ساتھ شریک ٹھہرایا جاتا ہے مثلاً وراثت۔

دوسری اختیاری شراکت جس میں افراد اپنی مرضی اور اختیار سے شریک ہوتے ہیں مثلاً دو یا زیادہ اشخاص مل کر اراضی خریدتے ہیں۔ یا مشینری نصب کرتے ہیں۔

۲۔ شراکت عقود

شراکت کی اس قسم میں مختلف افراد ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ (عقد) کر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس کی تین اقسام ہیں۔ شراکت مال، شراکت ابدان اور شراکت وجوہ۔ ان میں سے ہر ایک کو دو حصوں شراکت مفاوضہ اور شراکت عنان میں تقسیم کیا گیا ہے۔

شراکت مال

اس شراکت میں دو یا زائد افراد معین مال کے ساتھ منافع کمانے کی غرض سے ایک دوسرے کے ساتھ منافع کی نسبت طے کر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس کی دو اقسام ہیں۔

(الف) شرکت المفاوضہ

مفاوضہ تفویض سے مشتق ہے اس کا ایک انگریزی مترادف (Delegation) ہے۔ مفاوضہ کے ایک معنی مساوات بھی ہیں کیونکہ اس نوعیت کے کاروبار میں تمام شرکاء برابر سرمایہ کاری کرتے ہیں اور تمام شرکاء سرمایہ کاری کے بعد معاشی جدوجہد میں مساویانہ طور پر حصہ لیتے ہیں اور اپنے اپنے حصہ کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ اس لیے اس شراکت کو شراکت مفاوضہ کہا گیا ہے۔

شرائط

ا۔ شرکاء کا سرمایہ مساوی ہو۔ ۲۔ ہر شریک دوسرے کا نمائندہ ہو۔ ۳۔ شرکاء عاقل ہوں۔ ۴۔ شرکاء بالغ ہوں۔ ۵۔ آزاد ہوں۔ ۶۔ ایک ہی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ ۷۔ ہر شریک دوسرے کی ذمہ داری پر اپنے معاملات اور عمل کے لیے جواب دہ ہو۔ ۸۔ نفع ونقصان برابر کے شریک ہوں۔

Marfat.com

بلوغت

جب اس شراکت میں یہ طے پایا گیا ہے کہ شرکاء کی ذمہ داریاں اور تصرفات، حقوق و فرائض برابر برابر ہیں تو پھر شرکاء کی اہلیت بھی برابر ہوگی۔ لہٰذا اس قسم میں بچہ نابالغ شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اپنے کاروباری مال میں تصرف کے لیے اپنے ولی کی اجازت کا محتاج ہے اور ہر مالی معاملے میں اپنے ولی کی طرف رجوع کرے گا۔ جس سے کاروبار میں رکاوٹیں حائل ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا شرکت مفاوضہ کی روح اس بات کا تقاضا کرتی ہے اس قسم میں نابالغ کو شریک نہ کیا جائے۔ فقہاء نے شرکت مفاوضہ میں ہر طرح کی مساوات کو شراکت کے لیے لازمی شرط قرار دیا ہے الھدایہ میں آتا ہے۔

شركة المفاوضه فهي ان يشترك الرجلان فيتساويا فى مالهما و تصرفهما و دينهما لانها شركة عامه فى جميع التجارات يفوض كل واحد منهما امرا الشركة الى صاحبه على الطلاق (الھدایہ لمرغینانی کتاب الشرکۃ) شرکت مفاوضہ شراکت کی وہ قسم ہے جس میں دو (یا دو سے زائد) اشخاص اس طرح حصہ دار ہوں کہ ان کو مال میں تصرف کا اختیار ہو اور سب کا دین ایک ہو کیونکہ تمام تجارتی امور میں یہ عمومی شرکت ہے جس میں ہر شریک اپنے تجارتی امور دوسرے کو تفویض کرتا ہے۔

گویا شرکت مفاوضہ میں تمام شرکاء ایک دوسرے کے وکیل (Agent) ہوتے ہیں تو کاروبار کی ترقی کے لیے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہیں اگر کاروبار میں نقصان بھی ہو جائے تو تمام شرکاء نقصان میں برابر کے حصہ دار ہوتے ہیں۔ کوئی شریک بھی صرف اپنی صواب دید پر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ باہمی اصلاح مشورہ سے کاروباری امور کو انجام دینے ہوتے ہیں۔

(ب) شراکت عنان

عنان عربی میں باگ کو کہتے ہیں۔ گھر کی چار دیواری کو بھی عنان الدار کہا جاتا ہے اسی طرح آسمان کے جوانب اور اطراف کے لیے اعنان السماء کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ عنان کے محولہ بالا استعمالات میں "حصار" کے معنی مشترک ہیں۔ گویا حصار قائم کرنے والی شے کو عنان کہا جاتا ہے شراکت کی اس قسم کو شراکت عنان اس لیے کہا جاتا ہے کہ افراد کو کاروبار میں بعض شرائط سے محصور کر لیا جاتا ہے۔

فقہاء نے شراکت عنان کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔ شراکت عنان میں دو یا زائد افراد ایک دوسرے کے ساتھ شراکت کا معاملہ غیر مساوی بنیادوں پر کر سکتے ہیں۔ تمام شرکاء کی حیثیت ہر معاملے میں برابر نہیں ہوتی۔ ان کے راس المال میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ محنت اور عملی شرکت کے لحاظ سے بھی فرق ہو سکتا ہے۔ اسی طرح منافع کا تعین بھی راس المال کی کمی بیشی کی وجہ سے مختلف ہو سکتا۔ مذہب کا یکساں ہونا بھی ضروری نہیں، بچے اور بڑے کے درمیان شراکت عنان ہو سکتی ہے۔

شراکت عنان میں شراکت مفاوضہ کی طرح ہر شریک اپنے باقی شرکاء کا وکیل (Agent) ہوتا ہے اور کاروبار سے متعلق تمام اعمال کے لیے باقی شرکاء بھی جواب دہ ہوتے ہیں لیکن تمام شرکاء ایک دوسرے کے کفیل (Gaurantor) نہیں ہوتے۔

۳۔ شراکت ابدان یا شراکت اعمال یا شراکت صنائع

اس شراکت میں تمام شرکاء اپنی اپنی فنی مہارت کو بروئے کار لا کر محض کاروباری محنت میں باہم شریک ہوتے ہیں۔ منافع حسب معاہدہ تقسیم ہوگا۔ خواہ کام کا حجم سب کے لیے برابر ہو۔ جیسے سب شرکاء اٹھ اٹھ گھنٹے کام کرنے کے پابند ہیں۔ لیکن منافع برابر تقسیم نہ ہوگا کام کے دوران میں ہونے والا نقصان بھی ان کے نفع کی نسبت سے ہوگا۔ محقق ابن قدامہ فرماتے ہیں۔ شراکت میں نقصان ہر شریک کے سرمائے کے تناسب سے تصور کیا جائے گا۔ (الشرح الکبیر مع المغنی ۵:۱۱۹) امام سرخسی فرماتے ہیں۔ ''اس امر میں کوئی اختلاف موجود نہیں کہ شراکت میں نقصان کی کوئی ایسی نسبت طے کرنا جو سرمائے کے مطابق نہ ہو ایک شرط باطل ہے جس سے معاہدہ فاسد ہوتا ہے۔ (المبسوط)

مثلاً دو بڑھیوں کا اشتراک۔ دو لوہاروں کا اشتراک دو سناروں کا اشتراک، دو مختلف پیشے والوں کے درمیان بھی اشتراک ہو سکتا ہے مثلاً درزی اور رنگ ریز کے درمیان، ایک کپڑا سیتا ہے دوسرا رنگتا ہے اور دونوں کے درمیان اجرت حسب معاہدہ تقسیم ہو جائے گی۔

شرکت الاعمال کو حنفی، مالکی اور حنبلی جائز سمجھتے ہیں۔ جبکہ شافعی اور جعفری ناجائز خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سرمایہ معدوم ہونے کی بناء پر حاصل ہونے والے نفع کی تقسیم مجہول ہے لہٰذا یہ شراکت ناجائز ہے۔

مالکی فقہاء اس کے جائز ہونے کے لیے ایک یہ شرط بھی عائد کرتے ہیں کہ اس میں تمام شرکاء ہم پیشہ ہوں۔ جیسے تمام خیاط، تمام حداد وغیرہ۔

پیشے کا فرق ان کے نزدیک اسی صورت میں درست ہے جب کام کی نوعیت اور کیفیت اس کا تقاضا کرے جیسے جدید دور میں کپڑے تیار کرنے کے لیے چند درزی اور ڈیزائنر مل کر کاروبار شروع کریں۔ ڈیزائنر ڈیزائن تیار کرے اور درزی کپڑے سیئے چونکہ ڈیزائن اور سلائی ایک دوسرے سے متعلق ہیں لہٰذا ان دونوں کی شراکت جائز ہے۔

اسی طرح مالکی فقہاء ایک یہ شرط بھی عائد کرتے ہیں کہ اس طرح کی شراکت ایک ہی جگہ پر ہو۔ اختلاف مکان کے ساتھ شرکت ابدان ختم ہو جاتی ہے۔

موجودہ دور میں اس قسم کی شراکت عام ہو چکی ہے جیسے چند ڈاکٹروں کا مل کر شفاخانہ چلانا، چند اساتذہ کا مل کر ایک سکول یا کالج یا اکیڈمی چلانا۔

Marfat.com

۴۔ شراکت وجوہ

وجوہ، وجہ کی جمع ہے اور وجہ عربی میں چہرے کو کہتے ہیں۔ عام اور سادہ مفہوم یہ ہوا چہروں کی شراکت، علم فقہ کی رو سے یہ وہ شراکت مراد ہے جس میں شرکاء کاروبار میں سرمایہ لگانے کے بجائے اپنی ساکھ اور اثر رسوخ (Good will) کو بروئے کار لاتے ہیں اور وہ ادھار مال خرید کر نقد پر فروخت کرتے ہیں اس میں بالعموم منافع برابر تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ شراکت امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ناجائز، ان کے خیال میں کاروبار کے لیے اساس سرمایہ ہے عمل یا ساکھ (Good will) کوئی ایسی حسی شے نہیں کہ جس کو منضبط کر کے منافع کی تقسیم کو قابل عمل بنایا جاسکے۔

امام مالک کے نزدیک کاروبار کی اساس سرمایہ ہوسکتا ہے یا عمل۔ دونوں عناصر مل کر یا الگ الگ پیدائشی دولت کا سبب ہوتے ہیں۔ رہی ساکھ اور اثر و رسوخ تو یہ عاملین پیدائش نہیں مرئی ہے نہ حسی۔ اور نہ منضبط ہے کہ جس کی بنیاد پر نفع کی درست تقسیم یقینی ہو اس شراکت میں سے مال اور عمل دونوں معدوم ہیں۔ اس وجہ سے عاملین پیدائش دولت نہ ہونے کے سبب نفع کا تعین ممکن نہیں لہٰذا یہ شراکت امام مالک کے نزدیک ناجائز ہے۔ شراکت وجوہ وہ قسم ہے جس کی سند قرآن اور حدیث میں نہیں ملتی پھر یہ قسم رائج کیونکر ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی قانون میں لچک ہے۔ اس وجہ سے مختلف مکاتب فقہ وجود میں آئے۔ ہر امام نے اپنی قوت اجتہاد سے کام لے کر رائے دی اور معاشرے کے افراد نے کسی ایک امام کی رائے پر عمل کیا۔ اس طرح معاشرے میں مختلف آراء پر عمل کیا جانے لگا۔ مثلاً شراکت وجوہ، امام مالک اور امام شافعی ناجائز قرار دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ جائز، تو بعض کاروباری حضرات نے امام ابوحنیفہ کے فتویٰ پر عمل کر کے اپنی ساکھ اور اثر و رسوخ کی بناء پر منڈی میں کام کرنا شروع کر دیا اس طرح شراکت وجوہ رائج ہوگی۔

فقہ جعفریہ کی رو سے بھی یہ شراکت ناجائز ہے۔

شرکت کی جدید اقسام

مذکورہ بالا اقسام دوسری تیسری صد ہجری میں اور بعد ازاں ممالک اسلامیہ میں مروج ہوئی تھیں۔ دور حاضر میں تجارتی حالات بدلنے کی وجہ سے مزید شراکت کی اقسام وجود میں آئی ہیں۔

۱۔ شراکت لامحدود ذمہ داری

پاکستان میں شراکت ایکٹ ۱۹۳۲ء کے تحت شراکت قائم کی جاسکتی ہے جو شراکت عنان کی شکل میں ہے۔ اس قسم میں شرکاء کی ذمہ داری لامحدود ہے۔

۲۔ شراکت محدود ذمہ داری

پاکستان میں اس قسم کی شراکت ''کمپنیز'' آرڈی نینس ۱۹۸۴ء کے تحت قائم کی جاسکتی ہے اس

Marfat.com

میں ہر شریک جس قدر سرمایہ کاروبار کے لیے دیتا ہے۔ نقصان کی صورت میں اس پر اس سرمایہ کی نسبت سے مالی بار ڈالا جائے گا۔ اس قسم میں شرکاء کی ذمہ داریاں محدود ہیں یہ شرکت قانونی شخصیت (Legalperson) کی حیثیت رکھتی ہے اور شرکاء کے مختلف حقوق اور فرائض ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ لمیٹڈ لکھا جاتا ہے۔

کوآپریٹو سوسائٹی (انجمن امداد باہمی)

یہ شراکت محدود ذمہ دار جیسی شرائط پر مبنی ہوتی ہے اس کے ساتھ شناخت کے لیے کوآپریٹو کا لفظ لگایا جاتا ہے۔

شراکت کے احکام

۱۔ شراکت سے پہلے شرکاء شرائط کاروبار احاطہ تحریر میں لائیں گے۔

۲۔ نفع کی تقسیم شرکاء کے درمیان طے شدہ نسبتوں سے ہوگی۔ کسی شریک کے لیے نفع میں کوئی رقم پہلے سے ہی متعین نہ ہوگی۔ یہ سود کی صورت بن جاتی ہے جو حرام ہے۔

۳۔ شرکاء کو کاروبار سے پہلے سرمایہ، عملی شمولیت اور فرائض طے کرنا ہوں گے تاکہ دوران کاروبار کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ اگر جھگڑا پیدا بھی ہو جائے تو جج کو معاہدہ کے پیش نظر آسانی سے فیصلہ کر سکے۔

۴۔ معاہدہ کی رو سے مساوی سرمایہ کاری کے باوجود نفع کی نسبتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔

۵۔ نفع کا تعین معاہدہ کی رو سے طے شدہ تاریخ پر راس المال کو الگ کر کے کیا جائے گا جو مال راس المال سے زائد ہے وہ نفع ہے اگر راس المال کم رہ گیا ہے تو نقصان۔

۶۔ اگر کوئی شریک شراکت سے الگ ہونا چاہے تو وہ معاہدہ کے مطابق اپنا سرمایہ لے سکتا ہے۔

نقصان کی ذمہ داری

راس المال گھٹنے کا نام نقصان ہے۔ فقہاء کے نزدیک نقصان، کاروبار کے راس المال میں ہر شریک کی حصہ داری کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔ اگر کسی شریک کا سرمایہ نہیں لیکن کسی ہنر کی وجہ سے شریک کاروبار ہوا ہے وہ نقصان میں حصہ دار نہیں ہے۔

شرکاء کے حقوق و فرائض

۱۔ مشترکہ سرمایہ میں سے کوئی شریک دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر نہ قرض دے سکتا ہے۔ نہ لے سکتا ہے۔ قرض لینا یا دینا تمام شرکاء کا باہمی معاملہ ہے کسی ایک کا نہیں کسی ایک شریک کا

دیگر شرکاء کے مشورہ کے بغیر قرض لینا اور دینا باعث نزاع ہے۔

۲۔ ہر شریک دوسرے شرکاء کا صرف اس رنگ میں کفیل (ضامن) ہے اگر کسی دوسرے تجارتی ادارہ سے طے شدہ ذمہ داری کے تحت لین دین کرتا ہے تو تمام شرکاء بھی (ادارہ) ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے۔ بصورت دیگر دوسرے شرکاء ذمہ دار نہ ہوں گے۔

۳۔ شراکت میں سب سے اہم ذمہ داری اور فرض دیانت داری ہے جیسا کہ رسول کریم ﷺ کی حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب دو آدمی کسی کاروبار میں شریک ہوتے ہیں تو تیسرا میں ہوتا ہوں جب کوئی بددیانتی سے کام لیتا ہے تو میں الگ ہو جاتا ہوں۔

شراکت کی مدت

۱۔ ہر شریک معاہدہ شراکت سے کسی وقت بھی الگ ہو سکتا ہے اور شرکاء دو سے زیادہ ہیں تو وہ کاروبار کو جاری رکھ سکتے ہیں۔

۲۔ شراکتی کاروبار ایک معینہ مدت کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اگر کاروبار میں صرف دو شریک ہیں تو ایک کے مرنے سے شراکت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی وارث شریک کاروبار ہونا چاہے تو کاروبار کو جاری رکھا جا سکتا ہے۔ اگر دو سے زیادہ کاروبار میں شریک ہیں تو مرنے والے کا حصہ نکال کر اس کے ورثاء کو دے دیا جائے اور بقیہ شرکاء کاروبار کو جاری رکھ سکتے ہیں۔

معاہدہ شراکت کی منسوخی

۱۔ فریقین میں سے ایک فریق کاروبار سے الگ ہو جائے۔

۲۔ فریقین میں سے کوئی مر جائے۔

۳۔ ایک یا دونوں فریق کسی مجبوری (مرض، بڑھاپا وغیرہ) کے تحت معاہدہ منسوخ کر سکتے ہیں۔

۴۔ کسی شریک کو اس کے قانونی حق سے محروم کر دیا جائے۔

۵۔ کاروبار کو حکومت اپنی تحویل میں لے لے۔

۶۔ کسی وجہ سے عدالت اس کاروبار پر پابندی لگا دے۔

۷۔ تمام شرکاء اس کاروبار کو ختم کرنا چاہیں۔

نوٹ: دور حاضر میں تجارت نے بہت وسعت اختیار کر لی ہے اس وجہ سے کسی تجارتی کمپنی یا کسی صنعت میں شراکت کے ساتھ کام کرنا جائز ہے کیونکہ متعدد فقہاء کے نزدیک صنعتی کاروبار بھی دوسری انسانی ضروریات کی طرح فرض کفایہ ہے (بحوالہ امام ابن تیمیہ) لہٰذا اس قسم کے تجارتی

کاروبار میں شراکت جائز ہے۔ اسلام نے تجارتی اصول مقرر کر دیے ہیں ان اصولوں پر ہر قسم کے تجارتی کاروبار کو چلایا جاسکتا ہے۔

مضاربت

بظاہر مضاربت شراکت کی ایک شکل ہی نظر آتی ہے۔ اس لیے ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اسے شرکۃ المضاربہ کا نام دیا ہے۔ اس لیے انھوں نے اس کا ذکر شرکات کے ذیل میں کیا ہے۔ لیکن عبدالرحمٰن جزیری نے ''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' میں الگ عنوان سے بحث کی ہے۔ مجلہ الاحکام العدلیہ میں بھی مضاربہ کا عنوان شرکات کے بعد لایا گیا ہے۔

قدیم فقہاء نے دونوں طریقے اختیار کیے ہیں ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی نے مغنی المحتاج میں اور ابن ہمام نے ''فتح القدیر'' میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ چونکہ شراکت اور مضاربت بعض بعض شقوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس لیے میں نے بھی شراکت کے بعد مضاربت کا عنوان لایا ہوں۔

مضاربت کی لغوی بحث

کتب فقہ میں مضاربت کے لیے قراض کی اصطلاح بھی مستعمل ہے۔ قراض، قرض سے مشتق ہے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ قراض کی تعریف یہ ہے۔

وھو القطع لان المالک یقطع للعامل قطعه من ماله (مغنی المحتاج کتاب القراض۔ لابی زکریا یحیٰی بن شرف نووی) قراض کاٹنے کو کہتے ہیں کیونکہ مالک (سرمایہ کار) اپنے مال کا کچھ حصہ کاٹ کر عامل (کاروبار کرنے والا) کو دے دیتا ہے۔

قراض سے ایک اور لفظ مقارضہ ہے یہ تصور فقہاء حجاز کا ہے لیکن عراق کے فقہاء نے مضاربہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

لغوی بحث

مضاربہ ضرب سے مشتق ہے۔ ضرب کے معنی سفر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ یعنی جب تم زمین میں سفر کرو۔ چونکہ کاروبار میں سفر کرنے ہوتے ہیں اس لیے اس کا نام مضاربہ رکھ دیا گیا ہے۔

مضاربہ کی تعریف

ھی فی اللغة عبارة ان یدفع شخص مالا للاخر لیستجر فیه علی ان یکون الربح بینھما علی ماشرط والخسارة علی صاحب المال (الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد سوم ص ۴۲)

لغت میں مضاربت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو اس شرط پر مال دے کہ نفع تو

Marfat.com

بقدر حصّہ ان میں تقسیم ہو لیکن نقصان کا ذمہ صرف صاحب مال والا ہو۔

اقسام

مضاربت کی دو اقسام ہیں۔ مضاربت مطلقہ۔ مضاربت مقیدہ۔

مضاربت مطلقہ یہ ہے جس میں زمانہ، مقام، خاص قسم کا کاروبار یا متعین بائع یا مشتری کی کوئی قید نہ ہو۔

اگر کوئی قید لگا دی گئی تو وہ مضاربت مقیدہ ہو جائے گی۔

مثلاً یہ کہہ دیا جائے فلاں وقت اور فلاں مقام پر یہ خاص سامان تجارت خریدنا اور فلاں شہر میں جا کر بیچنا۔ اس طرح جب اس قسم کی شرائط اور قیود عائد کر دی جائیں گی تو وہ مضاربت مقیدہ ہو جائے گی۔

مضاربہ امداد باہمی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے بہترین طریقہ کاروبار ہے۔ یعنی ایک شخص کا مال ہو اور دوسرے شخص کا ہنر۔ منافع معاہدہ کے مطابق دونوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ بہت سے ایسے صاحب ثروت ہیں جن کے پاس کافی سرمایہ ہے لیکن وہ کاروبار سے ناواقف ہوتے ہیں یا صاحب دولت عورتیں ہیں وہ خود تجارت نہیں کر سکتیں یا بیمار یا بوڑھے ہیں جو تجارتی اسفار کی صعوبتیں برداشت نہیں کر سکتے۔ اس طرح بہت سے نادار اور مفلس ہیں جن کے پاس ہنر تو ہے لیکن دولت نہیں۔ لہٰذا دونوں کے لیے دولت کمانے اور دولت کو گردش میں رکھنے کا بہترین ذریعہ مضاربت ہے۔ یعنی صاحب دولت تحفظ سرمایہ کے اطمینان کے ساتھ سرمایہ صاحب ہنر کے حوالے کر دے۔ اس طرح دونوں فریق سرمایہ سے فائدہ بھی اٹھائیں گے اور دولت بے کار پڑی بھی نہیں رہے گی رسول کریم ﷺ نے دعویٰ نبوت سے قبل حضرت خدیجہؓ سے مضاربت پر کاروبار کیا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

معاونت باہمی کی چند قسمیں ہیں ایک ان میں سے مضاربت ہے وہ یہ کہ مال ایک شخص کا ہو اور محنت دوسرے شخص کی۔ رضامندی طرفین کی تصریح کے ساتھ نفع دونوں کے درمیان ہو۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۱۱۶)

اور سعیدیات میں ہے۔

مضاربت لوگوں کی ضروریات کے لیے جائز رکھی گئی۔ اس لیے بعض مالدار کاروبار سے ناواقف اور نابلد ہوتے ہیں اور بعض غریب کاروبار کے ماہر اور مصالح تجارت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ نیز نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی یہ طریق تجارت جاری تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو بہتر سمجھ کر جاری رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا اور حضرت عباسؓ کی شرائط مضاربت کو آپ نے پسند فرمایا۔ قرآن عزیز میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے ''ایک اور جماعت ہے جو زمین میں چل پھر کر اللہ کے رزق کو تلاش

Marfat.com

کرتی ہے یعنی صاحب مال تو مال لگاتے ہیں اور محنت والے اس کے ذریعہ سے ملکوں اور شہروں میں جا کر تجارت کرتے ہیں۔ (عیدیات حصہ ۲ ص ۱۱۲)

شرائط

راس المال نقد رائج الوقت سکہ کی شکل میں ہو۔ ۲۔ راس المال دینے والا اور لینے والا دونوں عاقل ہوں۔ ۳۔ راس المال معلوم ہو۔ ۴۔ راس المال مضارب کو دے دیا جائے یعنی مضارب کے پورے قبضہ میں آ جائے۔ ۵۔ راس المال عین ہو۔ یعنی متعین ہو۔ قرض نہ ہو۔ جو غیر معین واجب فی الذمہ ہوتا ہے۔ ۶۔ دونوں کے درمیان نفع معاہدہ کی شرط کے مطابق ہوگا اور ہر ایک کا حصہ معلوم ہوگا۔ اگر نفع کا تناسب اور شرح مجہول ہے تو مضاربت فاسد ہے۔ ۷۔ مضارب کے لیے نفع دینا شرط ہو۔ اگر راس المال میں سے کچھ دینا شرط کیا گیا ہے۔ راس المال یا نفع دونوں سے دینا شرط کیا گیا ہے مضاربت فاسد ہو جائے گی (تلخیص بہار شریعت حصہ چودھواں ص ۴۱۷...... ۴۱۸) (مجلۃ الاحکام العدلیہ ص ۳۱۷ تا ۳۱۹ الفقہ علی المذاہب الاربعہ، عبدالرحمٰن الجزیری ص ۸۱۲ تا ۸۳۰)

مضاربت کے احکام

۱۔ مضارب کو مال سپرد کرنے کے بعد اور کاروبار شروع کرنے سے پہلے تک اس سرمایہ کی حیثیت امانت کی ہے اور امانت کی حفاظت مضارب کی ذمہ داری ہے اور جب رب المال اس رقم کو واپس مانگے تو اس کی واپسی بھی مضارب کی ذمہ داری ہے مال ضائع ہو جانے کی صورت میں مضارب پر ضمان (تاوان) نہیں ہوگا۔

۲۔ کاروبار شروع ہو جانے کے بعد مضارب کی حیثیت رب المال کے وکیل کی ہو جائے گی۔

۳۔ کاروبار میں منافع ہونے کی صورت میں مضارب کی حیثیت مالیاتی معاہدہ کے شریک کی ہو جاتی ہے۔ شرکاء کاروبار میں طے شدہ نسبت سے منافع تقسیم ہوگا۔

۴۔ اگر کسی وجہ سے معاہدہ مضاربت منسوخ ہو جائے تو اس صورت میں وہ روزگار معاہدہ روزگار کی شکل اختیار کر جائے گا۔ مضارب، رب المال کا ملازم ہو جائے گا۔ نفع یا نقصان رب المال کا ہوگا اور مضارب کو اجرت ملے گی۔

۵۔ اگر مضارب، معاہدہ مضاربت کی شرائط کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کی حیثیت غاصب اور معاہدہ شکن کی ہوگی اور اس پر راس المال کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔

۶۔ اگر معاہدہ مضاربت کی ایک یہ شرط ہو کہ سارا نفع مضارب کو ملے گا۔ تو یہ معاہدہ مضاربت نہیں ہوگا بلکہ مضارب کی حیثیت مقروض کی ہوگی۔ نفع و نقصان کی ذمہ داری بھی اسی مقروض کی ہوگی۔ سرمایہ کے ضائع ہونے کی صورت میں سرمایہ رب المال کو واپسی کی ذمہ داری بھی اسی پر

Marfat.com

ہوگی۔

۷۔ اگر شرط یہ ہو کہ سارا کا سارا منافع مالک ہوگا تو یہ معاملہ عقد البضاعۃ کا ہوگا۔

۸۔ مضاربت مقامی رسم اور رواج اور منڈیوں میں رائج طریق کار کے مطابق چلنا ضروری ہے چاہے یہ شرط ہو یا نہ ہو۔

مضاربت کے ارکان

۱۔ مضاربت ایک معاہدہ کی قسم ہے فقہاء کے نزدیک اس کے ارکان بھی وہی ہیں جو معاہدہ کے ہیں جب رب المال مضارب کو سرمایہ فراہم کر دے تو ایجاب وقبول واقع ہو جاتا ہے لہٰذا احناف کے نزدیک معاہدہ کا صرف ایک ہی (ایجاب وقبول) ہونے کے باعث مضاربت کا معاہدہ مکمل ہوگیا۔ ایجاب وقبول، الفاظ ادا کرنے سے بھی ہو سکتے ہیں اور الفاظ وہی ہوں گے جو مضاربت کا مفہوم ادا کر رہے ہیں (مجلۃ الاحکام العدلیہ دفعہ ۱۴۰۷ء)

جمہور فقہاء کے نزدیک مضاربت کے تین ارکان ہیں۔

اولاً فریقین (سرمایہ کار اور عامل)

ثانیاً معقود علیہ، اس سے مراد وہ شے ہے جس کے بارے میں معاہدہ کیا جارہا ہو یہاں پر معقود علیہ میں سرمایہ، عمل اور منافع تین اجزاء شامل ہیں جن کے بارے میں فریقین معاہدہ کرتے ہیں۔

ثالثاً صیغہ، جو ایجاب اور قبول پر مشتمل ہے۔

شافعی مکتبہ کے نزدیک مضاربت کے پانچ ارکان ہیں۔

۱۔ مال، جو سرمایہ بھی ہو سکتا ہے اور مال تجارت بھی یہ سرمایہ کار کی طرف سے ہوتا ہے۔

۲۔ عمل، اس میں مضارب کی ذہنی اور جسمانی اور تنظیمی محنت شامل ہے۔

۳۔ منافع، اخراجات نکال کر اصل زر کے باقی رہتے ہوئے مال میں اضافہ نفع کہلاتا ہے۔

۴۔ صیغہ، ایجاب وقبول پر مشتمل ہے۔

۵۔ عاقدان، سرمایہ کار اور محنت کش پر مشتمل ہوتے ہیں۔

مضارب کے حقوق وفرائض

۱۔ مضارب معاہدہ کی تمام شرائط پر پابندی کرے۔ ۲۔ مضارب کسی دوسرے شخص سے بھی مضاربت کا معاملہ کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کو ایسا کرنے سے روک دیا جائے۔ ۳۔ کوئی تیسرا شخص مضارب کو بلا معاوضہ مدد کر سکتا ہے۔ تاکہ کاروبار ترقی کرے۔ ۴۔ اکثر فقہاء کے نزدیک رب المال مضارب کے ساتھ کاروبار میں عملی حصہ نہیں لے سکتا۔ کیونکہ اس طرح مضارب کے اختیارات محدود ہو جاتے ہیں لیکن

Marfat.com

شافع مکتبہ فکر کے بعض فقہاء کے نزدیک رب المال مضاربت میں عملی حصہ لے سکتا ہے۔ ۵۔ مضارب کو اختیار ہے وہ کاروباری خرید وفروخت کرسکتا ہے۔ اشیاء وغیرہ کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے۔ کسی کے ساتھ رہن کاروبار کرسکتا ہے کسی دوسرے کے ساتھ مضاربت کرسکتا ہے بشرطیکہ اس کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا ہو۔ ۶۔ مضارب کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو رب المال کا سرمایہ قرض دے یا کسی کو مفت دے مگر سرمایہ کار کی اجازت سے۔ ۷۔ مضارب کاروبار میں ادھار فروخت کرسکتا ہے الا یہ کہ اس کو صاحب سرمایہ روک دے۔

معاہدہ مضاربت کی مدت

۱۔ سرمایہ کار اور مضارب دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں معاہدہ کو کسی وقت بھی منسوخ کر سکتے ہیں۔

۲۔ مضاربت کا معاہدہ ایک خاص مدت کے لیے بھی کیا جاسکتا ہے اور لامحدود مدت کے لیے بھی۔

۳۔ معاہدہ مضاربت کی ایک فریق کی موت سے ختم ہو جاتا ہے البتہ دو سے زائد افراد کی صورت میں معاہدہ کو باقی فریق جاری رکھ سکتے ہیں۔

۴۔ معاہدہ مضاربت پہلے سے طے شدہ شرائط پر مسلسل جاری رکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً مضاربت کا معاہدہ ایک مقررہ مدت کے لیے کیا گیا اور جو کام شروع کیا تو وہ مقررہ مدت سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ اس صورت میں مضارب سرمایہ کو بقیہ عرصہ کے لیے کسی دوسرے کاروبار میں لگا سکتا ہے البتہ اس صورت میں نفع ونقصان کے حوالہ سے فقہاء میں اختلاف ہے۔

نفع ونقصان کے احکام

۱۔ مضاربت میں نفع معاہدہ شرائط کے تناسب کے مطابق فریقین میں تقسیم ہوگا۔

۲۔ سرمایہ کار کے لیے نفع پہلے متعین کیا جانا ناجائز ہے۔

۳۔ کاروبار میں نفع کے حق دار نفع کے مالک اس وقت قرار پائیں گے جب راس المال رب المال کو مل جائے۔ خواہ اس مالک کا قبضہ سرمایہ پر عملاً ہو یا قانوناً۔

۴۔ نفع راس المال میں اضافے کا باعث ہوگا۔ حقیقی منافع نہ ہونے کی صورت میں مضارب کی محنت کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔

۵۔ اگر کاروبار میں نقصان ہوتا ہے اور راس المال بھی تلف ہو جاتا ہے تو نقصان کا ذمے دار مضارب نہیں ہوگا۔ نقصان کی صورت میں مضارب کی محنت رائیگاں گی اور رب المال کا سرمایہ۔

۶۔ مسلسل جاری کاروبار میں نقصانات کی تلافی نفع سے کی جاتی رہے گی۔ اگر یہ نقصان نفع سے

Marfat.com

بڑھ جائے تو پھر راس المال سے پورا کیا جاتا ہے لیکن دونوں صورتوں میں نقصان مضارب سے پورا نہیں کیا جائے گا۔ اگر شرائط میں یہ مذکور ہو کہ اتفاقی نقصان کی صورت میں مضارب تمام نقصان کا یا اس کا کچھ حصّہ پورا کرے گا۔ تو یہ شرط درست نہیں اس لیے مضارب نقصان کی صورت میں رب المال کو کچھ بھی نہ دے تو یہ جائز ہے۔

مضاربت کی شرعی حیثیت میں اختلاف

مضاربت کی شرعی حیثیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے جو فقہاء مضاربت کی شرعی حیثیت کو مشکوک گردانتے ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ قرآن اور حدیث میں اس کی کوئی سند نہیں ملتی۔ اس کے برعکس جائز قرار دینے والے فقہاء نے قرآن کی بعض آیات اور کچھ احادیث سے استنباط کیا ہے جبکہ مشکوک گردانے والے فقہاء نے ان کے استدلال کو تسلیم نہیں کیا اور کہا ہے مضاربت میں کچھ پہلو سود کے مشابہ ہیں۔

مضاربت کو ناجائز قرار دینے والوں میں ایک ابن حزم ہیں۔ ابن حزم کو اسلامی معاشیات میں جو درک حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ فرماتے ہیں کہ فقہ کے ابواب میں سے کوئی باب ایسا نہیں مگر اس کی اصل و دلیل قرآن اور سنت میں موجود ہے جسے بحمد اللہ ہم جانتے ہیں سوائے مضاربت کے ہمیں اس کے لیے قرآن وسنت میں قطعاً کوئی اصل اور دلیل نہیں ملی (نیل الاوطار تالیف علامہ شوکانی جلد پنجم ص ۲۸۴)

امام علامہ زرقانی نے بھی موطا امام مالک کی شرح میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا ہے لکھتے ہیں۔

ولا اصل للقراض فی کتاب اللّٰہ وسنة الا انه کان فی الجاهلية فاقرّ فی الاسلام

(زرقانی شرح موطا جلد سوم ص ۳۴۶)

مضاربت کے بارے میں اصل اور دلیل قرآن اور سنت میں نہیں ملتی سوائے اس کے یہ (طریقہ کاروبار) دور جاہلیت میں رائج تھا اور اسلام نے اسے برقرار رکھا۔

تجارت اور سود میں واضح فرق ہے تجارت میں سرمایہ کار اپنی ذہنی اور جسمانی استعدادیں خرچ کر کے نفع حاصل کرتا ہے۔ اور کاروبار میں نقصان کا بھی احتمال ہوتا ہے جبکہ سود میں یہ حالت نہیں سرمایہ دار کسی مجبور کو ایک معینہ مدت کے لیے اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے قرض دیتا ہے اگر وہ مقررہ مدت میں قرض مع سود واپس نہیں کرتا تو قرض خواہ پہلے سود کو اصل زر میں جمع کر کے مزید مہلت دیتا ہے اور سود کی شرح مقرر کر دیتا ہے اس طرح مقروض سود کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ سرمائے کا سارا بہاؤ بغیر کسی محنت اور مشقت کے سرمایہ دار کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس قسم کا بہاؤ معاشرہ میں معاشی غیر ہمواریاں پیدا کر دیتا ہے لہٰذا بغیر مشقت اور محنت اور بغیر سرمایہ کے نقصان کے خوف کے جو دولت سرمایہ دار کے پاس آتی ہے وہ

Marfat.com

سود کے ضمن میں آئے گی۔ مضاربت کو مشتبہ اور مشکوک قرار دینے والے اس کاروبار میں سود کا یہ شائبہ نکالتے ہیں کہ ایک فریق تو اپنی دماغی اور جسمانی محنت سے اس کاروبار کے منافع کے ایک حصّہ کا مستحق بنتا ہے جبکہ دوسرا جسمانی طور پر اس میں شریک نہیں ہوتا۔ لیکن نفع کا مستحق ٹھہرتا ہے چونکہ سرمایہ کار کو نفع بغیر ذہنی اور جسمانی مشقت کے ملا ہے لہٰذا یہ شکل ایک حد تک سود کے مشابہ ہے۔

رسول کریم ﷺ نے مشتبہ امور سے بچنے کی تلقین کی ہے اس لیے مضاربت کی شکل میں کاروبار سے پرہیز بہتر ہے۔

محاکمہ

اوّل: تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ کے کاروبار میں شرکت مضاربت کے اصول پر کی تھی۔ یعنی عامل رسول کریم اور سرمایہ کار حضرت خدیجہؓ۔

دوم: علماء اس بات پر بھی متفق ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی بعثت سے قبل مضاربت رائج تھی۔ دعویٰ نبوت کے بعد رسول کریم ﷺ نے اس طریقہ کاروبار کو ناجائز قرار نہیں دیا بلکہ قائم رکھا جیسا کہ زرقانی کے حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

سوم: اس کاروبار کے کسی پہلو کو بھی سودی کاروبار کے مشابہہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سرمایہ کار جو سرمایہ مضارب کو مہیا کرتا ہے۔ اس میں نقصان کا بھی احتمال ہے جبکہ سودی کاروبار میں نقصان کا احتمال ہی نہیں۔

چہارم: مضاربت میں سرمائے کا بہاؤ مضارب اور سرمایہ کار دونوں کی طرف ہے جیسا کہ سودی کاروبار میں سرمایہ کا بہاؤ صرف قرض خواہ کی طرف ہوتا ہے مضاربت سے بے روزگاری ختم ہوتی ہے۔ سرمایہ داروں کا سرمایہ گردش میں آتا ہے۔ جس سے نت نئے کاروبار وجود میں آتے ہیں۔

پنجم: مضاربت سرمایہ دار اور اہل ہنر میں باہمی محبت اور ہمدردی کے جذبات بھی پیدا کرتی ہے۔ جب ایک سرمایہ کار تہی دست اہل ہنر کو کاروبار کے لیے سرمایہ دے گا۔ تو اہل ہنر کے دل میں سرمایہ کار کے لیے محبت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اسی طرح سرمایہ کار کے دل میں صاحب ہنر کے لیے اخوت کا جذبہ پیدا ہوگا۔

ششم: سرمایہ کار مضارب کو سرمایہ قرض کے طور پر نہیں دیتا بلکہ امانت کے طور پر دیتا ہے۔ مضارب امین ہوتا ہے۔ حسب شرط یا عندالطلب مضارب کو سرمایہ واپس کرنا ہے جبکہ نقصان کی صورت میں مضارب نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا بلکہ سرمایہ کار ہی تمام نقصان برداشت کرتا ہے۔

مضاربت میں سرمایہ کار کے نفع کو ہی سامنے نہیں رکھنا چاہیے بلکہ مضاربت کے تمام ڈھانچے کو سامنے رکھ کر سودی کاروبار اور مضاربت کا موازنہ کرنا چاہیے۔

Marfat.com

باب ۱۱

اسلامی معیشت میں مالیات کی فراہمی کے مزید طریقے

بیع سلم

بیع مرابحہ

بیع موجل

کرایہ داری

Marfat.com

اسلامی معیشت میں مالیات کی فراہمی کے مزید طریقے

بیع سلم

سلم کے معنی عربی زبان میں سپرد کرنے کے ہوتے ہیں۔ سلمتہ الیہ میں نے اس کو دے دیا۔
(تاج العروس)

فقہ کی اصطلاح میں ''کوئی خاص مال خریدنے کے لیے سونا چاندی (یا رقم) پیشگی ادا کی جائے اس شرط پر کہ فلاں چیز اتنے عرصہ کے بعد موجودہ قیمت سے بہتر طے شدہ قیمت پر حاصل کی جائے گی۔ اس میں قرض (کے طور پر پیشگی دام) دینے والے کا فائدہ پیش نظر ہوتا ہے اس صورت کو سلم کہتے ہیں۔''

(الفقه علی المذاهب الاربعة)

اگر یہ صورت ہو کہ بائع کسی مالی مجبوری کے تحت شے فروخت کی قیمت پیشگی لینا چاہتا ہے تو اسلامی معاشی روح کے تحت مشتری کے لیے یہ ناجائز ہے کہ بائع سے اتنی ارزاں چیز خرید کرے۔ جو بازار میں اس ارزاں قیمت خرید کی مثال ہی نہ ملتی ہو۔ یہ عموماً مہاجن ایسا کرتے ہیں اس طرح جائز بیع حرام ہو جاتی ہے۔ اسلام نے اصول لاضرر ولاضرار کے تحت ہر طرح سے نقصان اٹھانے اور نقصان دینے کی ممانعت کر دی ہے۔

شرعی حیثیت

عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون بالتمر السنتین والثلث فقال من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم. (بخاری کتاب البیوع)

ابن عباس سے روایت ہے کہا۔ نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے اور لوگ کھجوریں دو اور تین سال کی میعاد پر سلم کیا کرتے تھے۔ تو فرمایا جو کسی چیز میں سلم کرنا چاہے تو معین ماپ اور معین تول میں معین میعاد تک کرے۔

فرمایا۔ **من اسلف فی شیء فلیسلف فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم.** (ترمذی کتاب البیوع) جب کوئی (بیع) سلف (سلم) (نقد قیمت ادھار سودے کے لیے دے) تو چاہیے کہ اس چیز کا ناپ تول اور مدت ادائیگی طے ہو جائے۔

Marfat.com

روایت ہے۔ ان النبی ﷺ نهی عن بیع مالیس عند الانسان ورخص فی السلم (قرطبی: شرح المسلم فی السلم) رسول کریم ﷺ نے ہر ایسی شے کی فروخت سے منع فرمایا جو فروخت کنندہ کے پاس نہ ہو لیکن سلم میں اجازت فرمادی۔

صحابہ کے عمل سے بھی اس کا جواز ملتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں محمد بن ابی مجالد سے روایت ہے کہتے ہیں۔ عبداللہ بن شداد اور ابو ہریرہ نے مجھے عبداللہ بن ابی اوفی کے پاس بھیجا کہ جا کر ان سے پوچھو کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں صحابہ کرام گیہوں میں سلم کرتے تھے یا نہیں۔ میں نے جا کر پوچھا انھوں نے جواب دیا کہ ہم ملک شام کے کاشتکاروں سے گیہوں اور جو اور منقے میں سلم کرتے تھے۔ جس کا پیمانہ معلوم اور مدت بھی معلوم ہوتی تھی۔ میں نے کہا ان سے کرتے ہوں گے جن کے پاس اصل مال ہوتا تھا یعنی کھیت یا باغ ہوتا انھوں نے کہا ہم نے نہیں پوچھتے تھے کہ اصل مال اس کے پاس ہے یا نہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہا گندم، جو اور کشمش میں تمام فقہاء بیع سلم کو جائز قرار دیتے ہیں۔

بیع سلم کے ارکان

حنفیہ کے نزدیک بیع کے دو ارکان ہیں۔ ۱۔ ایجاب۔ ۲۔ قبول۔ جبکہ باقی ائمہ کے نزدیک بیع کے چھ ارکان ہیں۔ ۱۔ ایجاب۔ ۲۔ قبول۔ ۳۔ بائع۔ ۴۔ مشتری۔ ۵۔ مال۔ ۶۔ ثمن۔

شرائط سلم

بیع سلم کے درست ہونے کے لیے دو اقسام ہیں۔ ۱۔ شرط عقد یا معاملہ۔ ۲۔ شرائط عوض یا شرائط معاوضہ۔

شرط عقد

شرط عقد صرف ایک ہے معاملہ سلم میں فریقین میں سے کسی کو بھی ''خیار[۱] شرط'' نہ ہوگا۔

شرائط عوض یا معاوضہ

شرائط عوض کی سولہ (۱۶) ہیں۔ جن میں سے چھ راس المال (پیشگی رقم) سے تعلق رکھتی ہیں جبکہ دس شرائط مال فروخت سے متعلق۔

---

۱ خیار ایک فقہ کی اصطلاح ہے جس کا مطلب عقد بیع کے فریقوں کو یہ حق ہے کہ وہ معاہدہ کو فسخ کر سکیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک خیار شرط اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب بیع کے وقت ہی اس کا اظہار و اعلان ہو یا پھر فریقین اس پر رضامند ہوں۔

Marfat.com

(الف) شرائط راس المال

۱۔ راس المال کی جنس بتا دی جائے کہ وہ کون سی ہوگی۔

۲۔ راس المال کرنسی ہے تو یہ وضاحت ہو کہ کون سی کرنسی، روپیہ، ڈالر، ریال، درہم اور کوئی شے ہو تو کون سی قسم مثلاً گندم۔ پھر گندم کی کون سی قسم جو چنے وغیرہ۔

۳۔ سونا یا چاندی یا کرنسی کی صفات، بڑھیا، گھٹیا، اوسط درجہ یہ شرائط خاص طور پر سونے چاندی سے تعلق رکھتے تھے جن کے سکے بطور کرنسی رائج تھے۔

۴۔ راس المال کی مقدار کا وضاحت کرنا، اگر راس المال مقداری نوعیت کا نہ ہو تو اشارہ کر دینا ہی کافی ہے۔

۵۔ راس المال اس جگہ ادا کر دی جائے جہاں سے عقد طے ہوا ہے۔ اگر قیمت کی ادائیگی ادھار ہو تو یہ بیع کالعدم ہے۔ اس لیے شریعت نے قرض کے بدلے قرض کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

۶۔ کرنسی (درہم و دینار وغیرہ) خوب جانچے ہوئے ہوں اور مقدار معلوم ہو۔

(ب) شرائط مسلم فیہ (مال فروخت سے متعلقہ شرائط)

۱۔ مال فروخت کی جنس معلوم ہو۔

۲۔ مال فروخت کی قسم معلوم ہو۔

۳۔ مال فروخت کی صفات معلوم ہوں۔

۴۔ مال فروخت کی مقدار بیان کی گئی ہو یعنی تولی جانے والی، ماپی جانے والی، یا گنی جانے والی۔

۵۔ مال فروخت کی فراہمی کی مدت معلوم ہو۔

۶۔ مال فروخت بازار میں دست یاب ہو۔ اگر اس مال کی فراہمی فروخت کنندہ کی پہنچ سے باہر ہے تو اس کا سلم درست نہ ہوگی۔

۷۔ بیع سلم میں جس سامان کی فراہمی کا معاملہ کیا جا رہا ہو۔ وہ ایسا ہونا چاہیے جس کی نوعیت اوصاف مقدار تعداد اور خاصیت کا پہلے تعین کیا جا سکے۔

۸۔ جس شے کی فراہمی کے لیے حمل و نقل پر اخراجات آتے ہوں اس کی منتقلی کی جگہ متعین کرنا لازمی ہے۔ بصورت دیگر عقد کی جگہ کو ہی شے کی فراہمی کا مقام تصور کیا جائے گا۔

۹۔ مال فروخت اور راس المال ایک ہی نوعیت اور قسم کی اشیاء نہ ہوں بلکہ الگ الگ ہوں۔ مثلاً سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم، جو کے بدلے جو۔ کیونکہ ایک ہی جنس کی اشیاء کا مبادلہ برابر برابر تو ہو سکتا ہے ورنہ یہ سودی معاملہ ہو۔

Marfat.com

۱۰۔ مال فروخت چار اقسام کا ہے۔ وزن کی جانے والی اشیاء، ماپی جانے والی اشیاء، گنتی میں آنے والی یکساں حجم کی اشیاء، پیائش کی جانے والی اشیاء لہٰذا جانوروں یا ان کے جسم کے حصوں کی سلم جائز نہیں۔ گٹھروں کے اعتبار سے لکڑی کی بیع درست نہیں۔ اسی طرح عقیق بلور اور بڑے موتیوں کی بیع سلم جائز نہیں۔

عصر حاضر میں بیع سلم سے استفادہ

دورِ حاضر میں کاروبار ایک پیچیدہ شکل اختیار کر گیا ہے اور اسی طرح سود اس کا لازمہ بن گیا ہے۔ سود پر کاروبار کرنے والے اداروں، کمپنیوں وغیرہ کو انہی کی شرائط کے مطابق کاروبار کرنا ایک مجبوری ہے جو من اضطرَّ غیر باغٍ ولا عادٍ کے ضمن میں آئے گا کیونکہ کوئی ملک بھی دوسرے ممالک کے ساتھ کاروبار کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن مسلمان ممالک بیع سلم کی روشنی میں اپنے اپنے ملک کے اندر بیع سلم کو رائج کر سکتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص نے کوئی کارخانہ نصب کرنا ہے وہ کسی بنک یا کسی مالی ادارہ سے قرض لینا چاہتا ہے تو بنک یا مالی ادارہ کارخانہ لگانے والے کو قرض اس شرط پر دے کہ جب کارخانہ نصب ہو کر چالو ہو جائے تو قرض کے بدلے تیار مال دے دے بنک یا مالی ادارہ اس مال کو بازار میں فروخت کر کے اپنا قرض لے لے ممکن ہے اس کو نفع بھی ہو۔ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ بنک یا مالی ادارہ کو اپنے دوسرے فرائض کی ادائیگی کے علاوہ تجارتی سرگرمیوں میں آنا پڑے گا۔ اس کا جواب واضح ہے۔ سود کی قباحت سے بچنے اور کاروبار کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے بنکوں یا مالی اداروں کی تنظیم نو کرنا پڑے گی۔ اور ایک تجارتی ونگ بنانا پڑے گا۔ تاکہ قرض کے بدلے میں جو مال آئے تو اس کو منڈی میں فروخت کیا جا سکے۔

ایران میں بنک صنعتی اداروں کو بیع سلم کی شکل میں سرمایہ مہیا کرتے ہیں۔ اور کامیابی سے چل رہے ہیں۔

بیع مرابحہ وتولیہ

لفظ مرابحہ ربح سے مشتق ہے اور باب مفاعلہ ہے جس کے معنی ہیں منافع کے ہیں۔

اصطلاح میں مرابحہ سے مراد جو چیز جس قیمت پر خریدی جاتی ہے اور جو کچھ مصارف اس کے متعلق کیے جاتے ہیں ان کو ظاہر کر کے اس پر نفع ایک مقدار بڑھا کر کبھی فروخت کرتے ہیں اس کو مرابحہ کہتے ہیں۔ (بہار شریعت حصہ دوم ص ۲۰۵)

بالفاظ دیگر کوئی چیز خرید کر اس کی سابقہ قیمت پر ایک خاص طے شدہ اور متعین شرح سے اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا مرابحہ کہلاتا ہے۔

اگر نفع نہ لیا جائے تو اس کو تولیہ کہتے ہیں جب رسول کریم ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا حضرت

ابوبکرؓ نے دو اونٹ خریدے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک کا میرے ہاتھ تولیہ کر دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا حضور کے لیے بغیر دام حاضر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بغیر دام کے نہیں۔

عبدالرزاق نے سعید بن المسیبؒ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تولیہ و اقالہ و شرکت سب برابر ہیں ان میں کوئی حرج نہیں۔ (کنز العمال)

بیع مرابحہ کی شرائط

۱۔ جو چیز فروخت کی جائے وہ ''شے'' یا سامان ہو۔ نقدی نہ ہو کیونکہ حدیث کی رو سے نقدی کے لین دین میں اضافہ ''سود'' ہے جو حرام ہے۔

۲۔ جو چیز فروخت کی جاری ہے وہ فروخت کنندہ کی ملکیت ہونی چاہیے۔

۳۔ چیز کی سابقہ قیمت یا لاگت پہلے سے معلوم یا متعین ہونا ضروری ہے یعنی دوسرے خریدار کو واضح طور پر معلوم ہو کہ پہلے خریدار نے اس چیز کو کتنے میں خریدا یا کتنے مصارف آئے۔

۴۔ نفع کی شرح یا فارمولا پہلے سے معلوم ہو۔

۵۔ مال کی قیمت رائج الوقت سکہ روپیہ، ریال، ڈالر وغیرہ میں ہونا چاہیے۔

۶۔ مرابحہ میں فروخت کنندہ اپنے تمام اخراجات جو شے کے بنانے یا خریدنے کے سلسلہ میں اٹھانے پڑتے ہیں قیمت میں شامل کر سکتا ہے مثلاً کرایہ بار برداری، باردانہ وغیرہ۔

۷۔ بیع مرابحہ میں اگر خریدار کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ خیانت کی گئی ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک خریدار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شے فروخت کنندہ کو واپس کر دے یا پوری قیمت میں وہ شے لے لے۔ لیکن اگر شے واپس کرنے سے پہلے ہی ضائع ہو جائے یا اس میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو خریدار کو پوری قیمت ادا کرنا ہوگی جبکہ امام ابویوسف کے نزدیک بیع مرابحہ میں خیانت کی صورت میں خیانت کے بقدر قیمت میں کمی کر دی جائے۔

۸۔ اگر شے کے بدلے شے کا لین دین (بارٹر سسٹم) ہو رہا ہو۔ تو شے کے بدلے میں قیمت کے طور پر جو چیز وصول کی جا رہی ہو وہ اس نوعیت کی ہو کہ اس جیسی چیز کم و بیش اس قیمت میں بازار میں آسانی سے مل جاتی ہو۔

ناجائز بیع مرابحہ

۱۔ سونے چاندی اور ایک ہی قسم کی کرنسی مثلاً روپیہ، روپیہ کے بدلے، ریال، ریال کے بدلے کے سلسلہ میں بیع مرابحہ جائز نہیں۔

۲۔ جس شے یا سامان کی مجموعی مالیت کا اندازہ اور قیمت کا تعین نہ ہو اس کی ممکنہ قیمت کے ایک خاص شرح (فیصد) کے حساب سے نفع طے کرنا جائز نہیں۔

Marfat.com

دور حاضر میں بیع مرابحہ سے استفادہ

عصر حاضر میں بیع مرابحہ کی شرائط کو بنیاد بنا کر بین الاقوامی سطح پر اندرون ملک کی مصنوعات اور بیرونی ملک کی مصنوعات کی خرید وفروخت کی جا سکتی ہے۔ اگر بنک اپنے دائرہ کار میں تجارت کے شعبہ کو منظم کر لیں۔ باہر کی مصنوعات مثلاً بھاری مشینری یا دیگر قیمتی اشیاء منگوا کر اپنے ملک کے اندر ضرورت مندوں کو بیع مرابحہ کے اصول کے تحت فروخت کریں تو یہ طریقہ کار سود کا متبادل ہو سکتا ہے۔ اگر خریدار نقد پر شے نہیں خریدتا تو کوئی چیز رہن رکھ کر خرید سکتا ہے اس طرح اندرون ملک میں بھی اسی اصول کے تحت مصنوعات خرید کر دوسروں کو سپلائی کر سکتا ہے۔

الستراتجیہ لاستعمار فی البنک الاسلامیہ کے موضوع پر ہونے والے سیمینار کے حوالہ سے ایک اندازے کے مطابق غیر سودی بنکاری کے ۸۰ تا ۹۰ فیصد تک مالیاتی اعمال مرابحہ کی بنیاد پر سرانجام پانے والے سرمایہ کاری کے طریقوں کو مختلف نام دیتے ہیں۔ مثلاً پیداوار افزائش پروگرام (Support production) قلیل مدت کی سرمایہ داری (Short term financing) یا معاہدہ خرید وفروخت (Sale and purchase contract) وغیرہ اسی طرح مختلف مدت کے لیے مالی ضروریات اس ذریعہ سے پوری کی جاتی ہیں۔ مثلاً اشیاء صارفین کار، ریفریجریٹر وغیرہ کی خریداری، مکانوں کی خریداری کے لیے سرمایہ کی فراہمی، صنعتی شعبہ کے لیے مشینری آلات اور خام مال کی فراہمی کے لیے سرمایہ کی فراہمی وغیرہ البتہ مرابحہ کا زیادہ استعمال قلیل مدتی تجارت کے لیے سرمایہ کی فراہمی کے لیے ہے۔ (ص ۴۹)

پروانہ قرض (Letcer of credit) اور مرابحہ

دوبئی کا اسلامک بنک پروانہ قرض (Letter of Credit) جاری کرنے کے لیے درج ذیل طریقہ اختیار کرتا ہے۔

ایک تاجر بنک کے نام درخواست لکھتا ہے کہ وہ کوئی چیز بیرون ملک سے درآمد کرنا چاہتا ہے بنک تمام ضروری دستاویز اور ضمانتوں کے حصول کے بعد تاجر کے نام پروانہ قرض جاری کرتا ہے اور اس کی نقل برآمد کنندہ اور اس کے بنک کو بھیج دیتا ہے۔ اس معاہدہ میں تاجر بنک کے ساتھ وعدہ خریداری کے معاہدہ پر دستخط کرتا ہے جس میں وہ شے کی خریداری کی قیمت اور دیگر تفصیلات طے کرتا ہے برآمد کنندہ تمام دستاویزات اور مال بنک کے حوالے کرتا ہے مال کی وصولی کے بعد بنک اور تاجر کے درمیان بیع مرابحہ کا معاہدہ طے پاتا ہے اس طرح بنک اور تاجر اس طریقہ کار سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اردن کا اسلامک بنک بھی بیع مرابحہ کی بنیاد پر ایسی اشیاء کی خریداری کے لیے سرمایہ کی فراہمی کرتا ہے جن کو رہن رکھا جا سکتا ہے مثلاً کوئی شخص کار خریدنے کے لیے بنک سے رجوع کرتا ہے تو بنک اور

خریدار کے مابین کار کی خریداری کا معاہدہ طے پاتا ہے بنک کار ڈیلر سے کار خریدتا ہے۔ کار کی رجسٹریشن بنک کے نام ہوتی ہے اور قیمت کار ڈیلر وصول کر لیتا ہے۔ اس کے بعد بنک اس کار کو گاہک کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اور رجسٹریشن گاہک کے نام منتقل ہو جاتی ہے۔ بیع کا یہ معاہدہ قیمت کے التوا کی بنیاد پر ہوتا ہے بنک ضروری ضمانت حاصل کر لیتا ہے۔ ضمانت میں یہ شق بھی شامل ہو سکتی ہے کہ گاہک بنک کے پاس کار رہن رکھ دے۔ اس طرح بیع مرابحہ کے اصول پر دیگر اشیاء کی خرید و فروخت کی جا سکتی ہے۔ اردنی بنک ایسی اشیاء کے لیے بھی مرابحہ کا طریقہ اختیار کرتا ہے جن کو رہن میں نہیں رکھا جا سکتا۔

اب سودی بنک بھی اس طریقہ سے متاثر ہو کر یہ طریقہ اختیار کر رہے ہیں جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا۔ یہ طریقہ اختیار کرتے جائیں گے۔ سعودی عرب کے سب سے بڑے تجارتی بنک ''نیشنل کمرشل بنک نے مرابحہ کے اصول پر ایک بین الاقوامی تجارتی فنڈ قائم کیا ہے۔ پاکستان بھی یہ طریقہ اختیار کر سکتا ہے۔

بیع موجّل

بیع موجل سے مراد ایسی بیع جس میں قیمت بعد میں ادا کی جائے۔ ادائیگی یک مشت بھی کی جا سکتی ہے اور اقساط میں بھی۔

It is a sale under which the price of item involved is payable on a deffered basis either in lump sum or in instalments. (Report of council of Islamic Ideology page 97)

شرائط

۱۔ شے کی قیمت پہلے سے متعین ہو۔

۲۔ قیمت کی ادائیگی کی تاریخ یا مدت متعین ہو۔

۳۔ یہ بات بھی طے شدہ ہو کہ قیمت یک مشت ادا کی جائے گی یا اقساط میں۔

شرعی احکام

بیع موجل کو درست رکھنے کے لیے حسب ذیل شرعی احکام ہیں۔

۱۔ فروخت کی جانے والی شے بائع (Seller) کی ملکیت ہو اس کے قبضہ میں ہو۔ قبضہ خواہ حقیقی ہو یا حکمی۔

۲۔ بائع کو اختیار ہے کہ وہ مشتری کی کوئی چیز بطور رہن رکھ لے۔

۳۔ بائع شے یا جائیداد پر نفع حاصل کرنے کا حقدار اسی صورت میں ہوگا۔ کہ وہ شے یا جائیداد اس کے ضمان میں ہو نہ کسی اور کے ضمان میں۔

Marfat.com

۴۔ بیع موجل کی رو سے یہ ضروری ہے فروخت کی جانے والی شے کا قبضہ فوری طور پر مشتری کو دے دیا جائے۔ بصورت دیگر بیع درست نہیں ہوگی۔

شرعی جواز

فقہاء بیع موجل کے شرعی جواز کی دو دلیلیں دیتے ہیں۔

ایک اس کے عدم جواز کی دلیل شارح سے منقول نہیں اس لیے اشیاء میں اباحت اصلیہ کے اصول کے مطابق یہ جائز ہے۔

دوم رسول کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے۔ **عن عائشة النبی ﷺ اشتری طعاما من یهودی الی اجل و رهنه درعا من حدید.** (بخاری ۱:۴۳۳) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی سے اناج ایک میعاد تک کے لیے قرض خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھی۔

بیع موجل کے بارے میں اختلاف ہے ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ جس طرح یہ جائز ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان معاہدہ بیع ہو جائے کہ قیمت ادائیگی فی الفور (On the spot) ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ بائع اور مشتری میں یہ طے پا جائے کہ مشتری قیمت کی ادائیگی کچھ عرصہ بعد کرے گا لیکن یہ ضروری ہے کہ ادائیگی کی شرائط متعین کر لی جائیں تاکہ کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہ ہو۔ دوسرا طبقہ[1] اس قسم کی بیع کی ربوالنسیہ قرار دیتا ہے۔ (ماہنامہ حکمت قرآن لاہور جنوری ۱۹۹۲ء)

ان کے نزدیک بائع ادھار میں مشتری کی مجبوری کے تحت پیشگی مقررہ رقم منافع کے طور پر لے رہا ہے۔ اس پیشگی مقررہ رقم اور سود میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ربوالنسیہ میں بھی قارض، مقروض سے قرض کے اصل مال پر زائد رقم لے لیتا ہے۔

یہ تو واضح ہے کہ رسول کریم ﷺ نے یہودی سے زرہ گروی رکھ کر کچھ غلہ ادھار لیا تو رسول کریم ﷺ کے عمل سے اس قسم کے معاہدہ سے جواز ملتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بیع موجل مخصوص حالات سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں نہ تو بائع، مشتری کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر زیادہ ثمن وصول کر رہا ہے اور نہ مشتری یہ سمجھتا ہے کہ بائع منڈی کی قیمت سے زائد ثمن وصول کر رہا ہے۔ اس میں ضرر اور ضرار (نقصان دینے اور نقصان اٹھانے) کا کوئی پہلو نہیں۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے یہودی سے زرہ دے کر غلہ حاصل کیا۔ یہ بیع موجل جائز ہے۔ اگر تاجر طبقہ ایسا طریقہ ادھار کو مستقل اپنا لیں اور مارکیٹ میں وہ طریقہ رائج کر کے مجبور لوگوں کی جیب پر ڈاکہ مارنا شروع کر دیں اور سودی قرض کی سی حالت پیدا ہو جائے تو یہ وطیرہ اسلام کی معاشی پالیسی کے سراسر منافی ہے۔

مولانا محمد طاسین اس بارے میں کہتے ہیں۔

---

[1] مولانا محمد طاسین وغیرہ۔

Marfat.com

صاف نظر آتا ہے کہ یہ معاملہ اپنی حقیقت و ماہیت اپنے منشا، مقصد اور اپنے لازمی اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربوٰ النسیہ جیسا معاملہ ہے وہ اس طرح کہ اس میں ایک شے جس کی قیمت نقد سے بازار میں عام طور پر مثلاً ایک سو روپے ہوتی ہے جبکہ ایک سال کے ادھار پر وہ ایک سو پچاس روپے میں بیچی جاتی ہے تو اس سے پچاس روپے کا جو اضافہ ہوتا ہے وہ دراصل ایک سال کی مدت و مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے نیز جس طرح ربوٰ النسیہ میں مقروض سے قرض کے اصل مال پر زائد لیا جانے والا مال بلاعوض ہوتا ہے اور مقروض کی حق تلفی قرار پاتا ہے۔ اسی طرح زیر بحث معاملہ میں بیچی جانے والی شے کی اصل قیمت پر ادھار کی وجہ سے جو اضافہ ہوتا ہے، بیچنے والے کی طرف سے خریدار کے لیے اس کا کوئی معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہٰذا بیچنے والا جو زائد لیتا ہے خریدار کا حق لیتا ہے اور اس کی حق تلفی کرتا ہے نیز جس طرح ربوٰ النسیہ میں قرض دہندہ کا مقصد بغیر کسی دماغی و جسمانی محنت و مشقت کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ضمانت کے اپنے سرمائے اور تمول کو بڑھانا ہوتا ہے اسی طرح زیر بحث بیع موجل کے معاملے میں فروخت کنندہ کا مقصد بغیر کسی پیداوار محنت اور عملی جدوجہد کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ذمہ داری کے نفع کمانا اور اپنے سرمائے کو بڑھانا ہوتا ہے پھر جس طرح ربوٰ النسیہ کے رواج سے معاشرے میں معاشی عدم توازن اور غیر فطری نشیب و فراز رونما ہوتا ہے اور ملکی دولت چند اغنیاء اور سرمایہ داروں کے درمیان سمٹ کر رہ جاتی ہے اسی طرح زیر بحث معاملہ کے بھی عام رواج سے معاشرے میں ویسی ہی معاشی حالت پیدا ہوتی ہے غرضیکہ وہ تمام اخلاقی، معاشرتی اور معاشی برائیاں جو ربوٰ النسیہ کے عملی رواج سے ظہور میں آتی اور معاشرے کے توازن کو بگاڑتی ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام میں ربوٰ النسیہ کو قطعی طور پر حرام اور ممنوع ٹھہرایا ہے۔ وہ سب زیر بحث بیع موجل کے معاملے سے بھی لازماً ظہور میں آتی ہیں لہٰذا اصول قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس معاملے کا بھی وہ حکم ہونا چاہیے جو معاملہ ربوٰ النسیہ کا ہے یعنی حرام کیونکہ بنیادی طور پر ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ (ماہنامہ حکمت لاہور جنوری ۱۹۹۲ء)

مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ بیع موجل کی شکل ربو النسیہ کی شکل اختیار کر جائے۔ جس سے معاشی توازن بگڑ جائے۔ غرباء کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو۔ جذبہ اخوت و ہمدردی ختم ہو چکا ہو اور دولت کا بہاؤ مخصوص طبقہ کی طرف ہو جائے۔ جس سے غریب سے غریب تر اور امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا ہو تو یہ بیع موجل ربوٰ النسیہ کا لباس پہن لے گی جو قطعی طور پر حرام ہے۔

بیع موجل اسلام نے عوام کے فائدہ کے لیے جائز قرار دی ہے کہ اگر وقتی طور پر کسی کے پاس رقم نہیں تو وہ بازار کی قیمت پر ہی ادھار لے لے۔ اس طرح قرض دینے والے کے لیے ثواب بھی ہے اور معاشرے میں جذبہ اخوت بھی بڑھتا ہے اور معاشی رنگ میں دولت معاشرے میں گردش بھی کرتی ہے۔ اور

Marfat.com

عوام خوش حال ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ایسے عقد جس سے تعاون اور عملی محنت کا فقدان اور مجبوری کا عنصر پایا جاتا ہو۔ اس کو تمدنی حکمتوں کے اعتبار سے باطل قرار دیا ہے۔

فرماتے ہیں۔ ''پس اگر مالی نفع ایسے طریقے پر حاصل کیا جائے کہ اس میں عاقدین کے درمیان تعاون اور عملی محنت کا دخل نہ ہو۔ جیسے قمار یا زبردستی رضامندی کا اس میں دخل ہو جیسے سودی کاروبار۔ تو ان صورتوں میں بلاشبہ مفلس اپنے افلاس کی وجہ سے خود پر ایسی ذمہ داریاں عائد کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جن کا پورا کرنا اس کی قدرت سے باہر ہوتا ہے اور اس کی وہ رضامندی حقیقی رضامندی نہیں ہوتی۔ تو اس قسم کے تمام معاملات رضامندی کے معاملات نہیں کہلائے جا سکتے اور نہ ان کو پاک ذرائع آمدنی کہا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ معاملات تمدنی حکمتوں کے اعتبار سے باطل اور خبیث ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ من ابواب ابتغاء الرزق)

جب بیع موجل عاقدین کے مابین مجبوری اور اکراہ کی وجہ سے وقوع پذیر ہوگی تو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی رائے کے مطابق یہ بیع باطل ہوگی۔

کرایہ داری

کرایہ داری کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء کرایہ داری کو اسلامی روح کے منافی سمجھتے ہیں بعض جائز۔

اسلام نے اجتماعی عدل اور اقتصادیات کے اصول مقرر کیے ہیں۔ ان اصولوں پر کرایہ داری کو پیش کر کے جائز اور ناجائز کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلام کا پہلا اصول تسویہ ہے قرآن مجید میں آتا ہے۔ **وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ** (۱۰:۴۱) اور اس کی (ذخیرہ) خوراک کا اس میں اندازہ کیا (یہ) چار دن میں (کیا) مانگنے والوں کے لیے برابر ہے۔ آیت بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ قومی خوراک کے ذخائر میں سب کا برابر کا حصہ ہے کوئی ایک شخص کسی طریقہ سے بھی ان پر قابض نہیں ہو سکتا۔ جبکہ ہر فرد کو قومی ذخائر سے استفادے کا برابر کا حصہ ہے رسول کریم ﷺ کے عہد مسعود میں تمام دولت ''تسویہ'' کے اصول پر تقسیم ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں مال غنیمت اور مال فئے کثرت سے آنے لگا تو آپ نے بھی ''تسویہ'' کے اصول پر لوگوں میں مال تقسیم کیا۔ مساوات کے اس نظام پر اعتراض بھی ہوا کہ اصحاب الاولیت، اصحاب الفضیلت کا لحاظ رکھے بغیر سب کو برابر حصہ دیا گیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ جنھوں نے پہلے اسلام قبول کیا اور صاحب

Marfat.com

فضیلت بنے یہ دین سے تعلق رکھتا ہے اس کا اجر اللہ کے پاس ہے۔ تقسیم دولت کا تعلق معاش سے ہے۔ اس میں کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی کیونکہ سب کی ضروریات برابر ہیں۔ **فھذا معاش فالا سوۃ فیہ خیر من الاثرۃ** (کتاب الخراج ابو یوسف ص ۴۲) چنانچہ آپ کے تمام دور خلافت میں تقسیم تسویہ کے اصول پر ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے اصحاب الاولیت کو ترجیح دی۔ اس کے اثرات اور نتائج اچھے نہ نکلے۔ چنانچہ آپ نے اپنی غلطی کا احساس کر لیا اور کہا میں زندہ رہا تو تسویہ کے اصول پر لوگوں میں مال تقسیم کروں گا۔ چنانچہ تسویہ کے اصول پر عمل کرنے سے پہلے ہی شہید کر دیے گئے۔ حضرت عمر عثمانؓ اور حضرت علیؓ مساوات کے قائل تھے۔ جب بھی اس اصول کو چھوڑا گیا۔ ملک میں افراتفری پھیلی۔

قرآن مجید میں مال غنیمت کی تقسیم کا اصول سورہ الانفال کے آیت ۴۲ میں درج ہے۔ اس آیت کی روشنی میں یہ قاعدہ بنایا گیا۔

"لایفضل الخیل بعضھا علی بعض ولا یفضل الفرس القوی علی الفرس الضعیف ولا یفضل الرجل الشجاع التام السلاح علی الرجل الجبان الذی لاسلاح معہ الا سیفہ (الخراج ابو یوسف ص ۱۹) کسی گھڑ سوار کو دوسرے گھڑ سوار پر حصہ غنیمت میں کوئی فضیلت ہے نہ ہی کسی قوی گھڑ سوار کو ضعیف گھڑ سوار پر کوئی فضیلت حاصل ہے اسی طرح کسی مسلح تام بہادر کو کسی کمزور پر کوئی فضیلت حاصل ہے جس کے پاس تلوار کے سوائے کوئی ہتھیار نہیں۔

حضرت عمرؓ کے دور میں جب عراق شام ایران کے علاقے فتح ہوئے تو آپ نے تمام مفتوحہ اراضی بیت المال کی ملکیت قرار دی۔ اس میں یہی اصول کارفرما تھا۔

تسویہ کا اصول اپنانے میں یہ حکمت ہے کہ معاشرہ میں دولت کی بنیاد پر طبقاتی تقسیم پیدا نہ ہو۔ دولت کا بہاؤ مخصوص طبقہ کی طرف نہ ہو۔

جب کرایہ داری پر اس اصول کو منطبق کرتے ہیں تو واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ مکانوں، پلازوں، مارکیٹوں کو کرایہ پر دینے سے اصول تسویہ مجروح ہوتا ہے۔ دولت کا بہاؤ مخصوص لوگوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ جس سے دولت کی بنیاد پر طبقاتی تقسیم ہو جاتی ہے۔

دوسرا اصول وہ ہے جو دنیا میں کسی معاشی نظام میں نہیں پایا جاتا وہ ہے۔ **"كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ"** (الحشر: ۷) ایسا نہ کہ مال دولت تمہارے اعتبار ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔ اسی اصول کے تحت انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا ہے۔ انفاق دو طرح کا ہے۔ لازمی اور طوعی۔ لازمی میں زکوٰۃ ہے اور طوعی میں خیرات وغیرہ اسی طرح انفاق کی آخری حد بھی مقرر کر دی۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ** (البقرہ: ۲۱۹) وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دیجئے جو کچھ

Marfat.com

ضرورت سے زیادہ ہو۔

مذکورہ اصول میں ایک تو یہ بتایا گیا ہے کہ دولت صرف چند ہاتھوں میں ہی گردش نہیں کرتی رہنی چاہیے۔ پھر دولت کی گردش کے لیے چند اصول مقرر کیے ان میں سے ایک انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ آخر میں انفاق کی یہ حد مقرر کی کہ جو ضرورت سے زائد ہے وہ ریاست کا حق ہے تاکہ دولت کو ریاستی ضروریات پر خرچ کیا جا سکے۔ ریاستی ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت غرباء مساکین وغیرہ کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا ہے۔

اس اصول کو سامنے رکھا جائے تو مکانوں، پلازوں وغیرہ کی کرایہ داری کا بطلان ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ مکانوں اور پلازوں کی کرایہ داری سے دولت کا بہاؤ مخصوص لوگوں کی طرف ہو جاتا ہے جو اصول "کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃً بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَاءِ" کی روح کے منافی ہے۔

تیسرا اخلاقی اصول اخوت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ مومن بھائی بھائی ہیں۔ یہ وہ اسلام کا اصول ہے جس پر معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی نظام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اسی اصول کی بنیاد پر رسول کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی اور کرایہ داری اسلام کے اصول اخوت کے بھی منافی ہے۔

اصولی بحث کرنے کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ کرایہ داری کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

حدیث اور مکانوں کا کرایہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز باہر نکلے۔ اور ایک مکان پر ایک بلند قبہ بنا دیکھا۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ صحابہ نے بتایا کہ انصار میں سے فلاں شخص نے یہ قبہ بنایا ہے۔ آپ خاموش ہو گئے اور اس کا اثر اپنے دل میں لے کر چل دیے۔ حتیٰ کہ اس قبے کا بنانے والا شخص جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگوں کی موجودگی میں اس نے آپ کو سلام کیا۔ مگر آپ ﷺ نے اس سے اعراض کر لیا۔ اس نے کئی بار ایسا کیا۔ حتیٰ کہ وہ آپ کا غصہ اور اعراض پہچان گیا۔ اس نے اصحاب سے وجہ پوچھی اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے آپ کو کسی وجہ سے ناراض کر لیا ہے انھوں نے بتایا کہ آپ باہر نکلے تھے اور آپ ﷺ نے تمہارا قبہ دیکھا وہ شخص اس وقت سیدھا اپنے قبے کی طرف واپس گیا اور اسے گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ رسول کریم ﷺ پھر ایک روز ادھر سے گزرے آپ ﷺ نے وہ قبہ نہ دیکھا دریافت کیا اسے کیا ہوا ہے لوگوں نے بتایا کہ بنانے والے نے آپ کی ناراضی اور اعراض کی وجہ پوچھی ہم نے اسے بتایا یہ سن کر اس نے اسے گرا دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ہر مکان بنانے والے کے لیے وبال ہوگا۔ سوائے اس مکان کے جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ باب فی البناء والخراب ص ۳۱۷ سنن ابو داؤد ج ۲

Marfat.com

باب فی البناء ص ۱۷)

اس حدیث سے رسول کریم ﷺ کی مدینہ میں تعمیراتی پالیسی واضح ہوتی ہے کہ رہائشی مکان صرف بقدر ضرورت بنانے کی اجازت تھی۔ زائد از ضرورت زمین استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ مکانوں پر بیجا خرچ کر کے خوبصورت کرنے کی کیونکہ تبذیر اسلام میں حرام ہے۔

دوم ایک رہائشی مکان سے زائد مکان بنانے کی ممانعت تھی۔[1]

اس پالیسی کا یہ نتیجہ تھا کہ کوئی مسلمان بغیر گھر کے نہ تھا۔

حضرت خبابؓ نے اپنے مرض کے دوران رسول کریم ﷺ سے یہ حدیث روایت کی۔

ان العبد لیوجر فی نفقتہ کلھا الا فی التراب وقال فی البناء (سنن ابن ماجہ باب فی البناء والخراب ص ۳۱۷)

انسان جو بھی خرچ کرتا ہے اللہ اس کا اجر دیتا ہے۔ سوائے اس مال کے جو ضرورت سے زیادہ زمین خریدنے پر یا مکان بنانے پر خرچ کرتا ہے۔

امام ترمذی کی حدیث ہے۔ **النفقۃ کلھا فی سبیل اللہ الا البناء** ہر قسم کا جائز خرچ اللہ کی راہ میں تصور ہوگا۔

سوائے (ضرورت سے زائد) مکان تعمیر کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ من بنی فوق مایکفیہ کلف ان یحملہ یوم القیامہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ضرورت سے زائد مکان بنائے قیامت کے دن اسے مجبور کیا جائے کہ وہ اس کو اٹھائے۔

اس حدیث میں ضرورت سے زائد مکان تعمیر کرنے کی شدید وعید ہے۔ اس میں صرف منع ہی نہیں کیا گیا بلکہ خلاف ورزی کرنے والے کے لیے عذاب کی خبر بھی ہے۔

قبلہ ازد نے اسلام قبول کیا اور ان کا ایک وفد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اپنی تعمیراتی پالیسی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ **ولا تبنوا مالا تسکنون** اور تم ایسے مکان نہ بنانا جن میں تمھیں رہنا نہ ہو۔

---

[1] ''پاکستان کی اقتصادی حالت ناگفتہ ہونے ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ یہاں کوئی تعمیراتی پالیسی نہیں۔ روساء ایکڑوں، مربعوں میں اپنے محل بناتے ہیں۔ پھر آرائش و زیبائش کے لیے پانی کی طرح روپیہ بہا دیتے ہیں جبکہ پاکستان میں ایسے لوگ بھی رہتے ہیں جن کے پاس سر چھپانے کے لیے چھت تک نہیں یعنی ایک طرف تبذیر دوسری طرف تقصیر یہی ایک وجہ ہے ملک پاکستان کی اقتصادی حالت نہیں سدھرتی اور نہ سدھرے گی۔

Marfat.com

کرایہ سے ممانعت

جب تعمیراتی پالیسی کے تحت زائد از ضرورت مکان تعمیر ہی نہیں کرنے تو کرایہ پر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے صرف زائد از ضرورت مکان بنانے سے ہی منع نہیں فرمایا بلکہ مکانوں کو کرایہ پر دینے سے بھی منع فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے رسول کریم ﷺ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ "من اکل من اجور بیوت اکلۃ فانما یاکل فی بطنہ نار جھنم۔" (الازرقی، اخبار مکہ ص ۳۹۱، کتاب الاموال ابوعبیدہ ص ۱۶۰۸) جس نے مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھایا در حقیقت اس نے اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرلی۔

حضرت علقمہ بن نضلہ کی روایت ہے۔ "قال کانت الدور والمساکن علی عھد النبی ﷺ و ابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنھم ماتکری ولا تباع، ولا تدعی الا السوایب، من احتاج سکن ومن استغنی اسکن" (امام ابن ماجہ، السنن، باب اجر بیوت مکہ۔ ص ۲۳۱، الازرقی اخبار مکہ ص ۳۹۱، کتاب الاموال ج ۲ ص ۱۳۱) عہد رسالت اور عہد ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنھم میں مکہ میں ایسے مکان تھے جو قیام گاہیں تھی جن کا کرایہ نہیں لیا جاتا تھا۔

یہ پالیسی صرف مکہ کے لیے ہی نہیں تھی بلکہ یہ تمام ریاست کے علاقوں کے لیے تھی۔ لوگ جس شہر میں جاتے وہاں ریاست کے اپنے تعمیر کردہ مکانات ہوتے مسافر وہاں قیام کرتے اور کرایہ نہ دیتے تھے۔ علامہ ابن حبان نے اپنی کتاب "الثقاۃ" میں مدینہ منورہ کے مہمان خانے کا تذکرہ کیا ہے جو ۱۷ ہجری میں تعمیر کیا گیا اسی طرح کوفہ، بصرہ، فسطاط اور دیگر شہروں کی حالت ہے مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مکہ میں مکانوں کی کرایہ داری سے منع فرمایا یہ حکم صرف مکہ کے مکانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام ریاست کے شہروں کے مکانوں پر لاگو ہے۔ مکہ کے مکانوں کا ذکر خصوصاً اس لیے کیا ہے کہ لوگ حج یا عمرہ کے لیے وہاں جاتے تو زائرین کو رہائش درکار ہوتی تھی۔ تو مکہ کے رہنے والوں نے زائرین کو کرایہ پر دینے کے لیے مکان تعمیر کر لیے۔ دیگر شہروں میں ایسی بات نہیں تھی۔ اس لیے رسول کریم ﷺ نے مکہ کے مکانوں کا خصوصاً ذکر کیا اور ریاست کے دیگر شہروں کے مکانوں کا ذکر نہیں کیا۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے جب ایک جگہ کے مکانوں کا کرایہ ناجائز ہے تو دوسری جگہ کے مکانوں کا کرایہ کیوں کر جائز ہوگا۔

کرایہ داری سرمایہ دارانہ ذہن کی عکاسی کرتی ہے اور دولت کا بہاؤ مخصوص طبقے کی طرف ہو جاتا ہے اور العفو کے اصول کے بھی خلاف ہے اس لیے مکان کی کرایہ داری کو ناجائز قرار دیا ہے۔

Marfat.com

ہاں اگر کوئی ضعیف ہے کمانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بیمار ہے اور کوئی ذریعہ آمدن نہیں۔ یا کوئی اور مجبور شخص اپنے گزر اوقات کے لیے کوئی مکان بنالیتا ہے اور کرایہ پر دے کر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اس قسم کے اشخاص کی آمدن سے تقسیم دولت میں کوئی بگاڑ پیدا نہیں ہوتا۔ نہ تعلیم (العفو) کے خلاف ہے۔ اس قسم کی آمدن **"من اضطر غیر باغ ولا عاد ولا اثم علیه"** کے تحت آ جائے گی۔

محض دولت کی بڑھوتی کے لیے عالی شان پلازے کرایہ پر دینے کے لیے تعمیر کرنا اسلامی معاشی نظام کی روح کے منافی ہے۔ اسلام اس قسم کے ذریعہ آمدن کی اجازت نہیں دیتا۔ اس سے تقسیم دولت کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور دولت کا بہاؤ مخصوص طبقہ کی طرف ہو جاتا ہے۔

اس کی ایک جائز صورت نکل سکتی ہے وہ یہ کہ مکانات، دکانیں اور مارکیٹیں فروخت کرنے کے لیے تعمیر کی جائیں تو یہ تجارت اسلامی اصول کے تحت آ جائے گی۔

کتب احادیث میں اجارہ مکان کے جواز میں کوئی حدیث نہیں ملتی نہ رسول کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کے عہد میں کرایہ داری کا رواج تھا۔ اس لیے کرایہ داری کو ناجائز اشیاء کے زمرہ میں ہی لانا چاہیے اور یہی اسلامی معاشی روح تقاضا کرتی ہے۔

Marfat.com

باب ۱۲

بنک و بیمہ

بنک کی تعریف

بنک کا ارتقاء

اقسام بنکوں کے فرائض

اہمیّت

بنکوں کو قومیانے کا مسئلہ

خاکہ بلاسودی بنکاری

بیمہ

بیمہ کی تاریخ

بیمہ کی اقسام

بیمہ زندگی کا عمرانی تجزیہ

بیمہ کمپنی بحیثیت ایک اقتصادی ادارے کے اسلام اور بیمہ

علمائے کرام کے فتوے

اصلاحی تدابیر

Marfat.com

بنک و بیمہ

لفظ بنک کے ماخذ کے متعلق ماہرین کا اختلاف ہے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ بنک کا لفظ اطالوی زبان کے الفاظ Bancus، Banco، Banque سے ماخوذ ہے ان الفاظ کے معنی بنچ کے ہیں۔ زمانہ قدیم میں اٹلی کے یہودی سوداگر زر (Money) کا لین دین کرنے کے لیے بنچ استعمال کرتے تھے۔ جب کسی سوداگر کو کاروبار میں نقصان ہوتا اور وہ اپنے واجبات ادا نہ کرسکتا تو وہ اس بنچ کو توڑ دیتا گویا وہ سوداگر دیوالیہ ہوگیا ہے آج کل بھی بنک دیوالیہ ہوجاتا ہے تو اسے (Bank crupt) کہا جاتا ہے۔

بعض ماہرین لفظ بنک (Bank) جرمن زبان۔ کے لفظ (Back) سے ماخوذ سمجھتے ہیں جس کے معنی ''مشترکہ سرمایہ'' کے ہیں جب جرمن اٹلی کے بہت بڑے حصے پر قابض تھے۔ تو جرمن زبان کے لفظ (Back) کو اطالوی رنگ دے کر (Banko) بنالیا گیا بعد میں یہ لفظ انگریزی زبان میں بنک (Bank) بن گیا۔

بنک کی تعریف

بنک ایک ایسا ادارہ ہے جو ایسے لوگوں سے امانتیں وصول کرتا ہے جنہیں فی الحال ان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پھر اس جمع شدہ سرمایہ سے ضرورت مند افراد کو پیدا آور اور غیر پیدا آور کاموں کے لیے قرضے (Loans) دیتا ہے۔ یہ ادارہ کم شرح پر امانتیں وصول کرتا ہے اور زیادہ شرح سود پر قرض دے کر منافع کماتا ہے۔

پروفیسر کراوتھر کے الفاظ ''بنک قرضوں کا کاروبار کرتا۔ ہے عوام سے امانتیں وصول کرتا ہے اور ضرورت مند افراد کو قرضے فراہم کرتا ہے۔ بنک کے جاری کردہ زر اعتبار کو عام لوگ بلاحیل و حجت قبول کر لیتے ہیں۔ اس لیے بنک زر کی تخلیق بھی کرتا ہے۔

بنک کا ارتقاء

قدیم زمانہ میں لوگوں کی جان و مال ڈاکوؤں سے محفوظ نہیں تھے۔ لہٰذا روپیہ پس انداز کرنا خود مہلک ہوا کرتا تھا یا تو لوگ پس انداز ہی نہیں کرتے تھے۔ جو کرتے تھے وہ زمین میں دفن کر دیتے۔ جس کا علم کنبے کے سربراہ کو ہی ہوتا تھا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ سربراہ دفینہ کی نشان دہی بغیر مر جاتا تو اس

طرح وہ دفینہ مٹی کا حصہ بن جاتا۔

ضرورت نے انسان کو سوچنے پر مجبور کیا کہ وہ اپنے میں سے سب سے بہتر متمول اور قابل اعتماد کے پاس اپنی امانتیں جمع کروائیں رفتہ رفتہ یہ مقام سنار نے لے لیا کیونکہ اس کے پاس سونے چاندی کے ذخائر ہوا کرتے تھے اور وہ ان کے تحفظ کے لیے لوہے کے بڑے بڑے صندوق اور ہتھیار بند ملازم بھی رکھا کرتے تھے اس لحاظ سے سنار کا گھر محفوظ ترین جگہ اور سنار قابل اعتماد شخص سمجھا جانے لگا۔ سنار لوگوں سے ان کی امانتیں وصول کر کے رسیدیں لکھ دیا کرتے تھے۔ جن سے بعض اوقات کاروبار بھی کر لیا کرتے تھے۔ قابل اعتماد ہونے کی بناء پر صرافوں کی رسیدات عام لین دین میں قبول کی جانے لگیں۔ یہ رسیدیں زر کاغذی کی قدیم ترین شکل ہے۔ رفتہ رفتہ ساہوکاروں نے اپنے ذاتی لین دین میں اپنے ہی ہاتھ کی لکھی ہوئی رسیدوں کو بطور زر چلایا، اور لوگوں نے ان رسیدوں کو بطور زر قبول کر لیا۔ اس طرح یہ رسیدیں آلہ مبادلہ کے علاوہ قرضوں کی ادائیگیوں اور وصولیوں کے لیے بھی گردش کرنے لگیں۔

چونکہ صرافوں کے پاس لوگوں کی کثیر امانتیں جمع ہوتی تھیں اور انھیں سے بہت کم امانتیں رکھنے والے اپنی امانتیں واپس لینے آتے تھے۔ لہٰذا صرافوں نے ان امانتوں سے ضرورت مند لوگوں کو ادھار دینا شروع کر دیا جس پر قرض خواہ کی ضرورت کی نوعیت کے مطابق شرح سود بھی وصول کیا جاتا۔ قرض دینے کے علاوہ صراف جمع شدہ سرمایہ کو خود کاروبار میں لگا لیا کرتے تھے۔ جوں جوں امانتوں کی مقدار بڑھتی گئی۔ صراف کا کاروبار وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا اور جب ایک صراف سے وسیع کاروبار سنبھالنا مشکل ہوا تو شراکت کی بنیاد پڑی۔ جس نے بعد میں مشترکہ سرمایہ کی انجمن کی شکل اختیار کر لی۔ تاکہ احتمال نقصان کی ذمہ داری کا بوجھ ایک یا چند افراد پر ڈالنے کی بجائے انجمن پر ڈالی جا سکے۔

سوداگر

صرافوں کے علاوہ سوداگر بھی بنک کے ابتدائی ارتقاء میں شریک تھے۔ چودھویں صدی عیسوی میں یورپ کے بڑے بڑے تجارتی مراکز اٹلی کے شہروں میں تھے۔ اٹلی کے بہت سے یہودی تاجر برطانیہ چلے گئے۔ جہاں انھوں نے زر کو قرض دینے اور اس پر سود وصول کرنے کا کاروبار شروع کیا۔ وہ مالی لحاظ سے اتنے مضبوط تھے کہ گاہے بگاہے شہنشاہ بھی ان سے قرض لیتے تھے۔ ان تاجروں نے غیر ملکی تجارت میں بھی اہم فرائض سرانجام دیے۔ غیر ممالک میں تاجروں کی ادائیگی کے لیے تحریری اجازت نامے دیے۔ انہی اجازت ناموں نے بعد میں ہنڈی اور بنک ڈرافٹ کی شکل اختیار کر لی۔

مہاجن

بنک کے ابتدائی ارتقاء کی ایک کڑی مہاجن بھی تھے جو ضرورت مند افراد کو ادھار دیتے تھے۔

Marfat.com

جب ان کا کاروبار وسیع ہوا تو پھر انھوں نے سرمایہ قرض دینے کے لیے ان لوگوں سے بھی ادھار لینا شروع کر دیا جن کے پاس فالتو رقم ہوتی تھی۔ مہاجن ان کو کم شرح سود ادا کرتے تھے اور قرض لینے والے افراد سے زیادہ شرح سود وصول کرتے۔ اس طرح مہاجن نفع کماتے، جدید زمانہ میں بنکوں کے دو بنیادی فرائض یعنی امانتیں وصول کرنا اور قرض دینا مہاجنوں کے کاروبار کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

قرون وسطیٰ تک سودی کاروبار پر یہودی مہاجنوں کی اجارہ داری قائم تھی۔ اس دور میں عیسائی ساہوکاروں نے یہودیوں کی اجارہ داری توڑنے کی کوشش کی مگر انھیں چنداں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ مالی امور میں جو دسترس یہودی ساہوکاروں کو حاصل تھی وہ عیسائی ساہوکاروں کو حاصل نہ ہو سکی۔

بنکاری امور میں وینس اور جینوا کے ساہوکاروں کو خاص دسترس حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ وہاں کے بنک صحیح معنوں میں جدید بنکاری کے پیشوا ثابت ہوئے۔ وینس کے ساہوکار اپنے امانت داروں کو ان کی امانتوں کی رسیدیں بھی دیا کرتے تھے۔ چودھویں اور پندرھویں صدی میں امانت داروں کو اپنے حسابات میں سے زائد رقم لینے کی اجازت تھی۔ اگرچہ اسے مستحسن نہیں سمجھا جاتا تھا۔

۱۳۵۶ء میں سرکاری بنک قائم کرنے کی تجویز ہوئی جو سرکار کے لیے مفت خدمات سرانجام دے تاکہ حکومت کو اپنے مالی امور کے لیے نجی بنکوں کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ اس بنک کے اخراجات سرکاری خزانے سے پورے کیے جاتے تھے۔ جنگی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے یہ بنک حکومت کو قرضے بھی دیتا تھا۔ محدود مالی وسائل کی وجہ سے یہ بنک حکومت کے جنگی اخراجات پورے نہ کر سکا۔

بنک آف امسٹرڈم ۱۶۰۹ء میں قائم ہوا...... بنک آف فرانس ۱۸۱۰ء میں قائم کیا گیا۔ یورپ میں مشترکہ سرمایہ کی انجمن کی شکل میں سب سے پہلے بلجیم نے ۱۸۲۲ء میں بنک قائم کیا۔ بنک آف فیدرلینڈ ۱۸۱۴ء اور بنک آف سویڈن ۱۶۰۸ء میں قائم ہوئے۔ روس میں بنکاری ۱۷۶۸ء میں شروع ہوئی جبکہ کیتھرائن نے ماسکو میں دو بنک قائم کیے۔ روس کا سٹیٹ بنک البتہ ۱۸۶۰ء میں قائم ہوا۔ ہندوستان میں پہلا جائنٹ سٹاک بنک جس کا نام بنک آف ہندوستان تھا۔ ۱۷۷۰ء میں قائم ہوا۔

نظر ثانی بنک کی قسمیں

دور جدید میں تخصیص کار کی وجہ سے بنک کئی قسموں میں منقسم ہو چکے ہیں۔ ہر بنک کسی خاص شعبے میں تخصیص حاصل کر لیتا ہے اور ان کی تقسیم بھی ان ہی مخصوص فرائض کی بناء پر کی جاتی ہے۔ ذیل کی سطور میں اختصار کے ساتھ بنکوں کی قسموں پر بحث کی گئی ہے۔

(۱) تجارتی بنک (Cummercial Bank)

تجارتی بنک جائنٹ سٹاک کمپنی (Joint Stok Company) یعنی مشترکہ سرمایہ کی

انجمنیں جس کے حصہ داروں کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے۔ یعنی نقصان کی صورت میں حصہ دار صرف اپنے حصے (Share) کی مالیت کی حد تک ذمہ دار ٹھہرائے جاسکتے ہیں۔ تجارتی بنک اندرونی اور بیرونی تجارت کو مالیات فراہم کرتے ہیں۔ ملکی اور بدیشی ہنڈیوں پر بٹہ لگاتے ہیں۔ لوگوں سے امانتیں وصول کرتے ہیں اور ضرورت مندوں کو قرضے فراہم کرتے ہیں۔ یہ خود بھی براہ راست نجی کاروبار اور سرکاری تمسکات میں سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ انتقال زر اور قیمتی دھاتوں اور دستاویزات کے تحفظ کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ ملکی قوانین اور مرکزی بنک کے احکامات کے طابق مدتی اور طلبی امانتوں کا طے شدہ حصہ مرکزی بنک میں جمع کرانے کے پابند ہوتے ہیں۔ یہ اپنی امانتوں سے زیادہ قرض بھی دیتے ہیں جسے تخلیق زر کہا جاتا ہے۔ پاکستان میں ایسے بنکوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن بنکوں کا ادا شدہ سرمایہ ۵ لاکھ یا ۵ لاکھ روپے زیادہ ہوا نہی فہرستی بنک (Scheduled Bank) کہا جاتا ہے۔

(۲) صنعتی بنک

یہ بنک صنعتی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ صنعتوں کو درمیانے اور طویل عرصے کے قرضے فراہم کرتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی صنعتی اور اقتصادی ترقی صنعتی بنکوں کی بھی مرہون منت ہے جن میں جرمنی، برطانیہ، امریکہ اور جاپان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کامیابی کے پیش نظر اقتصادی طور پر پسماندہ ممالک بھی صنعتی ترقی کے لیے ایسے اداروں کا قیام اور فروغ کو خاص اہمیت دے رہے ہیں۔ پاکستان میں بھی صنعتی ترقیاتی بنک اور صنعتی قرضہ اور سرمایہ کاری کی کارپوریشن صنعت کاروں کو طویل اور درمیانے عرصے کے لیے حوصلہ افزا شرائط پر قرضے فراہم کرتی ہے۔ قرضے دینے کے علاوہ یہ بنک صنعت کاروں کو فنی مشاورتی خدمات بھی فراہم کرتا ہے۔

(۳) زرعی بنک

زراعتی بنک کا بنیادی مقصد زرعی انقلاب برپا کرنے کے لیے زراعت پیشہ لوگوں کو آسان شرائط پر قرضے فراہم کرنا ہوتا ہے تاکہ کاشتکار کو قرضے کے حصول میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ کاشتکار کو بیج، کیمیائی کھاد، آلات کاشتکاری اور مویشیوں کی خرید کے علاوہ آبپاشی کے لیے ٹیوب ویل کی تنصیب اور سیم وتھور سے متاثرہ زمینوں کو قابل کاشت بنانے کے لیے ایسے آسان اور سستے قرضوں کی ضرورت ہوتی ہے جو عام تجارتی بنک فراہم نہیں کر سکتے لہٰذا خالص زرعی بنک قائم کیے جاتے ہیں۔ پاکستان میں بھی اس مقصد کے لیے زرعی ترقیاتی بنک اور زرعی ترقیاتی کارپوریشن قائم ہے جو زرعی ترقی میں کارہائے نمایاں سرانجام دے رہی ہے۔

Marfat.com

(۴) مبادلہ کے بنک

مبادلہ کے بنک غیر ملکی زر مبادلہ کا لین دین کرتے ہیں۔ یہ غیر ملکی ہنڈیوں اور ڈرافٹوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں اور اس طرح بین الاقوامی ادائیگیوں کے لیے سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔ آج کل چونکہ اکثر ممالک نے مبادلات خارجہ پر کنٹرول نافذ کیا ہوا ہے اس لیے ہر بنک کو زر مبادلہ کے لین دین کی اجازت نہیں ہوتی۔ مرکزی بنک کی باقاعدہ اجازت سے چند ایک بنکوں کو ہی زر مبادلہ کے لین دین کی اجازت ہوتی ہے۔ پاکستان میں بھی زر مبادلہ پر کنٹرول رائج ہے۔ لہٰذا سٹیٹ بنک کی اجازت سے چند پاکستانی بنکوں کو مبادلات خارجہ کا لین دین کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

بچت کے بنک

تجارتی بنک اپنے امانت داروں سے امانتیں جمع کرانے اور نکلوانے کے متعلق بڑی سختی سے اپنے ضابطوں پر پابندی کراتے ہیں جن سے چھوٹی بچتیں کرنے والے افراد کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قلیل بچتوں کو پیداواری مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی غرض سے آج کل عام تجارتی بنکوں نے بھی اپنے ہاں چھوٹی بچتوں کے لیے ایک خاص شعبہ قائم کر لیا ہے جہاں امانتداروں کو شرح سود بھی ادا کیا جاتا ہے اگرچہ یہ شرح سود مدتی امانتوں پر ملنے والے شرح سود سے کم ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں بچت کے علیحدہ بنک قائم ہیں۔ پاکستان میں بچت کے بنک پوسٹ آفس میں قائم کیے گئے تھے جہاں بہت ہی قلیل رقم سے حساب کھولا جا سکتا ہے اور ہفتہ میں دو مرتبہ امانتیں واپس بھی لی جا سکتی ہیں۔ پاکستان میں ایسے بنکوں کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ ملک کی ۸۵ فیصد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔ جہاں جدید بنکاری کی سہولتیں فراہم نہیں چنانچہ ایسے علاقوں میں عوام کو بچت کی سہولتوں کی فراہمی کے لیے ڈاکخانوں کا وجود بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اب پاکستان میں بھی قومی بچت بنک کام کر رہے ہیں۔

سرمایہ کاری کے بنک

سرمایہ کاری کے بنک عموماً کاروباری تنظیموں کے حصص، کفالتیں اور تمسکات خرید کرانے کے لیے سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ یہ سرمایہ کاری کے علاوہ امانتیں وصول کرنے کا کاروبار بھی کرتے ہیں۔ امریکہ میں سرمایہ کاری کے بنک کثیر تعداد میں موجود ہیں اور جاپان کی اقتصادی ترقی تو بہت حد تک ایسے اداروں کے فعال کردار کے مرہون منت ہے۔ پاکستان کو بھی اپنی اقتصادی ترقی کے لیے ایسے ہی ادارے کے قیام کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ پاکستان میں صنعتی قرضہ اور سرمایہ کاری کی کارپوریشن کے نام سے ایسا ادارہ قائم کیا گیا۔ اس کے قیام میں حکومت پاکستان کے علاوہ سٹیٹ بنک، عالمی بنک، عالمی ترقیاتی ایجنسی، برطانیہ، امریکہ، جاپان اور پاکستان کے نجی، سرمایہ داروں نے بھرپور حصہ لیا۔ اس کا منظور شدہ سرمایہ ۱۵۰

Marfat.com

کروڑ روپے ہے۔ کل سرمایہ کا ۶۰ فیصد پاکستان کے نجی سرمایہ کاروں اور ۴۰ فیصد برطانیہ، جرمنی، امریکہ اور جاپان کے سرمایہ کاروں اور عالمی مالی کارپوریشن نے فراہم کیا۔ حکومت پاکستان نے اسے ۷ کروڑ روپے کا طویل المیعاد قرضہ دیا۔

صارفین کے بنک

ایسے بنکوں کے قیام کا بنیادی مقصد صارفین کو روزمرہ ضروریات کی خرید کے لیے سستے قرضے فراہم کرنا ہوتا ہے۔ ان قرضوں کی ادائیگی یک مشت یا قسط وار عموماً ماہوار ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے بنک امانتیں وصول کرنے اور قرضہ کی سہولتیں فراہم کرنے کے علاوہ تمسکات اور کفالتوں کی فروخت سے بھی سرمایہ اکٹھا کرتے ہیں۔ اگر صارفین کی قرضوں کی طلب شدید ہو تو بنک دوسرے مالی اداروں سے بھی قرض لے لیتا ہے۔ اس قسم کے بنک امریکہ میں کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں پاکستان میں صارفین کی روزمرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کوئی بنک نہیں۔

رہن بنک

رہن بنک منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد مثلاً مکان، زمین اور قیمتی زیورات وغیرہ رہن رکھ کر ضرورت مند افراد کو قلیل اور درمیانے عرصے کے لیے قرض دیتے ہیں۔ ایسے قرضے عموماً غیر ترقیاتی مقاصد کے لیے جاتے ہیں۔ پاکستان میں اکثر تجارتی بنک ہی قیمتی اشیاء گروی رکھ کر قرضے دیتے ہیں۔ ان میں نیشنل بنک آف پاکستان خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ لاہور کا ساہوکارہ بنک خاص طور پر اسی مقصد کے لیے قائم کیا گیا تھا۔

امداد باہمی کے بنک

امداد باہمی کا بنک عموماً امداد باہمی کی قرضہ کی انجمنوں (Societies) کو قرض دیتے ہیں۔ جو کاشتکاروں کو کیمیائی کھاد، بیج، آلات کاشتکاری، ٹیوب ویل اور مویشیوں کی خرید کے لیے امداد دیتی ہے۔ پاکستان میں ہر ضلع کے صدر مقام پر ایک مرکزی امداد باہمی کا بنک قائم ہے جو ضلع میں بالواسطہ طور پر کاشتکاروں کی مالی ضرورتوں کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے جو مرکزی امداد باہمی کے بنکوں کی نگرانی کے علاوہ ان کی مالی ضروریات کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے یہ بنک زرعی ترقی کے علاوہ گھریلو صنعتوں کے قیام اور فروغ کے لیے بھی قرض دیتا ہے۔

مرکزی بنک (State bank)

مرکزی بنک کا کردار ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک طرف ملک کے

Marfat.com

بنکوں کے لیے محور ہوتا ہے دوسری طرف ریاست کے لیے مالیاتی فرائض ادا کرتا ہے۔

بنکوں کے لیے مرکزی حیثیت

۱۔ مرکزی بنک ملکی بنکوں کے مفادات کے تحفظ اجتماعی مصالح اور ان کے کاروباری اقدامات کو اپنی طے شدہ پالیسیوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے مشورہ دیتا ہے۔

۲۔ ہر بنک ۱۰ فیصد محفوظ سرمایہ میں سے ۵ فیصد مرکزی بنک میں جمع کرائے گا اور یہ فنڈ بطور قرضہ حسنہ ہوگا۔

۳۔ ہر بنک اپنے مضاربت کے حساب دار کے کھاتوں میں سے جو صاحب نصاب ہوں گے۔ اڑھائی فیصد زکوٰۃ کی کٹوتی کر کے مرکزی بنک میں منتقل کرے گا۔ جس کی اطلاع ضلعی کلکٹو زکوٰۃ کو بھی دی جائے گی۔ یہ زکوٰۃ حکومت قرآن مجید کے بتائے ہوئے آٹھ مدات میں خرچ کرے گی۔

۴۔ مرکزی بنک یہ ضابطہ بنائے گا کہ ہر بنک پر یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنے قرض کھاتہ میں جمع شدہ رقم کا ۵۰ فیصد غیر سودی قرض دینے کے لیے آمادہ رہے۔ اس کے صلے میں اس کا اختیار ہوگا کہ وہ کھاتے کا ۴۰ فیصد نفع آور منصوبوں میں لگا سکے اور ۱۰ فیصد نقد زر کے طور پر محفوظ رکھے۔ اس سے سرمایہ کی گردش تیز ہو جائے گی۔ اور ملکی معیشت کو ترقی ہوگی اور رقم بھی بنک کے پاس موجود رہے گی۔

۵۔ مرکزی بنک کا یہ بھی فرض ہوگا کہ وہ تجارتی بنکوں کو زر نقد یا عارضی طور پر کام چلانے کے لیے قرض دے لیکن یہ قرض تجارتی بنک کے قرض دیے ہوئے سرمایوں اور بل آف ایکسچینج یعنی بھنائی ہوئی ہنڈیوں کے عوض دیا جائے گا۔ مثلاً اگر ایک تجارتی بنک کی بھنائی ہوئی ہنڈیوں اور اس کے دیے ہوئے قرضوں کی مقدار ایک کروڑ ہے تو ان کی سند پر مرکزی بنک تجارتی بنک کو پچیس یا تیس لاکھ نقد آسانی سے اور بغیر کسی خطرہ کے قرض دے سکتا ہے۔ اس نقد قرض کا منشا صرف تجارتی بنک پر عوام کی جانب سے نقد مطالبات کو پورا کرنا ہے تاکہ تجارتی بنک کی ساکھ عوام میں قائم رہے۔ تجارتی بنک اس قرض کو اپنے کاروبار کی توسیع میں نہیں لگا سکتا۔ یہ قرض عارضی ہوگا۔

۶۔ مرکزی بنک کسی بنک یا متعلقہ کارخانہ یا مالیاتی ادارہ کے حسابات کسی وقت بھی پڑتال کر سکے گا۔

۷۔ مرکزی بنک ضروری معلومات کی فراہمی، اعداد و شمار کی اشاعت اور بنکوں اور کاروباری اداروں کی معیشت کی مجموعی صورت حال سے باخبر رکھتا ہے۔

۸۔ بنکوں پر کنٹرول رکھنے کے لیے مرکزی بنک عام بنکوں کے ساتھ مشورہ اور تبادلہ خیال جاری

Marfat.com

رکھے گا تاکہ بنکوں کی مالی پوزیشن مرکزی بنک پر واضح رہے۔
ان ضوابط کے ذریعہ مرکزی بنک عام بنکوں کے کاروبار اور زر کی رسد کو قابو میں رکھے گا۔

ریاست کے لیے مرکزی حیثیت

۱۔ مرکزی بنک حکومت کے مختلف محکموں کے حسابات رکھتا ہے عوام سے حکومت کے ٹیکس وصول کرتا ہے۔
۲۔ حکومت کو ملازمین اور دوسرے اخراجات کے لیے زر نقد مہیا کرتا ہے۔
۳۔ حکومت کے لیے قرضوں اور ادائیگی کا کام کرتا ہے۔
۴۔ حکومت کو غیر ملکی کرنسی مہیا کرتا ہے جو اسے بیرونی تجارت کے لیے درکار ہوتی ہے۔
۵۔ حکومت کو مالی امور کے بارے میں اہم مشورے دیتا ہے۔
۶۔ مرکزی حکومت سونا چاندی کے محفوظ ذخیرہ کے بعوض نوٹ جاری کرتا ہے۔

بنکوں کے فرائض

۱۔ امانتیں وصول کرنا

امانتوں کی وصولی کے بغیر کوئی بنک اپنے فرائض انجام دے ہی نہیں سکتا اور نہ وہ قائم رہ سکتا ہے۔ بنک کو عوام کی پس انداز کی ہوئی رقم وصول کرتا ہے اور جمع شدہ امانتیں حسب ضرورت چیکوں کے ذریعے واپس بھی نکلوائی جاسکتی ہیں۔ چونکہ امانتوں سے ہی بنک کے کاروبار کو چار چاند لگتے ہیں۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ امانتیں حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کرتا ہے اور اپنے امانت داروں کو زیادہ سے زیادہ سہولتوں کی پیش کش کرتا ہے۔ بنک میں رکھی جانے والی کچھ امانتیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں امانت دار بغیر نوٹس کسی وقت بھی بنک سے واپس لے سکتا ہے۔ ایسی امانتوں کو طلبی امانتیں کہا جاتا ہے۔ یہ امانتیں سیال حالت میں پڑی رہتی ہیں بنک نہ تو انھیں ادھار دے سکتا ہے اور نہ ہی کسی جگہ سرمایہ کاری کر سکتا ہے۔ اس لیے بنک عموماً ان امانتوں پر کوئی سود ادا نہیں کیا کرتا۔ دوسری مدتی امانتیں ہوتی ہیں جو ایک معینہ مدت کے لیے بنک میں رکھی جاتی ہیں۔ اس مدت سے پہلے بلا نوٹس انھیں واپس لینے کا امانت دار کو کوئی اختیار نہیں ہوتا چونکہ بنک کو معینہ مدت تک کے لیے ایسی امانتوں پر اعتماد ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ انھیں بلا حیل و حجت کسی کاروبار میں لگا کر یا قرضدار کو قرض دے کر منافع کماتا ہے۔ طویل مدت کے لیے زیادہ شرح سود دیا جاتا ہے جبکہ کہ قلیل عرصہ کے لیے کم۔

۲۔ قرض دینا

اپنے اور اپنے امانت داروں کے لیے منافع کمانا بنک کے بنیادی مقاصد میں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا بنک جمع شدہ امانتوں کا کچھ حصہ امانت داروں کی ضرورتوں کے لیے رکھ کر باقی ضرورت مندوں کو سود پر قرض دے دیتا ہے۔ وہ خود بھی نفع بخش کاروبار میں سرمایہ کاری کرتا ہے۔ امانت داروں کے لیے نقد زر رکھتے وقت بنک بہت احتیاط سے کام لیتا ہے۔ اگر زیادہ رقم سیال حالت میں رکھی جائے تو بنک کے منافع کمانے کے امکانات محدود ہو جاتے ہیں۔ مگر کم زر نقد بنک کی ساکھ اور اعتماد کو تباہ کرنے کا موجب بھی بن سکتا ہے۔ امانت دار جب بھی رقم واپس لینے آئے تو بلا حیل وحجت رقم ملنی چاہیے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ بنک امانتوں کو کاروبار میں لگاتا ہے یا نہیں۔ بنک کی جانب معمولی سی پس وپیش اس کے دیوالیہ ہو جانے کا موجب بن سکتا ہے۔

قرض دیتے وقت بنک شخصی یا منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کی ضمانت بھی لیتا ہے۔ سونا چاندی، تمسکات اور کفالتوں کی ضمانت پر بھی قرض مل جاتا ہے۔

کچھ قرض بوقت ضرورت واپس بھی طلب کیے جا سکتے ہیں جنھیں طلبی قرضے (Demondloan) کہتے ہیں۔ بعض قرضے ۳۰ سے ۹۰ ایام کے لیے ہوتے ہیں انھیں قلیل عرصہ کے قرضے کہا جاتا ہے بعض قرضے لمبے عرصہ مثلاً ایک سال سے ۲۰ سال تک کے لیے ہوتے ہیں انھیں طویل عرصہ کے قرضے (Long Termloans) کہتے ہیں۔ چونکہ عرصہ کی طوالت کی وجہ سے قرض کی واپسی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں اس لیے طویل عرصہ کے قرضوں پر شرح سود زیادہ اور قلیل عرصہ کے قرضوں پر کم شرح سے سود وصول کیا جاتا ہے۔

بنک تخلیق زر بھی کرتا ہے مثلاً ایک شخص ندیم بنک سے ایک لاکھ روپیہ قرض مانگتا ہے بنک ضمانت لے کر اور دیگر امور میں اپنی تسلی کر لینے کے بعد اسے نقدی کی صورت میں ایک لاکھ روپیہ نہیں دے گا۔ بلکہ ندیم کے نام بنک میں ایک فرضی حساب کھول کر اسے پاس بک اور چیک بک دے کر اس رقم میں سے حسب ضرورت رقم نکلوانے کا اختیار دے دے گا۔ اگرچہ قرضدار قرض کی رقم یک مشت نہیں نکلواتا بلکہ تھوڑی تھوڑی کر کے نکلواتا ہے اور رقم کا بیشتر حصہ ایک عرصے تک بنک میں پڑا رہتا ہے۔ اس کے باوجود ندیم کو ایک لاکھ روپے پر ہی سود ادا کرنا پڑے گا۔

بنک اپنے امانت داروں کو ان کی جمع شدہ امانتوں سے زائد رقم کا چیک جاری کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ جسے (Over Draft) کہتے ہیں۔ کاروباری افراد اپنی ضرورتیں عموماً اسی طرح پوری کرتے ہیں۔

Marfat.com

ہنڈیوں پر بٹہ لگانا

ہنڈیوں پر بٹہ لگانا بھی بنک کے اہم ترین فرائض میں سے ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور جرمنی جیسے ترقی یافتہ ممالک میں اکثر لین دین نقدی کی بجائے آلات اعتبار سے ہوتا ہے۔ ان آلات اعتبار میں ہنڈی ایک اہم ترین آلہ اعتبار ہے۔ جس کے بغیر بین الاقوامی تجارت چل ہی نہیں سکتی۔ برآمد کنندہ اشیاء برآمد کر کے درآمد کنندہ کے نام شے کی مالیت کے متعلق جو حکمنامہ لکھتا ہے۔ اسے بدیشی ہنڈی کہا جاتا ہے۔ جب درآمد کنندہ اس ہنڈی کی پشت پر رقم کی تصدیق کر دیتا ہے تو اس کی حیثیت قانونی دستاویز کی سی ہو جاتی ہے اور یہ قابل بیع وشراء بھی ہو جاتی ہے۔ برآمد کنندہ اس ہنڈی کو ۹۰ آیام تک اپنے پاس رکھتا ہے کیونکہ اس سے پہلے وہ درآمد کنندہ سے رقم کا مطالبہ کرنے کا مجاز نہیں ہوتا لیکن کوئی تاجر بھی کاروباری ضرورتوں کے پیش نظر اپنی رقم کو بلاک نہیں کرتا۔ وہ بنک سے اس پر بٹہ لگوا لیتا ہے۔ بنک مروجہ شرح سود کے مطابق باقی ماندہ مدت یا سود کاٹ کر باقی رقم برآمدی تاجر یا ہنڈی پیش کرنے والے کو ادا کر دیتا ہے گویا بنک نے ہنڈی پیش کرنے والے کو ایک معینہ مدت کے لیے قرض دیا۔ اگر بنک کو بھی کسی وقت پیسے کی ضرورت پڑے تو وہ اس ہنڈی پر مرکزی بنک سے دوبارہ بٹہ لگوا کر اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے۔

انتقالِ زر

بنک زر کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک بحفاظت منتقل کرنے کی سہولتیں فراہم کر کے کمیشن کماتا ہے۔ یہ منتقلی اندرون اور بیرون ملک دونوں میں ہو سکتی ہے۔ ایسی منتقلی سے رقم کے کھو جانے یا ضائع ہونے کا احتمال ختم ہو جاتا ہے۔ کاروباری لوگ عموماً سفر سے پہلے اپنی رقم کسی بنک میں جمع کروا کے وہاں سے ڈرافٹ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اپنی منزل پر پہنچ کر بحفاظت اپنی رقم وصول کر لیتے ہیں۔

دیگر خدمات

بنک اپنے گاہکوں کے لیے مختلف امور میں بطور ایجنٹ بھی کام کرتا ہے۔ وہ اپنے گاہکوں کی تنخواہوں کی وصولی، بیمہ کی قسطوں کی ادائیگی، حصص، تمسکات اور کفالتوں کی فروخت کا کام بھی کرتا ہے وہ ان کا مختار عام اور مالی مشیر بھی ہو سکتا ہے۔ ان کی قیمتی اشیاء مثلاً سونا چاندی، ہیرے، جواہرات کے لیے لاکر کی خدمات مہیا کرتا ہے۔ اندرون اور بیرونی ملک کے لیے سفری چیک جاری کرتا ہے۔ سہولت کے لیے اعتباری مرقع (Lette of Credit) جاری کر کے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ برآمدی تاجر کو وقت پر رقم کی ادائیگی کا بندوبست کرے گا۔ وہ اپنے گاہکوں کی وصیتوں پر عمل درآمد بھی کراتا ہے۔ ان تمام مفید اور کارآمد خدمات کے عوض بنک اپنے گاہکوں سے معمولی سا معاوضہ وصول کرتا ہے۔

Marfat.com

بنک کی اہمیّت

دور جدید اقتصادی دور کہلاتا ہے۔ جس میں سرمایہ کا وجود اتنا ہی اہم ہے جتنا انسانی جسم میں خون کی گردش، جسم کو توانا اور صحت مند رکھتی ہے۔ اسی طرح سرمایہ کی گردش معیشت کو جاندار بناتی ہے، سرمایہ کی افزائش نجی بچتوں کی مرہون منت ہے۔ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ پس انداز پر آمادہ کرنا اقتصادی ترقی کے لیے راہیں ہموار کرنے میں ممد ثابت ہوتا ہے۔ سرمایہ میں قومی وسائل کو بروئے کار لا کر قومی دولت کو بڑھایا جا سکتا ہے اور عوام کا معیار زندگی بلند کیا جا سکتا ہے پس اندازی کے علاوہ سرمایہ کاری بھی معاشی خوشحالی کے لیے لازمی ہے۔ سرمایہ کاری سے قومی آمدنی میں اضافہ کے علاوہ بے روزگاری میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔ بنک کا یہی کردار ہے۔ یہ ملک کے گوشے گوشے میں شاخیں کھولتا ہے اور نشر و اشاعت کے ذریعے لوگوں میں پس اندازی کی خواہش اور جذبہ کو ابھارتا ہے۔ لوگوں کی بچتیں آجرین کو پیداواری مقاصد کے لیے فراہم کرتا ہے۔ تاکہ سرمایہ کاری کر کے پیدائش دولت کو تقویت دے سکیں اور روزگار کے مواقع پیدا کر سکیں جس سے بے روزگاری کا سدباب ہوتا ہے۔ اگر بنک کا وجود نہ ہوتا تو لوگ حسب عادت اور حسب ضرورت پس انداز تو کرتے۔ مگر انھیں یہ علم نہ ہوتا کہ وہ اپنی بچتوں کو محفوظ رکھنے کے علاوہ انھیں کس طرح پیداواری مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سرمایہ کاری کرنے والے تو موجود ہوتے مگر انھیں ان ذرائع کا علم نہ ہوتا۔ جہاں سے آجرین اپنی ضرورت کا سرمایہ حاصل کر سکیں۔ بنک دونوں فریقوں کو اکٹھا کر کے معاشی ترقی کا باعث بنتا ہے۔

اقتصادی ترقی کا انحصار سرمایہ کی فراہمی پر ہے اور بنک سرمایہ کا منبع ہوتا ہے۔ پسماندہ ممالک میں سرمایہ کی قلت کی بڑی وجہ وہاں کا پسماندہ نظام بنکاری ہے جو نہ تو پس اندازی کے جذبہ کو ابھارتا ہے اور نہ آجرین کو سرمایہ کاری کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ ان ممالک میں قومی دولت کو صرف ۵ سے ۷ فیصد تک ہی پس اندازہ کیا جاتا ہے جو اقتصادی ترقی کے لیے بہت ہی کم ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں قومی دولت کا ۲۰ سے ۲۵ فیصد پس انداز کر لیا جاتا ہے۔

بنک صرف سرمایہ ہی فراہم نہیں کرتا بلکہ یہ دھاتی زر کے استعمال میں کفالت بھی کرتا ہے اور تسکیک کے مصارف سے نجات دلاتا ہے۔ آلات اعتبار یعنی چیک، ڈرافٹ، ہنڈی وغیرہ کے استعمال سے دھاتی زر کا استعمال کم ہو جاتا ہے۔

بنک اقتصادی ترقی کے علاوہ معاشی بحران میں متزلزل معاشی نظام کو سہارا دیتا ہے۔ آجرین کو سرمایہ فراہم کر کے انھیں سرمایہ کاری پر آمادہ کرتا ہے جس سے کاروباری سرگرمیاں تیز ہو جاتی ہیں۔ کساد بازاری میں مالی امداد ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ثابت ہوتی ہے اور اس طرح معیشت مکمل بربادی اور تباہی سے بچ جاتی ہے۔

Marfat.com

سرمایہ کی نقل پذیری میں بھی بنک کے کردار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کم منفعت بخش کاروبار سے سرمایہ زیادہ منفعت بخش کاروبار میں منتقل کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اس طرح سرمایہ اپنے بہترین مصرف میں آ جاتا ہے۔

بنک بین الاقوامی اور اندرونی تجارت کو سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ بدیشی ہنڈیوں پر بٹہ لگا کر تاجروں کو بوقت ضرورت سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ ملکی سرمایہ کی حفاظت کرتا ہے۔ صنعتی اور تجارتی جدوجہد کو تیز کرتا ہے اور قومی فلاح و بہبود کا باعث بنتا ہے۔ مختصر یہ کہ قومی خوشحالی اور اقتصادی ترقی کے لیے بنک کا وجود ناگزیر ہے کیونکہ یہ ملک کی تجارتی، صنعتی، زرعی اور معاشی ترقی میں کارہائے نمایاں سرانجام دیتا ہے۔

بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے کا مسئلہ

موجودہ سیاسی حالات میں بنکوں اور بیمہ کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لینے کا مسئلہ زیر بحث رہتا ہے۔ قومیانے کا مسئلہ اتنا آسان اور سادہ بھی نہیں کہ اسے بغیر سوچے سمجھے اپنا لیا جائے۔

بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے کے حق میں اور اس کی مخالفت میں بہت سے دلائل دیے جاتے ہیں۔ ذیل میں ان کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا جاتا ہے۔

بنکوں کو قومی تحویل میں لینے کے دلائل

(الف) بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے سے حکومت کے وسائل آمدنی وسیع ہو جائیں گے۔ وہ تمام منافع جو بنک کے حصہ داروں اور بنک کے ڈائریکٹروں کی نذر ہو جاتا ہے وہ حکومت کے خزانے میں آئے گا۔ جس سے حکومت کو وسیع مالی وسائل کی مدد سے اپنے ترقیاتی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں مدد ملے گی اور معاشرتی انصاف کے حصول کے لیے دولت کی تقسیم منصفانہ ہوگی اور طبقاتی تفریق کم سے کم ہوتی جائے گی۔

(ب) بنک قومیانے سے ملک کے مادی اور مالی وسائل کو اقتصادی ترقی کے حصول کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ نجی بنک کی نسبت سرکاری بنک پر عوام کا زیادہ اعتماد ہوتا ہے۔ وہ نجی پس اندازی کی حوصلہ افزائی کریں گے اور زیادہ بچتیں بنکوں میں جمع کرائی جائیں گی مثلاً نیشنل بنک کے پاس تمام دوسرے بنکوں کی مجموعی امانتوں کا ۲۶ فیصد ہے۔ جس سے اس سرکاری بنک کی امتیازی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔

اس بنک نے چھوٹی چھوٹی نجی بچتیں کھینچنے کے لیے سکولوں اور کالجوں کے طلباء کے لیے خاص بچت حساب شروع کر رکھے ہیں۔ اسی طرح صنعتی مزدوروں میں بچت کی عادت ڈالنے کے لیے مختلف کارخانوں میں بنکاری کی سہولتیں فراہم کی ہوئی ہیں۔

Marfat.com

(ج) بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے سے قرضوں کی تقسیم منصفانہ ہو جائے گی۔ جس سے چھوٹے چھوٹے صنعت کار زیادہ مستفید ہوں گے۔ جب گھریلو صنعتوں اور زراعت کو خاص طور پر قرضے کی سہولتیں ملیں گی۔ جن سے اب تک یہ محروم ہیں۔ عام بنک معاشرتی فلاح و بہبود کے لیے قرض نہیں دیتے۔ قومی ملکیت میں آ جانے کے بعد معاشرتی فلاح و بہبود کا شعبہ خاص طور پر مستفید ہوگا۔ پاکستان میں ۸۹ فیصد بچتیں چھوٹی چھوٹی پس انداز کی ہوئی رقوم کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ مگر چھوٹے تاجر اور صنعت کاروں کا کل قرضوں میں حصہ بمشکل ۱۰ فیصد ہے۔ بڑے بڑے صنعت کاروں اور تاجروں کا بچتوں میں حصہ انتہائی قلیل ہے۔ مگر قرضوں میں ان کا حصہ انتہائی کثیر ہے اس بنا پر بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے کی دلیل پسماندہ ملک میں سب سے وزنی تصور کی جاتی ہے کیونکہ اس صورت حال نے دولت کے ارتکاز میں مدد دی ہے۔ قومی دولت کا ۸۰ فیصد صرف ۲۲ خاندانوں میں مرتکز ہو چکا ہے جو اقتصادی نقطہ نگاہ سے بہت تشویشناک ہے۔ ان خاندانوں نے نہ صرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رکھا ہے بلکہ سیاست پر بھی ان کا گہرا اثر و رسوخ ہے۔

(د) نجی بنکاری میں ایک فرد کئی کئی کاروباری اداروں اور بنکوں کا ڈائریکٹر ہوتا ہے جس سے دولت کے ارتکاز میں اور بھی مدد ملتی ہے۔ ٹیکسوں کی ادائیگیوں سے گریز اور ڈائریکٹروں کو قرضوں کی فراہمی نے بیشمار برائیوں کو جنم دیا ہے۔ اگر بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے تو یہ تمام خرابیاں دور ہو سکتی ہیں۔

(ر) نجی بنکاری نے غیر صحت مند مقابلہ کو جنم دیا ہے۔ جس سے قومی ضیاع ہوتا ہے مثلاً حبیب بنک اور یونائیٹڈ بنک کے مقابلہ کی وجہ سے ان کے عمارات، عملہ، نشر و اشاعت وغیرہ پر اخراجات میں بے حد اضافہ ہو چکا ہے۔ جس جگہ حبیب بنک کی شاخ موجود ہو وہاں یونائیٹڈ بنک کی شاخ بھی ضرور ملے گی۔ اگر بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے تو کسی ایک جگہ پر مختلف بنکوں کی شاخیں ہونے کی بجائے انھیں دیہی علاقوں میں پھیلایا جا سکتا ہے۔ جس سے ملک کو بحیثیت مجموعی زیادہ فائدہ پہنچے گا۔

(ز) بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لینے سے حکومت کو سرمایہ کی منڈی پر مکمل کنٹرول حاصل ہو جائے گا۔ اس سے حکومت ہر شعبے کی ترقی کے لیے یکساں طور پر کوشاں نظر آئے گی اور حکومت کو اپنی مالی پالیسیاں کامیابی سے نافذ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ بنک چونکہ تخلیق زر کر سکتے ہیں۔ اس لیے اس اہم کام کو نجی بنکوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔

قومی تحویل میں نہ لینے کے دلائل

(الف) اگر بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا تو حصہ داروں کو ان کے حصص کی مالیت کے برابر

Marfat.com

معاوضہ ادا کرنے کی ضرورت پیش آئے گی جو ترقی پذیر ممالک کی معیشت پر بارگراں ثابت ہوگا۔ معاوضہ کے بانڈز پر ادا ہونے والا سود اس منافع سے کہیں زیادہ ہوگا۔ جو حکومت کو قومیانے کی صورت میں حاصل ہوگا۔

(ب) بنک کو قومیانے سے اقتصادی ترقی کی رفتار میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ ہے۔ موجودہ صورت حال میں ہر بنک مقامی حالات اور انفرادی ضروریات کے مطابق قرض فراہم ہوتا ہے، اس میں لچک پائی جاتی ہے جو معاشی نقطہ نگاہ سے بہتر ہے۔ قومی ملکیت میں لیے جانے کے بعد یہ لچک ختم ہو جائے گی اور ایک یکساں مالی پالیسی اختیار کرنی پڑے گی، جس سے مقامی حالات اور انفرادی ضروریات کو نظر انداز کرنا پڑے گا اور جو اقتصادی ترقی کی شرح کو ست کر دے گا۔

(ج) سرکاری دفاتر میں رشوت ستانی اور کنبہ پروری کا دور دورہ ہے۔ سرخ فیتہ اس کا خاصہ ہے۔ استعدادِ عمل ناپید ہے۔ بنکاری کا انحصار مستعد خدمت پر ہے اگر بنک کو قومیا لیا جائے تو ست روی کی وجہ سے صنعت کاروں اور تاجروں کو نہ تو بروقت اور نہ ہی بغیر سفارش یا رشوت کے قرض مل سکے۔ لہٰذا سرکاری افسروں کے ہاتھ میں مزید اختیار دینا بجائے فائدہ کے باعث نقصان ہوسکتا ہے۔

(د) موجودہ حالات میں بنکوں میں صحت مند مقابلہ موجود ہے جس سے گاہکوں کو بہتر خدمت حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ بنکوں کو قومیانے کی صورت میں گاہکوں کو انفرادی توجہ سے محروم ہونا پڑے گا۔ اس کا اثر بچتوں اور پس اندازی پر پڑے گا۔

بنکوں کو قومی تحویل میں لینے اور نہ لینے کے متعلق جو دلائل دیے گئے ہیں ان کا موازنہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پاکستان میں بنکوں کو قومیانہ ملکی اقتصادی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ جن خدشات کا اظہار قومی تحویل میں نہ لینے کے متعلق کیا جاتا ہے۔ وہ ایسے نہیں جن کو آسانی سے دور نہ کیا جا سکے۔ یہ محض خدشات ہی ہیں۔ ان میں کوئی حقیقت نہیں۔ دیکھنا تو صرف یہ ہے کہ بنکوں کو قومی تحویل میں لینے سے ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہوتی ہے۔ یا نہ لینے سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ واضح اور کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ بنکوں کو قومی تحویل میں لینے سے ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہوتی ہے۔ نجی نظام بنکاری ہی نظام سرمایہ داروں کا سرچشمہ ہے۔ جب تک بنکوں کو قومی تحویل میں نہیں لیا جاتا اس وقت نظام سرمایہ داری کی لعنت سے نجات حاصل کرنا مشکل ہے۔ پاکستان میں بنکوں کو قومی تحویل میں لینے کی اہمیت اس سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔

کہ ۱۹۷۰ء کے قومی انتخاب کے وقت ہر سیاسی جماعت نے اپنے منشور میں بنکوں کو قومی تحویل میں لینے کا وعدہ کیا تھا۔ جس سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ نجی نظام بنکاری کتنی سنگین صورت حال اختیار کر گئی ہے۔

Marfat.com

غیر سودی بنک[1]

نظام بنکاری کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ دور حاضر میں ہر ملک کی مضبوط معیشت کا دار و مدار نظام بنکاری پر ہے۔ لیکن موجودہ نظام بنکاری کی اساس سرمایہ داری نظام پر ہے جس میں سود جائز ہے۔ جس وجہ سے معاشرے میں وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ اگر نظام بنکاری کی حدود کو بین الاقوامی سطح پر پھیلائیں تو ترقی پذیر ممالک، سرمایہ دار ممالک کے قرضوں کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنی حریت اور خود داری کو بھی قرض خواہ ممالک کو بیچ چکے ہیں۔ دور حاضر میں کسی ملک کو زیر کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی معیشت کو قرضہ کے زیر بار کر کے غلامی کا طوق اس کی گردن پر رکھ دیا جائے۔ مقروض ملک کی دولت کا بڑا حصہ سود کی ادائیگی میں چلا جاتا ہے۔ مزید براں قرض خواہ ملک مقروض ملک کی راہنمائی کے لیے اپنے ماہرین بھی بھیج دیتے ہیں۔ اس ملک کی دولت کا خاصہ حصہ ان کی تنخواہوں میں چلا جاتا ہے۔ وہی ماہرین ترقی پذیر ملک کی معیشت کو چلاتے ہیں جس وقت اسلام نے سود کو حرام قرار دیا تھا اس وقت اس کی ناانصافی اور ظلم صرف ملک سطح پر تھا۔ اب سود کی ناانصافی اور ظلم بین الاقوامی سطح پھیل چکا ہے۔ ترقی پذیر ممالک کی دولت کا بہاؤ ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کی طرف ہو گیا ہے۔ جس وجہ سے پسماندہ ملک کی معاشی ترقی رک گئی ہے۔ اس وجہ سے اس دور کا سب سے بڑا اقتصادی مسئلہ سود ہے کہ کسی طرح معیشت کو سود سے پاک کیا جائے۔

اس مسئلہ کے حل کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو تمام اسلامی ممالک، اسلامی بنک قائم کریں جو ضرورت مند اسلامی ملک کو بلاسود قرض دے۔ دوم اسلامی ممالک انہی طریقوں کو اختیار کریں۔ جن پر چل کر پہلے دور کے مسلمانوں نے ترقی کی تھی۔ ان طریقوں میں سے ایک اہم طریقہ مضبوط دفاع ہے اس دور میں مضبوط دفاع کا انحصار جدید ٹیکنالوجی پر ہے اور جدید ٹیکنالوجی کا دار و مدار سائنسی تحقیق پر ہے۔ اس وجہ سے تمام اسلامی ممالک کو ایک مشترکہ سائنسی ریسرچ قائم کرنا چاہیے یا تمام اسلامی ممالک کے سائنس دانوں کے مشترکہ اجلاس ہونے چاہئیں تا کہ ایک دوسرے کی تحقیق سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ یورپ خصوصاً امریکہ

---

[1] دور حاضر میں بلا سود معیشت پر تقریباً دو سو سے زائد مطالعاتی جائزے شائع ہو چکے ہیں۔ مسلمان ماہرین اقتصادیات اس موضوع پر خاص توجہ دے رہے ہیں۔ ایک حد تک خاکہ پیش کر چکے ہیں۔ بعض ممالک میں اس خاکہ پر عمل کر کے کامیاب شعبہ بنکاری چلا رہے ہیں۔ اردو میں اس موضوع پر اہم کتب یہ ہیں۔ غیر سودی بنکاری ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور غیر سودی بنکاری مقالہ از پروفیسر خورشید احمد مطبوعہ المصباح شمارہ نمبر ۵۹ اور ۶۰ بلا سود بنکاری محمد اکرم کا حرمت ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام ڈاکٹر محمود احمد غازی انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سنٹر اسلام آباد اسلامی بنک و غیر سودی بنک کا مکمل نظام از علامہ السید ذی شان حیدر جوادی، بلا سود بنکاری (عبوری خاکہ) پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر قادری ادارہ منہاج القرآن، جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں البرکہ سیمینار انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد، بلا سود بنکاری از ڈاکٹر دل محمد۔

Marfat.com

تمام اسلامی ممالک کی دولت پر اس لیے قبضہ کرنے کا خواہاں ہے کہ اسلامی ممالک ترقی کے راستہ پر گامزن نہ ہوسکیں اور نہ جدید ٹیکنالوجی تک رسائی حاصل کرسکیں۔ گویا بلاسود بنکاری اور اسلامی ممالک کی سیاسی ترقی باہم مربوط ہیں۔ ہم اندرونی اور بین الاقوامی سطح پر اسی وقت بلاسود بنکاری کا نظام قائم کرسکیں گے جب اسلامی ممالک سیاسی اور دفاعی لحاظ سے مضبوط ہوں گے۔ اسلام میں تمام شعبہ ہائے زندگی باہم مربوط ہوتے ہیں۔ اگر ایک شعبہ کمزور ہوتو اس کے ضعف کا اثر دوسرے شعبوں پر پڑے گا بنو عباس کے آخری دور تنزل میں اسلامی سلطنت سیاسی اور دفاعی لحاظ سے کمزور ہوئی تو اس کمزوری کا اثر تمام شعبوں پر پڑا تھا۔ مسلمان اقتصادی اور علمی لاظ سے بھی کمزور ہو گئے تھے۔ اور علم کی ہر شاخ کمزور ہوگئی ہے۔ اس لیے سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کے اہم جز سود کو ختم کرنے کے لیے اسلامی ممالک کا سیاسی لحاظ سے مضبوط ہونا ضروری ہے تبھی جا کر مسلمان ماہرین معاشیات کے خاکہ بلاسود بنکاری میں رنگ بھرا جائے گا۔

خاکہ

بنک کا کاروبار (Business of the bank)

بنک کے کاروبار کی تین اقسام ہوسکتی ہیں۔

ا۔ بالمعاوضہ خدمات

موجودہ بنکوں کی طرح بلاسود بنک کام کرنے والے فیس، کمیشن یا معاوضوں کے بدلے خدمات انجام دیں گے جو اسلامی بنکوں کی آمدن کا ذریعہ ہوں گے۔ چند اہم خدمات یہ ہیں۔

(الف) لاکرز (Lockers): عوام کی قیمتی اشیاء مثلاً زیورات، دستاویزات اور اسناد وغیرہ لاکرز میں رکھنے کی سہولت اور حفاظت کے بدلے بنک مالکان سے مناسب رقم وصول کریں گے۔

(ب) رقم کی منتقلی: بنک اپنے گاہکوں کو ڈرافٹ، سفری چیک، خطوط اعتماد (Letters of Credit) وغیرہ جاری کرنے کے عوض مناسب فیس وصول کرے گا جو بنک کی آمدن کا ذریعہ ہے اس طریقہ کار سے بنک کی لاگت بہت کم ہے اور نفع زیادہ ہوتا ہے۔

(ج) غیر منقولہ جائیداد کی خرید وفروخت: بنک غیر منقولہ جائیداد کی بیع وشرا اور قانونی کارروائی میں اپنے گاہکوں کی مدد کے بدلے معاوضے وصول کرے گا یہ بھی بنک کی آمدن کا ذریعہ ہے۔

(د) تجارتی مال کو وصول کر کے گاہکوں تک پہنچانا: مال تجارت کو بحری اور ہوائی جہازوں سے نمائندہ کی حیثیت سے چھڑا کر مالکوں تک پہنچانے کی خدمات انجام دے کر بھی بنک فیس وصول کرسکتا ہے۔

(ہ) مشینری وغیرہ کی خریداری: بنک کاروباری فریقوں کو کاروبار میں توسیع یا نیا کاروبار شروع

Marfat.com

کرنے کے لیے مشینری یا دیگر ضروریات پوری کرنے کے لیے مالی اور ماہرانہ مشورے دے کر معقول عاوضے وصول کرتے ہیں۔

(و) تجارتی حصص کی خریداری: بعض تجارتی ادارے سرمایہ جمع کرنے کے لیے کاروبار کے حصص (Shares) بیچنے کے لیے بازار میں شائع (Float) کر دیتے ہیں۔ بنک بھی مضبوط بنیادوں پر قائم تجارتی اداروں کے حصص خرید لیتا ہے۔ جب ان حصص کی قیمت، خرید قیمت سے بڑھ جاتی ہے۔ تو نفع پر اپنے حصے بیچ دیتے ہیں اس سے بنک کافی فائدہ اٹھاتا ہے۔

بلاسود کام کرنے والے بنک کی سرمایہ کاری

بلاسود کام کرنے والے بنک نفع حاصل کرنے کے لیے اپنے سرمایہ کو تین صورتوں میں لگا سکتے ہیں۔ ۱۔ شرکت۔ ۲۔ مضاربت۔ ۳۔ حصص۔

شرکت

سرمایہ سے نفع حاصل کرنے کی ایک صورت شراکت ہے بنک کسی کاروباری فریق کے ساتھ اپنے سرمایہ کے ساتھ شامل ہو جائے کاروبار میں بنک اور کاروباری کا سرمایہ شامل ہوگا اور معاہدہ کی شرائط طے ہو جائیں گی۔

۱۔ کاروباری فریق کے ساتھ بنک کی طرف سے تنخواہ دار نمائندے اور ماہرین بھی شامل ہوں گے۔

۲۔ شراکت کے معاہدہ میں کاروبار کی نوعیت اور نفع اور نقصان کی تقسیم وغیرہ کے اصول وضع کیے جائیں گے۔

۳۔ نقصان کی تقسیم فریقین کے سرمایوں کی نسبت سے ہوگی جبکہ نفع کا معاملہ معاہدہ شراکت میں طے کیا جا سکتا ہے کہ کس نسبت سے فریقین حاصل کریں گے۔ کسی ایک فریق کے لیے نفع متعین نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ فریقین معاہدہ شراکت کی مالی ذمہ داری ان کے فراہم کردہ سرمایہ کے برابر محدود ہوگی۔

۵۔ معاہدہ شراکت کے اختتام پر اگر بنک کو اپنا سرمایہ نفع کے ساتھ واپس ملے تو یہ نفع اس کے مجموعی منافع بنک کاری میں شامل ہو جائے گا۔ اگر کسی معاہدہ شرکت میں نقصان اٹھانا پڑے، تو یہ نقصان بھی اس کے مجموعی نقصان کے مجموعی حسابات میں ضم ہو جائے گا۔

مثلاً ایک کاروباری شخص ایک کروڑ روپے کا سرمایہ کسی کاروبار میں لگاتا ہے اور ایک کروڑ بنک سے حاصل کرتا ہے۔ معاہدہ شراکت کے ذریعہ کاروبار چلاتا ہے اور ایک لاکھ روپیہ نفع حاصل ہوتا ہے تو کاروباری شخص اور بنک کو پچاس ہزار پچاس ہزار معاہدہ شراکت کے مطابق ملیں گے۔

۶۔ مشترکہ کاروبار کی طرف سے طویل المیعاد قرضے حاصل نہیں کیے جائیں گے۔

مضاربت

بلاسود کام کرنے والے بنک کے لیے مضاربت پر سرمایہ کاری بہترین صورت ہے۔ سرمایہ بنک کا ہوگا۔ محنت دوسرے کاروباری فریق کی۔ اگر کاروبار میں نفع ہوتا ہے تو معاہدہ کی شرائط کے مطابق فریقین میں تقسیم ہوگا اگر خسارہ ہوتا ہے تو نقصان کلی طور پر بنک کو برداشت کرنا پڑے گا۔ اگر مضارب نے بنک کے سرمایہ کے علاوہ اپنا سرمایہ بھی کاروبار میں لگایا ہوا ہے تو یہ صورت شراکت کی ہو جائے گی۔ تو اگر سرمایہ مساوی مساوی ہے تو بنک کو ایک چوتھائی حصہ اور مضارب کو تین چوتھائی حصہ منافع ملے گا۔ البتہ خسارہ فریقین میں برابر ہوگا۔

معاہدہ مضاربت میں کاروبار کی نوعیت، وسعت اور مالی تصرف۔ کی شرائط طے کی جا سکتی ہیں تا کہ فریقین اپنے اپنے حدود سے باہر نہ نکلیں۔

مضاربت میں بھی نفع متعین نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کاروبار میں کل منافع کی صورت میں طے شدہ شرط کے تحت ہی تقسیم ہوگا۔

حصص کی خریداری

آج کل بہت سے کاروباری ادارے سرمایہ، حصص کی فروخت کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ لوگ ان حصص کو خریدتے ہیں۔ جب حصص کی قیمت، خرید قیمت سے بڑھ جاتی ہے تو بیچ دیتے ہیں۔ بنک بھی اپنے سرمایہ کو کاروباری حصص خریدنے میں لگا سکتا ہے۔ جن جن لوگوں نے حصص خریدے ہیں وہ تمام مشترکہ کاروبار میں ایک شریک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے حصے کی قیمت کو کمپنی کے کل سرمایہ کے ساتھ جو نسبت ہو۔ اسی نسبت سے وہ اس کمپنی کے مالکوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ مثلاً کمپنی میں ایک کروڑ روپے کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔ اس کے حصہ کی قیمت ایک لاکھ روپے ہے تو اس حصہ کا مالک، کمپنی کے (۱/۱۰۰۰۰۰۰) کا مالک سمجھا جائے گا۔

کاروبار حصص میں نفع کی تقسیم کا طریقہ کار یہ ہے کہ جس سال نفع ہو وہ تمام حصہ داروں میں مساوی تقسیم ہوتا ہے اگر کسی سال خسارہ ہوا ہے تو وہ خسارہ فوری سرمایہ سے پورا نہیں کیا جاتا بلکہ اگلے سال کے منافع سے منہا کر کے بقیہ نفع تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

کاروباری حصص خریدنے کے لیے وہ بنک بھی شامل ہو سکتے ہیں، جو بلاسود کام کر رہے ہیں۔ اس میں کسی قسم کا سود شامل نہیں ہاں کاروباری حصص کی وہ تمام اقسام جن کے ساتھ سود شامل ہے یا جن میں کم سے کم شرح نفع کی ضمانت دی گئی ہے خارج از بحث ہے۔ یہاں صرف ان حصص کا ذکر ہے جن میں نفع

Marfat.com

متعین نہیں بلکہ کمپنی کے کاروبار میں نفع ہونے پر دارومدار ہے۔

مزید سرمایہ کے حصول کے طریقے

پہلے یہ بیان ہوا ہے کہ بنک کن طریقوں سے اپنے فراہم کردہ سرمایہ سے نفع کما کر اپنے حصے داروں میں تقسیم کرتا ہے۔ عوام سے سرمایہ حاصل کرنے کے دو اور بھی ذرائع ہیں۔ ا۔ مضاربت کھاتہ۔ ۲۔ قرض کھاتہ۔

ا۔ مضاربت کھاتہ

بنک عوام کی بچتوں کی صورت میں جو سرمایہ حاصل کرے گا۔ وہ مضاربت کے کھاتہ میں جائے گا۔ بنک عوام سے مضاربت کے اصول پر رقم لے گا اور کاروبار میں لگائے گا۔ بنک ان سے حسب ذیل شرائط طے کرے گا۔

ا۔ بنک اس رقم کو کاروبار میں لگائے گا۔ کل سرمایہ پر جو نفع ہوگا وہ کل سرمایہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ اس تقسیم کے نتیجے میں کسی کھاتہ دار کے سرمایہ پر جتنا نفع آئے گا۔ اس کی ایک طے شدہ نسبت بنک کو ملے گی اور باقی نفع کھاتہ داروں کے سرمایہ کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔

۲۔ اگر کاروبار میں خسارہ ہو تو مجموعی خسارہ کو کل سرمایہ پر تقسیم کر کے نقصان کی فیصد شرح معلوم کر لی جائے گی۔ ہر کھاتہ دار کے سرمایہ میں اس شرح نقصان کے مطابق کمی کر دی جائے گی۔ خسارہ کھاتہ دار کو اٹھانا پڑے گا۔

۳۔ کسی کھاتہ دار کی مالی ذمہ داری اس کی فراہم کردہ رقم سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اگر بنک نے ان کے فراہم کردہ سرمایہ سے زیادہ وسعت دی ہو تو پھر خسارہ ہو تو کھاتہ دار صرف اپنے سرمائے کی نسبت جتنے نقصان کے ذمہ دار ہوں گے۔ باقی نقصان بنک برداشت کرے گا۔

۴۔ مضاربت کھاتہ میں رقوم متعین مدت کے بغیر بھی جمع کی جا سکتی ہیں اور ایک معین مدت کے لیے (سہ ماہی، نصف سال، سال)

۵۔ اگر رقم معین (سہ ماہی، نصف سال، سال) مدت کے لیے جمع کی گئی ہے تو طے شدہ شرائط کے مطابق بنک ہر کھاتہ دار کو نفع و نقصان کا حساب کر کے مطلع کر دے۔ ہر کھاتے دار کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ معاہدہ ختم کر کے اپنی رقم، مع نفع اور نقصان واپس لے لے یا نفع وصول کر کے اپنا کھاتہ جاری رکھے۔

۶۔ اگر پہلے طے شدہ عرصہ میں کھاتہ دار کو خسارہ ہوا ہے اور معاہدہ بھی جاری رکھنا چاہیں تو آئندہ طے شدہ عرصہ میں ہونے والے نفع میں پہلے اس خسارہ کی تلافی کی جائے گی پھر اگر نفع باقی

Marfat.com

رہے تو فریقین میں طے شدہ نسبت کے مطابق تقسیم کریں۔

۷۔ کھاتہ دار رقم واپس لینا چاہے تو پہلے عرصہ کے نفع ونقصان کا اندازہ لگا کر رقم نفع ونقصان کے ساتھ واپس کی جاسکتی ہے۔

۸۔ منافع کی صورت میں حصہ داروں کو مضاربت کھاتہ داروں کی نسبت سے زیادہ منافع ملے گا اسی طرح خسارہ بھی حصہ داروں کو مضاربت کھاتہ داروں سے زیادہ اٹھانا پڑے گا۔ کیونکہ بنک کے حصہ داروں نے محنت بھی کرنی ہوتی ہے۔ دوم ان کا اپنا بھی فراہم کردہ سرمایہ ہوتا ہے۔ مضاربت کھاتہ دار محنت میں شریک نہیں ہوتے صرف سرمایہ مہیا کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے حصہ دار محنت اور سرمایہ کی فراہمی کی وجہ سے زیادہ نفع کے حق دار ہوتے ہیں اسی طرح گھاٹے کی شکل میں حصہ داروں کو اپنی محنت کے معاوضہ سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

۹۔ بنک اپنی سالانہ بیلنس شیٹ شائع کرے گا۔ ان حاصل کردہ رقوم سے بنک پہلے سے بیان کردہ طریقوں کے ذریعے سرمایہ کاری کرے گا۔

قرض کھاتہ (Loan account)

بنک عوام اور فرموں کو دعوت دے گا کہ وہ اپنی رقوم اور بچتیں حفاظت اور عندالطلب ادائیگی کی سہولت کے لیے قرض دیں۔ بنک یہ ذمہ داری قبول کرے گا۔ وہ عندالطلب قرضوں کو واپس کر دے گا۔ قرض کھاتہ دار چیک کے ذریعہ اپنے کھاتہ سے رقم نکال سکیں گے۔ یا دوسروں کے حق میں منتقل کر سکیں گے۔ بنک ان سہولتوں کی وجہ سے کوئی اجرت نہیں لے گا کیونکہ بنک نے قرض کھاتہ میں مہیا سرمایہ کو کاروبار میں لگایا ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا ہے اس وجہ سے قرض کھاتہ کے حساب کتاب رکھنے پر اٹھنے والے اخراجات اس نفع سے پورا کرے گا جو کاروبار سے نفع ہوا ہے۔

قرض کھاتہ کی پوزیشن موجودہ بنکوں میں جاری حسابات (Current account) یا عندالطلب قابل واپسی کھاتہ (Demand deposit) کی سی ہوگی اور اس سے وہی سہولتیں حاصل ہو سکیں گی جو موجودہ بنکوں کے جاری حسابات یا عندالطلب قابل واپسی کھاتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ قرض کھاتہ والوں کی رقوم کی واپسی کی ضمانت ملک کے سٹیٹ بنک کی سند سے حاصل ہوگی جو عام بنکوں کی نقدیت (Liquidity) برقرار رکھ کر اور کھاتوں کے بیمہ (Insurance) کی سکیم کے ذریعہ اس ضمانت کو قابل اعتماد بنائے گا۔ بنک کے پاس یہ رقوم امانت کے طور پر نہیں بلکہ قرض کے طور پر ہوں گی۔ جب تک بنک کے پاس ہیں بنک ان سے فائدہ اٹھا سکے گا۔

قرضوں کا اجراء

معاشرہ میں کاروبار کو جاری رکھنے، وسعت دینے کے لیے قرضوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہر دور

Marfat.com

میں کاروبار کے لیے قرض لیے جاتے تھے۔ دور حاضر میں اس کی پہلے کی نسبت زیادہ ضرورت ہے۔ ماضی کے ادوار میں تو کاروبار مقامی ہوتا تھا۔ موجودہ دور میں تجارت بین الاقوامی شکل اختیار کر گئی ہے اس لیے اب قرضوں کی پہلے کی نسبت زیادہ ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو اسلامی بنک بلاسود قرضے جاری کر کے پورا کر سکتے ہیں۔

قلیل المدت قرضے (Short term loan) لوگ اپنے زر نقد کی حفاظت کے لیے اپنے پاس رکھنے کی بجائے زائد از ضرورت رقوم بنکوں میں جمع کروا دیتے ہیں اور لین دین بھی چیکوں کے ذریعے کرتے ہیں۔ چیکوں کے ذریعہ جو لین دین ہوتا ہے وہ رقم بھی بنکوں میں ہی رہتی ہے صرف کھاتہ بدل جاتا ہے گویا تجارت کا اس قسم کا چکر ہے کہ رقوم بنکوں میں پڑی رہتی ہیں۔ ایک رقم ایک کھاتہ سے نکل کر دوسرے کھاتے میں چلی جاتی ہے۔ بہت تھوڑی رقم صرف گھریلو کاموں کو چلانے کے لیے نکالی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ نئی رقوم بھی بنک میں جمع کرائی جاتی ہیں۔ انہی رقوم کا ایک مخصوص حصہ بنک میں زر نقد کی شکل میں رکھ کر لوگوں کو قرض دیا جاتا ہے۔

بلاسود بنکاری کرنے والا اسلامی بنک بھی قرض کھاتہ میں سے لوگوں کو قلیل مدت کے لیے قرضے دے سکتا ہے۔ بنک قرض کھاتہ میں جمع ہونے والی رقوم کے ایک حصہ کو مضاربت پر لگا کر نفع کما رہا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک طرف بنک قرض کھاتہ سے مضاربت پر روپیہ لگا کر نفع کما رہا ہے اور دوسری طرف اسی کھاتہ سے قلیل المدت پر قرضہ ادا کر رہا ہے۔ ایک طرف سے بنک نفع کما رہا ہے دوسری طرف بلاسود قرض دے رہا ہے۔ اس طرح بنک کو کسی طرح بھی خسارہ نہیں ہوتا۔

طویل المدت قرضے (Long term loan) جب بنک کا کاروبار مضاربت کے اصول پر چل رہا ہے۔ اور بنک نفع کما رہا ہے اور لوگوں کا زر نقد قرض کھاتہ میں بھی آ رہا ہے تو بنک میں اتنا سرمایہ ہو جاتا ہے جس سے لوگوں کو طویل مدت کے لیے مضاربت کے اصول پر قرض دیا جا سکتا ہے۔ طویل المدت قرضہ قرض داروں کو مضاربت کے اصول پر دیا جائے گا۔

شرائط قرض

قرض لینے والے کے لیے حسب ذیل شرائط ہونے ضروری ہیں۔

۱۔ قرض دار امین ہو۔ اچھی شہرت کا مالک ہو۔ چار گواہ اس کی امانت داری اور صداقت کی گواہی دیں۔

۲۔ مالی اعتبار سے قرض دار مضبوط ہو۔

۳۔ قلیل المدت قرض کی میعاد تین ماہ سے زائد نہ ہو۔

۴۔ بنک قرض داروں سے قرض کے بالمقابل ضمانت طلب کرے۔ یہ ضمانت جائیداد تیار شدہ

مصنوعات، تیار فصل، تجارتی حصص، سندات ملکیت وغیرہ دی جا سکتی ہے۔ بنک شخصی ضمانت پر قرض جاری کر سکتا۔ اگر قرض دار معینہ وقت میں قرض ادا نہ کر سکے تو بنک ضمانت شدہ ملکیتوں کو فروخت کر کے اپنی رقم پوری کر سکے۔

اگر قرض دار دیوالیہ ہو جاتا ہے تو اس شکل میں مرکزی بنک، (بیت المال) کے زکوٰۃ فنڈ سے اس قرض کی واپسی کو یقینی بنایا جائے۔ کیونکہ اسلامی نقطہ لحاظ سے اس قسم کے قرض کی ادائیگی حکومت کے ذمہ ہے۔ قرض کی ادائیگی کا ایک یقینی طریقہ یہ بھی ہے کہ قرضہ کو انشورڈ (Isured) کر لیا جائے۔ اس کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ بنک اپنے دیے ہوئے قرضہ کو انشورڈ کرائے اور انشورنس کے تمام اخراجات خود برداشت کرے۔ دوسری شکل یہ ہے بنک قرض مانگنے والے افراد پر یہ شرط عائد کر دے کہ کسی انشورنس کمپنی کی ضمانت دے تو اس شکل میں انشورنس کے تمام اخراجات قرض لینے والے افراد ادا کریں گے۔

قرض کے حساب کتاب پر آنے والے اخراجات

قرض کے حساب کتاب پر بنک کے اخراجات اٹھیں گے۔ ان کو پورا کرنے کے لیے بنک قرض داروں سے معمولی سے چارجز وصول کر سکتا ہے۔ اس کا شرعی جواز یہ ہے کہ شریعت نے قرضوں کے لینے اور دینے پر یہ لازمی قرار دیا ہے کہ ان کو لکھ لیا جائے جو شخص بھی لکھے گا۔ وہ اس کی اجرت لے گا۔ کتابت پر اجرت کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

تخلیق زر کا عمل

بلاسودی بنکاری سے متعلق بحث کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلامی حکومت کا یہ وہ مالیاتی ادارہ ہے جس کے ذریعہ سرمایہ عوام میں نفع کے ساتھ گردش کرتا ہے اور یہی کسی ملک کی خوش حالی کا راز ہے کہ دولت مخصوص افراد کے ہاتھوں میں گردش کرنے کی بجائے عوام میں گردش کرے۔ سرمایہ کی گردش کو تیز کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں ایک اچھا طریقہ یہ بھی ہے جس سے بنک نیا تخلیق زر بھی کر سکتا ہے اور عوام کو بھی فائدہ ہو سکتا ہے اور ملک کی مجموعی خوش حالی بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ بنک سرمایہ لگا کر پلازے (دکانیں) مارکیٹیں تعمیر کرے۔ پھر وہ عوام کے ہاتھوں میں نقد یا بالاقساط بیچ دے۔ عوام میں جتنا زیادہ کاروبار پھیلے گا۔ ان کی بچتوں کا سرمایہ بنک میں جمع ہو گا۔ اس طریقہ سے ایک تو عوام میں خوش حالی آئے گی۔ دوم بنک کا تخلیق زر ہو گا۔ بنک ان منصوبوں میں سرمایہ لگائے جن میں عوام کا مفاد مضمر ہو۔ سودی بنک کا سرمایہ مخصوص لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔ رقم عوام کی ہوتی ہے فائدہ مخصوص لوگ اٹھا رہے ہوتے ہیں جس سے معاشرہ میں امارت کے لحاظ سے دو طبقے ہو جاتے ہیں۔ ایک امیر اور دوسرا غریب۔ سود بنکاری کا سب سے بڑا نقصان ہی یہ ہے۔ عوام کا سرمایہ مخصوص ہاتھوں میں چلا جاتا ہے جو اسلامی معاشی پالیسی کی روح کے خلاف ہے۔

Marfat.com

بیمہ (انشورنس)

بیم ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی ہیں فکر واندیشہ۔ معاشی اصطلاح میں بیمہ زندگی اس معاہدہ کا نام ہے جس کی رو سے بیمہ کرانے والا غیر متوقع یا ناگہانی حادثہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مخصوص رقم بیمہ کمپنی کے لیے مختص کر دیتا ہے جسے مقرر کردہ اقساط کے ساتھ مقررہ مدت کے لیے ادا کرتا رہتا ہے۔ کمپنی مقررہ میعاد ختم ہونے پر بیمہ خریدنے والے کو یا اس سے قبل اتفاقیہ فوت ہو جانے پر مقرر کردہ رقم اس کے وارثوں یا جس کو وصولی کے لیے نامزد کیا گیا تھا ادا کر دیتی ہے۔

بیمہ کی تاریخ

بیمہ کا رواج کب ہوا اس کے متعلق کھوج لگانا مشکل ہے لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ بیمہ قدیم زمانہ میں اہل مصر، ہند اور عرب میں اپنی سادہ شکل میں پایا جاتا تھا۔ لیکن وہ شکل صرف امداد باہمی کی سی ہوتی تھی اس میں سرمایہ کاری اور حصول زر کا عنصر نہیں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ قدیم روما میں بعض امداد باہمی کی انجمنیں قائم ہوئیں جو اپنے اراکین سے متعین رقم بالاقساط وصول کرتیں اس کے بدلہ میں اپنے اراکین کی وفات کے وقت ان کے پسماندگان کی مدد کرتیں اور اگر اراکین خود زندہ ہوتے اور معاشی لحاظ سے مفلوک الحال ہو جاتے تو ان کا تعاون کرتیں بعض فلاحی تنظیمیں بھی قائم ہوئیں جو عمر رسیدہ اور بے سہارا افراد سے تعاون کرتیں۔ (التامین وموقف الشریعۃ الاسلامیہ)

حمورابی کا قانون ۲۲۵۰ قبل مسیح کا ہے اس میں صراحت ہے کہ جب ان میں سے کسی کے گھر میں چوری ہو جاتی تو پوری جماعت اس سے تعاون اور مدد کرے گی۔ اور جو نقصان اس کو ہوا ہے اس کی تلافی کرے گی۔

رودس کے قانون میں یہ ہے کہ جب کشتی میں سامان رکھا جائے اور کسی وجہ سے کشتی میں حادثہ پیش آ جائے تو تمام سامان بھیجنے والے کشتی کے اس خسارہ میں شریک ہوں گے اور خود کشتی والا بھی اس میں شریک ہوگا اور یہ قانون ۹۱۶ قبل مسیح کا ہے۔

تلمود میں بابل میں اس کا خلاصہ نقل کیا گیا ہے۔

"ملاح آپس میں اس بات پر اتفاق کر سکتے ہیں کہ اگر کسی کی کشتی گم ہو جائے تو دوسری کشتی اس کی مدد کرے گی۔ لیکن اگر خود اس کشتی والے کی غلطی سے کشتی ہلاک ہوئی تو اس کو مطالبہ کا حق نہیں ہے نیز

Marfat.com

اگر ملاح اپنی کشتی لے کر اتنی دور گیا جہاں تک عادۃً کشتیاں نہیں جاتی ہیں اور پھر وہ کشتی ہلاک ہوگئی تو کشتی والا نقصان کی تلافی کی درخواست نہیں کر سکتا۔"

سمندری بیمہ کا آغاز اٹلی کے تاجران اسلحہ سے ہوا۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ بعض تاجروں کا مال تجارت سمندر میں ضائع ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں تنگ دستی کا شکار ہو کر رہ جاتے اس صورت حال کا حل یہ نکالا کہ اگر کسی شخص کا مال تجارت سمندر میں ضائع ہو جائے تو تمام تاجر مل کر اس کی معاونت کے طور پر اسے ہر ماہ یا ہر سال ایک معین رقم ادا کیا کریں۔ یہی تحریک ترقی کر کے جہازوں کے بیمہ تک پہنچی کہ ہر ایک ممبر ایک مقررہ رقم ادا کرے تا کہ اس قسم کے حوادث و خطرات کے موقع پر نقصان کا کچھ نہ کچھ تدارک کیا جاسکے۔" (جواہر الفقہ ۲/ ۱۹۵-۱۹۶)

بری بیمہ کی ابتداء پر ڈاکٹر جاد عبدالرحمن صاحب روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"سترھویں صدی میں اس کی ابتدا ہوئی جس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۶۶۶ء میں لندن میں ایک بھیانک آتش زدگی ہوئی جو مسلسل چار دنوں تک جاری رہی جس کے نتیجہ میں مکانات، دکانات اور فیکٹریاں خاکستر ہو کر رہ گئیں۔ دس ملین سے زیادہ کا مالی نقصان ہوا۔ اس واقعہ کے بعد وہاں کے لوگوں نے بری بیمہ کی طرح ڈالی۔ اٹھارویں صدی میں اس کی نت نئی شکلیں وجود میں آئیں اور اس نے ایک مستحکم نظام کی شکل اختیار کر لی بیسویں صدی بیمہ کا دور ارتقائی ہے اس دور میں اس کی مروجہ شکلیں سامنے آئیں۔" (التامین وموقف الشریعہ الاسلامیہ/۱۳)

بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ تجارتی بیمہ کا رواج اندلس کی مسلم حکومت کے دور میں ہوا اور دور جدید سے قبل سرمایہ کی زیادہ مقدار تجارت میں لگی ہوتی تھی اور تجارتی کاروبار سمندر کے ذریعہ ہوا کرتا تھا اس دور میں بحری سفر کے ذرائع بادبانی جہاز اور کشتیاں ہوتی تھیں جو اکثر طوفانوں کی نذر ہو جاتی تھیں۔ تاجروں اور کاروباری حضرات کو یہ تحریک ہوئی کہ ناگہانی حوادث کی تباہ کاریوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔ چنانچہ مسلم تاجروں نے تجارتی بیمہ کی بنیاد ڈالی۔

دور جدید میں ہالینڈ کے تاجروں، صناعوں وغیرہ نے اس ابتدائی رواج کو اختیار کیا انھوں نے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کو گارنیٹڈ ایسوی ایشن (Guaranted association) کہا جاتا ہے۔ اس انجمن کے ممبر تاجروں نے مل جل کر یہ طے کیا کہ اگر کسی رکن تاجر کو سمندر کے راستے مال بھیجتے ہوئے ناگہانی نقصان پہنچے تو دوسرے ارکان انجمن اس تاجر کے نقصان کو پورا کریں تمام ارکان ایسوی ایشن کو ایک مقررہ رقم ادا کرتے تھے۔ اس نظام کار کی جدید ترقی یافتہ شکل لائیڈز سسٹم کہلاتی ہے۔

اس سے ملتی جلتی شکل مشترکہ نظام بیمہ (Mutual Insurance) ہے۔ جس میں بیمہ دار ہی کاروبار میں حصہ دار ہوتے ہیں۔

Marfat.com

بیمہ کی ایک اور شکل سرمایہ کارانہ نظام بیمہ (Capital form of Insurance) ہے۔ یہ مقررہ چندہ پر بیمہ کاری ہے۔ بیمہ کی ہمہ گیر شکل ریاستی نظام بیمہ (State Insurance) ہے جس کے تحت حکومت شہریوں کو خاص خاص مصائب کے مقابلہ میں تحفظ دیتی ہے۔

بیمہ زندگی

بیمہ زندگی کا آغاز انگلستان سے ہوا۔ اس کی ابتدائی شکل یہ تھی کہ اگر کوئی نادار اور مفلس آدمی مر جاتا تو چند امیر آدمی کچھ رقم اکٹھی کر کے اس کی تجہیز و تکفین کر دیتے پھر اس کا دائرہ وسیع ہوا تو بیوگان اور یتامی وغیرہ کی کفالت جمع شدہ رقم سے کی جانے لگی۔

باقاعدہ بیمہ زندگی کا آغاز پہلے پہل انگلستان اور اسکاٹ لینڈ سے ہوا۔ ۱۸۷۰ء میں لائف انشورنس ایکٹ پاس ہوا۔ جس کی رو سے بیمہ داروں کے مفادات کا تحفظ کیا گیا۔

اسلامی ممالک میں رواج

سلطنت عثمانیہ کے دور میں جب ترکی کے تجارتی روابط یورپ کے ممالک سے قائم ہوئے تو یورپین تاجران کے توسط سے بیمہ اسلامی ملکوں میں داخل ہوا اور اس بارے میں اہل فقہ و فتاویٰ سے استفسارات شروع ہوئے۔ (التامین وموقف الشریعۃ الاسلامیہ/۱۳)

بیمہ کی اقسام

عمومی بیمہ: اس نظام بیمہ کے تحت بیمہ کرانے والے کو املاک اور کاروبار وغیرہ کے نقصان کا تحفظ دیا جاتا ہے۔

بیمہ زندگی: اس نظام کے تحت جان کا تحفظ دیا جاتا ہے۔

منافع کے لحاظ سے بیمہ زندگی کی دو بڑی قسمیں ہیں ایک مع منافع دوسری بلا منافع۔ بیمہ اگر کسی مع منافع اسکیم کے تحت کرایا گیا ہے تو بیمہ دار کا حق کمپنی کے مجموعی منافع پر ہوتا ہے۔ اور بیمہ کی رقم مقررہ عرصہ پر بونس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ لیکن بلا منافع اسکیم کے تحت بیمہ کرانے پر بیمے دار کا حق کمپنی کے مجموعی منافع پر نہیں ہوتا۔ پالیسی کے لحاظ سے بیمہ زندگی کی تین اقسام ہیں۔

لائف پالیسی (جسے ٹرم پالیسی کہا جاتا ہے) اس نظام کے تحت مقررہ رقم بیمہ دار کی موت واقع ہونے پر اس کے پسماندگان کو ادا کی جاتی ہے۔

ہول لائف پالیسی: اس نظام کے تحت قسط ادا کرنے کی مقررہ مدت ختم ہونے سے قبل جب بھی بیمہ دار کی موت واقع ہو جائے تو اس کے پسماندگان کو معاہدہ کی رقم ملے گی۔

Marfat.com

معاہدہ وقف (Endoment Policy)

اس نظام کی رو سے بیمہ دار کو ایک مقررہ مدت کے پورا ہونے پر یا اگر اس سے پہلے موت واقع ہو جائے تو اس کے پسماندگان کو مقررہ رقم ادا کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بے شمار بیمہ کی شکلیں ایجاد ہو گئی ہیں مثلاً شادی، بچوں کی تعلیم وغیرہ۔ جوں جوں انسانی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں۔ توں توں بیمہ کی شکلوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

بیمہ زندگی کا عمرانی تجزیہ

بیمہ زندگی کا رواج صرف انہی ممالک میں ہو سکتا ہے۔ جہاں سرمایہ دارانہ نظام قائم ہے اس کی وجہ یہ ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ایک طبقہ تو گنج شایگان کا مالک ہو جاتا ہے تو دوسرا طبقہ نان ونفقہ کا محتاج بن جاتا ہے۔ دوسرا طبقے کو اپنی اولاد اور بڑھاپے کا فکر دامن گیر ہوتا ہے۔ اگر بے وقت موت آ گئی تو اس کی اولاد کا کیا بنے گا۔ اگر بڑھاپا آ گیا تو اس کے آخری ایام کیسے گزریں گے۔ اولاد اور بڑھاپے کا غم اس کو پس اندازی کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک ثابت شدہ امر ہے کہ رقم ہاتھ میں رہے تو کہیں خرچ ہو جاتی ہے لیکن اگر کسی ایسی جگہ رکھی رہ جائے۔ جہاں سے نکالی نہ جا سکے تو پیسہ بچا رہتا ہے۔ تو ان تمام چیزوں کو سامنے رکھ کر بیمہ زندگی کی بنیاد رکھ دی گئی کہ لوگ مقررہ مدت کے لیے مقررہ رقم ایک کمپنی کو دیتے رہیں۔ اگر وہ مقررہ مدت سے پہلے فوت ہو جائے تو بھی ان کے پسماندگان کو مقررہ رقم دے دی جائے گی۔ ورنہ مقررہ مدت کے بعد زیادتی کے ساتھ اس کی رقم اس کو واپس لوٹا دی جائے گی۔

بیمہ کمپنی بحیثیت ایک اقتصادی ادارے کے

جب عوام نے دیکھا کہ بیمہ کمپنیاں ان کی ناگہانی موت اور غیر متوقع حوادثات کے مقابلہ میں ان کو پورا پورا تحفظ دیتی ہیں۔ تو یہ کاروبار تیزی سے بڑھنا شروع ہو گیا۔ امریکہ اور انگلستان وغیرہ ملکوں میں یہ کاروبار تو بہت ہی پھیلا ہوا ہے۔ پاکستان میں اتنی سرعت کے ساتھ نہیں پھیل رہا۔ پھر بھی پاکستان میں بیمہ کمپنیاں کروڑوں روپے سالانہ عوام سے حاصل کر رہی ہیں۔ پھر آگے اس رقم کو کاروبار پر لگاتی ہیں۔ اقتصادیات کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ انشورنس کمپنیاں بازار زر کا ایک بڑا وسیع اور اہم حصہ ہیں۔ ایک مقولے کے مطابق سرمائے کی ایک بڑی مقدار کو زیر تصرف رکھتی ہیں۔

اسلام اور بیمہ

بیمہ کا کاروبار جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ علماء کا ایک طبقہ اس کاروبار کو جائز قرار دیتا ہے۔ پہلے ان علماء کا فتوی درج کیا جاتا ہے جو اس کو جائز قرار دیتے ہیں بعد میں

Marfat.com

بیمہ کے کاروبار کا تجزیہ کر کے بتایا جائے گا کہ آیا یہ کاروبار شرعی لحاظ سے جائز ہے؟ دوم اس کو جائز بنانے کے لیے اصلاح کی کیا تدابیر اختیار کی جانی چاہیے۔

علمائے کرام کے فتوے

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری

آج کل بیمہ زندگی کرانے کا رواج ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ بیمہ کرانے والا کچھ رقم دیتا رہتا ہے اور مقررہ مدت کے اندر مر جائے تو مقررہ رقم اس کے ورثاء کو مل جاتی ہے۔ چاہے اس کی داخل کی ہوئی رقم سے زیادہ ہی ہو اس سسٹم کے جاری کرنے سے پسماندگان میت کو فائدہ رسانی مقصود ہے۔ جو نیت نیک ہے سود خوری یا سود خورانی مقصود نہیں بلکہ پس ماندگان اور یتامیٰ کی خبر گیری مقصود ہے۔ لہٰذا جائز ہے۔

قرآن مجید میں عام اصول بیان فرمایا ہے (خدا مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے (اعمال کی مراد نیت پر ہے) چونکہ اس کام میں نیت پاک ہے لہٰذا اس کے جواز میں کلام نہیں۔

(مہر راقم ابوالوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ امرتسری)

مولانا عبدالسلام صاحب ندوی فاضل دارالسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

میں مذہبی اور دنیوی حیثیت سے بیمے کو بہت فائدہ مند تجارت تصور کرتا ہوں اور حضرت مولانا کفایت اللہ صدر جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کے فتویٰ سے اتفاق کرتا ہوں کہ وہ اس میں کسی ہمسایہ قوم سے پیچھے نہ رہیں۔ (دستخط عبدالسلام ندوی)

مولانا محمد داؤد غزنوی

میری رائے میں زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے۔ کوئی شرعی دلیل اس کے خلاف نہیں۔ جو لوگ اسے جوا قرار دیتے ہیں وہ محض ناواقفی کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں۔

از درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا دہلی

مسلمان بحیثیت مجموعی بہت فضول خرچ ہوتے ہیں۔ بچوں کے لیے یا اپنے لیے کچھ جمع کرنا نہیں جانتے لاکھوں مسلمان ایسے ہیں کہ جمع کرنا بھی چاہتے ہیں۔ مگر نہیں کر سکتے کیونکہ کوئی نہ کوئی خرچ ایسا آ جاتا ہے کہ جمع شدہ رقم اڑ جاتی ہے۔ بیمہ ایسی چیز ہے مجبور انسان کچھ نہ کچھ بچاتا ہے جس سے برا وقت آ پڑنے پر متوفی کی بیوی بچوں کو تسکین مل جاتی ہے۔ اس لیے ہر مرید اور مسلمان بھائی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی زندگی کا بیمہ کرائے میں نے خود غور و خوض کے بعد اپنی زندگی کا بیمہ کرا لیا ہے۔

دستخط مخلص حسن نظامی

Marfat.com

مولانا ابوالکلام آزاد

جہاں تک اسلام کے احکام کا میں نے مطالعہ کیا ہے میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ زندگی کا بیمہ کرانا کسی طرح بھی اسلامی احکام کے برخلاف نہیں ہو سکتا مجھ سے جب کسی نے اس بات کے بارے میں دریافت کیا ہے تو میں نے اسے ہمیشہ یہی جواب دیا ہے۔

دستخط ابوالکلام

علماء کے فتاویٰ کو غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ جائز صرف اس وجہ سے قرار دیتے ہیں کہ بیمہ دار کی ناگہانی موت کے بعد اس کے پس ماندگان کو ایک رقم مل جاتی ہے جس سے وہ دوسرے لوگوں کی دست نگری سے بچ جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ متوفی کے پسماندگان کو ایک رقم مل جاتی ہے۔ جس سے بسر اوقات ہو جاتی ہے اور ان کو مصائب کا سامنا کرنا نہیں پڑتا لیکن اس کاروبار کے ناجائز ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔ جن کی طرف علماء کا ذہن نہیں گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ بیمہ کمپنیاں کہاں کہاں اپنا روپیہ لگاتی ہیں۔

ناجائز ہونے کی وجوہ

۱۔ بیمہ کمپنیاں جو لوگوں سے بالاقساط روپیہ حاصل کرتی ہیں اس کے ایک بہت بڑے حصّہ کو سودی کاروبار پر لگاتی ہیں۔

۲۔ آدمی کے مرجانے پر رقم اس شخص کو ملتی ہے جس کے متعلق وہ اپنے معاہدہ نامہ میں وصیت کر جاتا ہے۔ شریعت کی رو سے اس رقم کی حیثیت ترکے کی ہے۔ جسے شرعی وارثوں میں تقسیم ہونی چاہیے۔

۳۔ بیمہ دار کمپنی کے نقصان میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ اس رقم کا ہر صورت میں لینے کا حق دار ہو جاتا ہے جو معاہدہ نامہ میں لکھی جا چکی ہے۔

۴۔ بیمہ کمپنیاں نظام سرمایہ داری کے درخت کی ٹہنیاں ہیں۔ جس کا پھل سرمایہ دار ہی حاصل کرتے ہیں۔

اصلاحی تدابیر

۱۔ کمپنیاں اپنے روپیہ کو سودی کاروبار میں نہ لگائیں۔ بلکہ سرکاری یا نیم سرکاری کمپنیوں، کارخانوں وغیرہ کے حصص خرید کریں۔

۲۔ بیمہ دار کے لیے یہ ضروری اقرار دیا جائے کہ وہ جمع شدہ رقم کو شریعت کے مطابق ورثاء میں

تقسیم کرنے کی وصیت کرے۔

۳۔ بیمہ دار کے لیے نفع کی شرح مقرر نہ کی جائے بلکہ برابر کے نفع اور نقصان میں شریک کیا جائے۔

۴۔ بیمہ داروں میں بہت ہی قلیل رقم تقسیم ہوتی ہے۔ کثیر منافع کمپنی کے مالکوں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے۔ بیمہ کمپنیوں کو مضاربت اور شراکت کے اصول پر کام کرنا چاہیے۔ مضاربت اور شراکت کے اصولوں کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

علماء کا ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو بیمہ میں ربا اور قمار کے عناصر پائے جانے کی وجہ سے حرام قرار دیتا ہے۔

ریاض میں ہیئہ کبار العلماء السعودیہ نے اپنے دسویں جلسہ منعقدہ بتاریخ ۴/ ۱۳۹۷ھ کو انشورنس کے متعلق بحث کی ہے اور اس کے حرام ہونے کا فیصلہ کیا۔

رابطہ العالم الاسلامی کے تحت مجمع الفقہ الاسلامی نے مکہ مکرمہ میں اپنے پہلے اجلاس منعقدہ ۱۰ شعبان ۱۳۹۸ء میں بحث وتمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ انشورنس کی تمام قسمیں حرام ہیں۔ یہ فیصلہ اکثریت سے کیا گیا لیکن مصطفیٰ الزرقاء نے اس میں اختلاف کیا۔ منظمۃ المؤتمر الاسلامی کے تحت مجمع الفقہ الاسلامی نے جدہ میں ۱۰ سے ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ بمطابق ۲۲ سے ۲۸ دسمبر ۱۹۸۵ء میں ایک کانفرنس کی اور بیمہ کو حرام قرار دیا۔

اسلامی اقتصادیات کی عالمی پہلی کانفرنس منعقدہ ۲۱ تا ۲۶ صفر ۱۳۹۶ھ بمطابق ۱۲ تا ۲۶ فروری ۱۹۷۶ء مکہ مکرمہ میں انشورنس کے متعلق بحث کی اور عدم جواز کا فیصلہ کیا۔

مجمع الفقہ الاسلامی نے انشورنس کی تمام مختلف قسموں میں غور کیا اور علماء کرام نے جو کچھ لکھا تھا اس سے واقف ہوئی۔ نیز مجلس ہیئہ کبار العلماء السعودیہ نے اپنے دسویں اجلاس منعقدہ ۴/ ۱۳۹۷ھ ریاض میں جو فیصلہ کیا تھا۔ اس کے معلوم کرنے کے بعد کامل تحقیق اور اس سلسلہ میں تبادلہ آراء کے بعد مجلس نے اکثریت کے ساتھ انشورنس کی تمام قسموں کو حرام قرار دیا۔ خواہ بیمہ زندگی ہو یا سامان تجارت ہو یا اس کے علاوہ اموال ہوں۔

علماء ہند نے انشورنس کو ناجائز قرار دیا ہے لیکن بھارت کے مخصوص حالات جن میں مسلمانوں کے مال و جان ہر وقت خطرے میں رہتے ہیں۔ جائز قرار دیا ہے مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنو نے اپنے اجتماع مورخہ ۱۵/ ۱۶ دسمبر ۱۹۶۵ء میں انشورنس کے مسئلہ پر غور کیا اور لکھا۔

مجلس یہ رائے رکھتی ہے کہ اگرچہ انشورنس کی سب شکلوں کے لیے ربوٰ و قمار (سود اور جوا) لازم ہے اور ایک کلمہ گو کے لیے ہر حال میں اصول پر قائم رہنے کی کوشش کرنا ہی واجب ہے لیکن جان و مال کے تحفظ و بقا کا جو مقام شریعت اسلامیہ میں ہے مجلس اسے بھی وزن دیتی ہے۔ نیز مجلس صورت حال سے بھی صرف نظر نہیں کر سکتی کہ موجودہ دور میں ملکی بلکہ بین الاقوامی ریاستوں سے انشورنس انسانی زندگی میں اس طرح دخیل ہو گیا ہے کہ اس کے بغیر اجتماعی اور کاروباری زندگی میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں اور جان و مال کے تحفظ کے لیے بھی بعض حالات میں اس سے مفر ممکن نہیں ہوتا اس لیے ضرورت شدیدہ کے پیش نظر اگر کوئی شخص اپنی زندگی یا اپنے مال یا اپنی جائیداد کا بیمہ کرائے تو مذکورہ بالا ائمہ کرام [1] کے قول کی بناء پر شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

---

[1] علماء کرام کے اسماء گرامی مولانا شاہ معین الدین صاحب، مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی صاحب، مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا سید فخر الحسن صدر مدرس دارالعلوم، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا محمد اویس ندوی، مولانا شاہ عون احمد قادری پھلواری شریف پٹنہ، مولانا ابواللیث ندوی اور مولانا اسحاق سندیلوی نے دستخط کیے۔

Marfat.com

باب ۱۴

بین الاقوامی تجارت اور مالیات کی بلاسود فراہمی

Marfat.com

بین الاقوامی تجارت اور مالیات کی بلاسود فراہمی

تمام دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کر گئی ہے کوئی ملک بھی کسی دوسرے ملک سے بے تعلق نہیں رہ سکتا۔ نہ ہی اپنی ضروریات دوسرے ممالک سے تعلقات قائم رکھے بغیر پوری کر سکتا ہے۔ ملکی معیشت کی ترقی کے لیے بھی تمام دنیا سے تعلقات قائم رکھنا ضروری ہے۔ اس اہمیت کے ہوتے ہوئے کوئی مسلم ملک دنیا کے دیگر ممالک سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔

مسلم ممالک کے لیے بین الاقوامی تجارت کے سلسلہ میں سب سے اہم مسئلہ سود کا ہے۔ اسلام سود کو حرام قرار دیتا ہے جبکہ غیر مسلم دنیا کے لیے سود جائز ہے دور حاضر میں مسلم ماہرین معاشیات اس مسئلہ کے حل کے لیے غور و خوض کر رہے ہیں بے شمار کتابچے اور کتب بازار میں آ گئی ہیں بہت ہی فکر انگیز ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں معاشی مسئلہ سیاسی قوت کے ساتھ منسلک رہا ہے مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں بری اور بحری رستوں کے ذریعے دور دراز ملکوں کے ساتھ تجارت کی۔ اشیاء ضرورت کی درآمد اور برآمد کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی وصولیوں اور ادائیگیوں کو سود سے پاک رکھا۔ اب سیاسی قوت مغرب کے پاس ہے۔ اس کی تجارت کی بنیاد سود پر ہے لہٰذا اب مسلمانوں کو بھی اس بنیاد پر تجارت کرنا پڑتی ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کا حل تو یہی ہے کہ مسلمان سیاسی قوت کو بڑھائیں۔ مغربی سیاسی قوت کے پنجے سے نکلیں تاہم مسلم ماہرین معاشیات نے اسلام کی روشنی میں سود کی لعنت سے بچنے کے لیے چند راہیں متعین کی ہیں ان پر چل کر بلاسود تجارتی کاروبار کیا جا سکتا ہے۔ تجارت خارجہ کے دو پہلو ہیں۔

۱۔ درآمد (Import)   ۲۔ برآمد (Export)

ان ہر دو پہلوؤں میں چار فریق شامل ہیں۔ ۱۔ درآمد کنندہ (Importer) ۲۔ درآمد کنندہ کا بنک (Importer's bank) ۳۔ برآمد کنندہ (Exporter) ۴۔ برآمد کنندہ کا بنک (Exporter's bank)

درآمد اور برآمد شعبوں کو بلاسود بنیاد پر سرمایہ کی فراہمی کے حسب ذیل طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔

(الف) درآمدات کا شعبہ

۱۔ بنک درآمدی اجازت نامہ اور دیگر متعلقہ ضروری دستاویزات کی تیاری کے سلسلہ میں معاونت

Marfat.com

کرتا ہے اس کے لیے حق الخدمت (Service charge) وصول کر لیتا ہے۔ یہ عمل سود سے پاک ہے۔

۲۔ اجرائے اعتبار نامہ (Opening of letters of credit) اعتبار نامہ (L.C) درآمد کنندہ کا بنک برآمد کنندہ کے نام جاری کرتا ہے۔ جس سے برآمد کنندہ اس بنک سے برآمدی اشیاء کی رقم بذریعہ ڈرافٹ وصول کرنے کا مستحق قرار پاتا ہے۔ درآمد کنندہ کا بنک اعتبار نامہ (ایل۔ سی) کے اجراء کا حق الخدمت وصول کرتا ہے اگر درآمد کنندہ درآمدی اشیاء کی پوری قیمت اپنے بنک کو ادا کر دے تو بنک کو سود کی ادائیگی کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ بنک کی حیثیت صرف ایک وکیل کی ہو جاتی ہے جو حق خدمت کے عوض اپنی خدمات مہیا کرتا ہے اگر درآمد کنندہ پوری قیمت بنک کو ادا نہیں کرتا اور بنک مطلوبہ رقم اپنے سرمایہ سے برآمد کنندہ کو مہیا کرے تو اس صورت میں سود سے بچنے کے لیے حسب ذیل طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔

ا۔ اعتبار نامہ المشارکہ (Letter of credit Al-Musharikah) درآمدہ کنندہ کا بنک درآمد کنندہ کو غیر ادا شدہ رقم نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر فراہم کرے۔ درآمدی مال کی وصولی کے بعد اسے فروخت کرے اور طے شدہ شرائط کے مطابق بنک اور درآمد کنندہ نفع اور نقصان کو تقسیم کر لیں۔

۲۔ اعتبار نامہ المرابحہ (Letter of credit Al-Murabaha) اس صورت میں درآمد کنندہ کی درخواست پر مال خود برآمد کرے۔ مال کی ملکیت بھی بنک کی ہوتی ہے۔ پھر اصل قیمت پر مناسب منافع لگا کر مال درآمد کنندہ کے ہاتھ بیچ دے۔ درآمد کنندہ شرائط کے تحت یک مشت یا بالاقساط مطلوبہ رقم ادا کرے گا۔

۳۔ اعتبار نامہ المضاربہ (Letter of credit Al-Mudarbah) اس صورت میں بنک صرف سرمایہ فراہم کرے گا جبکہ درآمد کنندہ اشیاء وغیرہ کو خود بیچے گا۔ منافع دونوں فریقوں کے درمیان شرائط کے مطابق تقسیم ہو جائے گا۔ نقصان کی صورت میں پورا نقصان بنک کو برداشت کرنا پڑے گا۔

برآمدات کا شعبہ

برآمدات کے شعبہ میں سرمایہ کی فراہمی کی ضرورت دو مرحلوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔

ا۔ برآمدی مال کی ترسیل سے قبل (Pre-shipping period)

• برآمدی مال کی ترسیل کے بعد (Post shipping period)

Marfat.com

مال کی ترسیل سے قبل

برآمدی مال کی ترسیل سے قبل برآمد کنندہ کو مال کی تیاری یا فراہمی کے انتظامات کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ برآمد کنندہ

۱۔ کمرشل بنک سے نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد رقم حاصل کرسکتا ہے۔

۲۔ کمرشل بنک بیع موجل کے طور پر برآمد کنندہ کے لیے مطلوبہ برآمدی مال خرید کر اضافی قیمت (منافع) کے ساتھ ادھار کی صورت میں اسے فروخت کر دے۔ برآمد کنندہ مال کی ملکیت حاصل کرنے کے بعد اسے بیرون ملک اپنے مشتری کو بھیج دے اور قیمت کی وصولی کے بعد کمرشل بنک کو واجب الادا رقم ادا کردے۔

۳۔ کمرشل بنک برآمد کنندہ کو حکومت یا اسٹیٹ بنک وغیرہ سے مخصوص مالی مراعات حاصل کرنے کی غرض محض حق الخدمت(Service charge) وصول کر کے سرمایہ مہیا کرسکتا ہے۔

مال کی ترسیل کے بعد

غیرملکی مشتری کو برآمدی مال کی ترسیل اور اشیاء کی قیمت کی وصولی کے درمیان وقت لگ جاتا ہے۔ قیمت کی وصولی کے لیے دوطرح کی ہنڈیاں(Bill of Exchange) استعمال ہوتی ہیں۔

۱۔ درشنی ہنڈیاں(Sight bill) جس کی ادائیگی مال کی وصولی کے ساتھ ہی موقع پر کرنی پڑتی ہے۔

۲۔ میعادی ہنڈی یہ بل مختلف میعادوں کے ہوسکتے ہیں مثلاً ۳۰ دن، ۹۰ دن وغیرہ۔

یہ ہیں وہ مختلف صورتیں جن پر عمل کر کے تجارت خارجہ کے لیے بلاسود سرمایہ کمرشل بنکوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ حالات کے مطابق اسلام کی اقتصادی پالیسی کی روشنی میں مزید راہیں بھی تلاش کی جا سکتی ہیں۔ عالم اسلام بلاسود بین الاقوامی تجارتی بنک قائم کر کے تجارت خارجہ کے لیے بلاسود سرمایہ کی فراہمی کا بندوبست بھی کرسکتا ہے اس پر عالمی اسلامی قوتوں کو غور کرنا چاہیے۔

عالم اسلام کے اقتصادی مسائل

کرہ ارض پر ۵۷ اسلامی ممالک ہیں۔ ان کی مجموعی آبادی ۱.۴۴ ارب ہے۔ جبکہ کرہ ارض پر ۶.۴۷ افراد رہائش پذیر ہیں۔ یعنی اسلامی ملکوں کی آبادی دنیا کی آبادی کا ۲۲.۲۶ فیصد ہے۔ اس کے علاوہ اکثر ممالک زمینی اور بحری رستوں کے سنگم واقع ہیں۔ دنیا کی بہترین افرادی قوت اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ اس دور میں سب سے اہم دولت ''تیل'' ہے۔ تمام دنیا کی دولت کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیں اور اسلامی دنیا کی اس دولت ''تیل'' کو دوسرے پلڑے میں، تو اسلامی دنیا کا پلڑا کہیں بھاری ہوگا۔ اسلامی دنیا کے معدنی وسائل کا یہ حال ہے۔ دنیا بھر میں پٹرولیم کے ذخائر کا ۷۰٪ حصہ مسلم ممالک

Marfat.com

کے پاس ہے اس دولت کے علاوہ کون سا قدرتی وسیلہ ہے جو اسلامی دنیا کو اللہ تعالیٰ نے نہ دیا ہو۔ مثلاً پٹ سن ۹۲٪ گوند ۸۹٪ قدرتی ربڑیں، ۷۲٪ کپاس میں ۳۶٪ ٹن میں ۵۲٪ فاسفیٹ میں ۳۳٪ خوردنی تیل میں ۷۵٪ گیس میں ۵۰٪ مصالحہ جات میں ۶۸ فیصد زرعی اجناس میں ۲۵ فیصد گنا میں ۱۰ فیصد امت مسلمہ کے پاس ہے۔ مجموعی طور پر دنیا بھر کے وسائل اور معدنیات کے ۳۵ فیصد حصے مسلم ممالک کے پاس ہیں۔ اس کے باوجود اسلامی ممالک کو اقتصادی مسائل درپیش ہیں۔ اسلامی کانفرنس تنظیم کے ممالک تین کھرب ۸۳ ارب ڈالر کے مقروض ہیں۔ اس کے کئی وجوہ ہیں۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلامی دنیا کی دولت (تیل) اغیار کے ہاتھوں میں ہے اور وہی اس دولت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اسی دولت کے ذریعہ یورپ کے کارخانے چل رہے ہیں۔ اگر یہ دولت (تیل) یورپ کی طرف جانا بند ہو جائے تو یورپ کے تمام کارخانوں کی چمنیوں سے دھواں نکلنا بند ہو جائے گا۔ کتنی بدقسمتی ہے۔ یہ دولت مسلموں کی ہے لیکن فائدہ یورپ اٹھا رہا ہے۔ خصوصاً امریکہ، جب تک اسلامی ممالک خدا کی دی ہوئی اس نعمت کو واگزار نہیں کر لیتے۔ اس وقت تک اسلامی ممالک کو اقتصادی مسئلہ درپیش رہے گا۔ دوسری وجہ خود کفالت کا فقدان ہے اکثر اسلامی ممالک اپنی اقتصادی حالت بہتر بنانے کے لیے بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے قرضے لیتے ہیں وہ قرضے نہیں دراصل وہ غلامی کی زنجیریں ہیں۔ کسی ایک ملک کی مثال نہیں ملے گی۔ جس نے ان اداروں سے اپنی حالت بہتر بنانے کے لیے قرض لیا ہو۔ پھر اس کی حالت بہتر ہوئی ہو۔ اس کے برعکس اس کی حالت زیادہ ہی ابتر ہوئی ہے۔ قدیم زمانے کے غلام بنانے کے طور طریقے بدل چکے ہیں اس دور میں غلام بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی ملک کی اقتصادیات اپنے ہاتھ میں لے لو۔ وہ ملک خود بخود غلام بن جائے گا۔ امریکہ نے یہی حربہ اختیار کیا ہے ایک تو اسلامی دنیا کے تیل پر براہ راست قابض ہے جو ملک اس کی غلامی سے باہر رہ گئے ہیں ان کو اقتصادی غلامی میں جکڑ لیا ہے۔ کسی ملک کی غلامی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امریکہ کا صدر اقتصادی غلام ملک کے فوجی سربراہ کو فون کرتا ہے کہ ہوائی اڈے درکار ہیں۔ فوراً اڈے دے دیے جاتے ہیں اور بندرگاہیں بھی اسی کے زیر تسلط ہیں معاشی مسئلہ کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ عالمی رجحانات بدل چکے ہیں تمام دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اس لیے ترقی یافتہ ممالک نے اس قسم کی منصوبہ بندی کی ہے کہ ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک ان کی معاشی منصوبہ کی وجہ سے مقابلہ نہ کر سکیں اور ترقی یافتہ ممالک کی پیداوار کی منڈیاں ہی بنی رہیں۔ اسلامی ممالک کے سربراہوں کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں تاکہ ترقی یافتہ ممالک کے ان معاشی منصوبوں کا توڑ سوچیں۔ اگر بروقت مقابلہ کرنے کا ٹھوس منصوبہ نہ بنایا گیا تو پھر اسلامی ممالک صرف خام مال ہی پیدا کر کے برآمد کر سکیں گے اور مہنگے داموں اپنے ہی خام مال سے بنی ہوئی چیزیں خرید کریں گے۔

میں پاکستان کی صنعت کو سامنے رکھ کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ بجلی کا مہنگا ہونا ٹیکسوں کی بھرمار، ماہرین کی کمی، اعلیٰ اور جدید ٹیکنالوجی کا فقدان اور مزدوروں کا استحصال بڑے اثرات مرتب کر رہے ہیں۔ جس کا احساس باہر کے ماہرین نے بھی کر لیا ہے ایک ممتاز ماہر اقتصادیات اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں ڈیولپمنٹ

Marfat.com

اکنامکس کے ماہر پروفیسر ڈاکٹر بنجے لال نے ایشیائی بنک اور وزارت خزانہ کے اشتراک سے منعقد کیے گئے ایک سیمینار میں "Industry in Pakistan facing to challanges of international competitiveness" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا۔ مقالہ میں جو پاکستانی صنعت کے بحران سے متعلق دلائل دیے پاکستان کے گورنر اسٹیٹ بنک ڈاکٹر عشرت حسین نے بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ کسی بھی اقتصادیات کے تجارتی عمل میں مقابلہ کی سکت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جس کے حصول کے لیے مستحکم اور مضبوط میکرو اکانومی اور ٹریڈ پالیسی کا ہونا، تمام اقتصادی عوامل کو آزادانہ ماحول دست یاب ہو۔ سرمائے کی آسانی ہو۔ انفرا اسٹرکچر کی سہولتیں آسان اور باکفایت ہوں۔ انسانی وسائل کی مہارت ٹیکنالوجی کو وسعت دینے کی حکمت عملی مقابلہ کی سکت اور اقتصادی فروغ کے لیے لازمی ہے۔ (جنگ روزنامہ جنگ ۱۴ دسمبر ۲۰۰۳ء)

عالم اسلام کے اقتصادی مسائل کے حل کی چند تجاویز

۱۔ جمہوری کلچر کو فروغ دینا۔

۲۔ مسلم ماہرین معاشیات کی کمیٹی تشکیل دی جائے یہ کمیٹی عالم اسلام کو درپیش معاشی مسائل پر غور وفکر کر کے ان کے حل کے لیے لائحہ عمل تجویز کرے۔

۳۔ عالم اسلام کے بڑے بڑے شہروں میں مشترکہ معاشی کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔ جن میں ماہرین معاشی مسائل کا حل پیش کریں۔ عالم اسلام کا ایک مشترکہ ترقیاتی بنک قائم کیا جائے جو پسماندہ مسلم ممالک کو قرضہ حسنہ کے طور پر سرمایہ مہیا کرے۔

۴۔ اسلامی ممالک باہمی تجارت کو فروغ دیں۔

۵۔ سائنسی علوم میں ترقی کر کے جدید ٹیکنالوجی پر دسترس حاصل کی جائے اس کے بغیر اقتصادی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

۶۔ عالم اسلام ایک مشترکہ اقتصادی کمشن قائم کرے جو مسلم ممالک میں اقتصادی ترقی کا جائزہ لیتا رہے جہاں کوئی نقص ہو۔ اس کی نشان دہی کرے۔ ایک معاشی کفالت کا فنڈ ہونا چاہیے جو مسلم ملک اقتصادی مشکل میں ہو اس فنڈ سے مدد کی جائے۔

۸۔ مسلم ممالک میں مشترکہ سرمایہ کاری ہونی چاہیے۔

۹۔ تمام اسلامی ممالک میں یکساں کرنسی کا اجراء کیا جائے تاکہ جس سے تجارتی مشکلات دور ہو جائیں گی۔

۱۰۔ باہر کے بنکوں سے مسلمانوں کا جمع شدہ سرمایہ اپنے اپنے ملک میں واپس لایا جائے۔ مسلمانوں کا سرمایہ مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔

Marfat.com

باب ۱۴

اسلام اور نیا عالمی اقتصادی نظام

Marfat.com

اسلام اور نیا عالمی اقتصادی نظام

نیا عالمی اقتصادی نظام، یہ ایک استحصالی نظام کا نام ہے۔ جس میں خاص حکمت کے تحت ترقی یافتہ ممالک، ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کا خام مال اپنے اپنے ملک میں لے جاتے ہیں۔ پھر اشیاء تیار کرتے ہیں اس خام مال کی تیار شدہ اشیاء، ترقی پذیر ممالک کی منڈیوں میں بھیجتے ہیں۔ کم داموں خام مال حاصل کرتے ہیں۔ مہنگے داموں اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ جس وجہ سے ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کی برآمدات کی مالیت کم ہو رہی ہے اور درآمدات کی مالیت بڑھ رہی ہے۔ اس وجہ سے ان کا توازن ادائیگی اکثر خسارے میں رہتا ہے۔

دور حاضر میں صنعت کا دار و مدار اعلیٰ ٹیکنالوجی پر ہے۔ جس سے ترقی پذیر ممالک محروم ہیں۔ اس وجہ سے ترقی پذیر ممالک صنعت کے میدان میں ترقی یافتہ ممالک کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ترقی پذیر ممالک، ترقی یافتہ ممالک کے لیے خام مال کی منڈیاں ہی بنیں رہیں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ترقی پذیر ممالک خصوصاً اسلامی دنیا کس طرح اس استحصالی نظام سے نجات پا سکتی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے یہ بیان کر آیا ہوں۔ اس استحصالی نظام کو قائم رکھنے کے لیے یورپ کے قائد امریکہ نے اکثر اسلامی ممالک میں اپنے خاکی اور سفید وردی والے ایجنٹ بطور حکمران مقرر کر رکھے ہیں جس وجہ سے اسلامی ممالک اسلام کے بتائے ہوئے نظام حکمرانی جمہوریت سے یکسر محروم ہیں میرے خیال میں اسلامی ممالک میں صرف دو ملک ایسے ہیں جہاں جمہوریت ہے اور نمائندے عوام کی مرضی سے چنے جاتے ہیں۔ وہ ہیں ایران اور بنگلہ دیش۔ یہی وجہ ہے ایران، امریکہ کو بھی آنکھیں دکھا دیتا ہے اور اپنے پرُ امن ایٹمی پروگرام کے سلسلہ میں مداخلت کی اجازت نہیں دیتا۔ اور پرُ امن ایٹمی پروگرام کو جاری رکھنے کا ہر ملک کا حق سمجھتا ہے۔ دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ کی دھمکیاں بھی ایران کو خائف نہیں کر سکیں۔ ایران کی اس قوت کا راز صرف یہ ہے کہ وہاں جمہوریت ہے جو نمائندے بھی منتخب ہو کر برسر اقتدار آتے ہیں ان کے پیچھے عوام کی طاقت ہوتی ہے۔ عالمی اقتصادی نظام کے بد اثرات سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی ممالک اسلام کا عطا کردہ نظام حکومت ''جمہوریت'' کو اپنائیں۔ ملک میں صاف شفاف انتخاب ہوں عوام کی مرضی سے ہی حکمرانوں کا انتخاب ہو، اسی راستہ پر چل کر مسلمان منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ خاکی وردی کے غاصب حکمران ملک کی تقدیر بدل نہیں سکتے وہ ملک کی

Marfat.com

تباہی کا تو باعث بن سکتے ہیں لیکن تعمیر کا سبب نہیں بن سکتے۔ تاریخ یہی بتاتی ہے۔

عالمی اقتصادی نظام کے بداثرات سے بچنے اور تجارت میں اپنے حجم کے مطابق مسلمانوں کو حصہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ جدید ٹیکنالوجی دسترس حاصل کریں۔ جدید ٹیکنالوجی مسلمانوں کی کھوئی ہوئی میراث ہے۔ اس کو حاصل کرنا عین فرض ہے۔ اگر مسلمان ممالک جدید ٹیکنالوجی کو عبادت کی طرح فرض قرار دے کر حاصل کرنے کے پیچھے پڑ جائیں۔ تو چند ہی سالوں میں اس کے بہترین نتائج پیدا ہونے شروع ہو جائیں گے۔ جدید ٹیکنالوجی پر دسترس حاصل کرنے کے لیے سائنس دان پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس لیے اسلامی ممالک میں سائنسی علوم کے نصاب کو دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق مرتب کیا جائے۔ ذہین طلباء کی حوصلہ افزائی کی جائے جو جوہر قابل یورپ کی لیبارٹریوں میں کام کر رہے ہیں۔ انھیں عزت و آبرو سے اپنے اپنے ملک میں لایا جائے جو اپنے اپنے ملک میں پہلے ہی شعبہ تعلیم یا تحقیق سے منسلک ہیں۔ ان کے لیے سہولتیں مہیا کی جائیں ان کے لیے آزاد فضا پیدا کی جائے۔ سائنسی ریسرچ کو فرقہ واریت سے پاک رکھا جائے۔

سائنسی علوم کی ترقی کے لیے اسلامی ملک اپنی اپنی یونیورسٹیوں میں سیمینار منعقد کریں ہر اسلامی ملک کے سائنس دان اپنی اپنی تحقیق لے کر آئیں اور دوسرے اسلامی ملک کے سائنس دانوں کو اس سے آگاہ کریں۔

سائنسی علوم کی ترقی کے لیے اسلامی ممالک ایک سائنس فنڈ قائم کریں۔ ایک تو اس فنڈ سے سائنس کی ترقی پر خرچ کیا جائے دوم مسلم سائنس دانوں کی حسن کارکردگی پر خطیر رقم بطور انعام دی جائے۔

اسلامی ممالک کے پاس ایک نعمت غیر مترقبہ ہے وہ ہے تیل اس تیل پر یورپ کی صنعت کا دارو مدار ہے۔ اس سے یورپ کے کارخانوں کی چمنیوں سے دھواں نکل رہا ہے۔ کتنے صدمہ کی بات ہے دولت تو مسلمانوں کی ہو فائدہ غیر اٹھا رہے ہوں۔ پھر کس طرح ایک منصوبہ کے تحت امریکہ نے اس دولت پر قبضہ جما لیا ہے اور قبضہ جمائے جا رہا ہے۔ عراق پر حملہ بھی اس منصوبہ کا حصہ تھا۔ افغانستان پر قبضہ بھی اس لیے کیا گیا ہے تاکہ روس سے آزاد ہونے والی مسلم ریاستوں کے تیل اور دوسری معدنیات تک رسائی آسان ہو سکے۔ جب تک مسلم ممالک اپنی اس دولت (تیل) کی حفاظت نہیں کرتے اور امریکہ کے قبضہ سے واگزار نہیں کراتے اس وقت تک عالمی اقتصادی نظام کے بداثرات سے بچ نہیں سکتے۔

عالمی اداروں پر آئی ایم ایف (بین الاقوامی مالیاتی فنڈ) عالمی بنک (World Bank) اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل پر عالمی اقتصادی نظام بنانے والوں کا قبضہ ہے۔ جبکہ اسلامی ملکوں کی مجموعی آبادی دنیا کی آبادی کا ۲۲.۲۶ فیصد ہے اس لیے ان عالمی اداروں میں مسلمانوں کے حجم کے مطابق حصہ ہونا چاہیے تاکہ عالمی سطح پر معاشی اور سیاسی فیصلہ سازی میں مسلم دنیا کے ممالک کی تعداد موثر ہو سکے۔

اسلامی ممالک قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ جب وہ قرضہ لیتے ہیں تو سخت شرائط کے تحت دیے جاتے ہیں۔ ان کا حقیقی فائدہ قرضہ لینے والے ملک کو نہیں ہوتا بلکہ قرضہ دینے والے کو ہوتا ہے۔ اب قرضوں کا بوجھ اتنا بڑھ چکا ہے کہ ان کی برآمدات سے حاصل ہونے والی آمدنی کا بڑا حصہ سود اور قرضوں کی ادائیگی میں چلا جاتا ہے۔ اسلامی ممالک کے قرضوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان ممالک اپنا ایک مالیاتی ادارہ قائم کریں۔ جو مسلم ممالک کی اقتصادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے تعاون کرے۔ جب تک ورلڈ بنک کے مقابل مسلمان ممالک کا اپنا اسلامی بنک قائم نہیں ہوتا اس وقت تک مسلمان ممالک قرضوں کے بوجھ سے نجات نہیں پا سکتے۔ نہ ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو سکتی ہے کہ نہ عالمی اقتصادی نظام کے بداثرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور نہ اپنے حجم کے مطابق عالمی تجارت میں اپنا حصہ لے سکتے ہیں۔

عالمی اقتصادی نظام کے بداثرات سے بچنے کے لیے چند تجاویز رقم کی گئی ہیں لیکن میرے نزدیک جب تک مسلم ممالک حقیقی جمہوریت کے رستہ پر گامزن نہیں ہوتے۔ دوم جب تک اسلامی نظام معیشت اختیار نہیں کرتے۔ سرمایہ داری اور جاگیرداری کی لعنت کو اپنے کندھوں سے نہیں پھینک دیتے۔ اس وقت تک اقتصادی میدان میں ترقی کر کے عالمی اقتصادی نظام کے بداثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

اب مسلمانوں کو اسلام کی ترقی کے لیے امریکہ کے ''دوستوں'' سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ نجات اتحاد، اتفاق اور دینی غیرت سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

مسلمان یہ بھی یاد رکھیں جب امریکہ کا ''دوست'' منتخب حکومت کا تختہ الٹ کر برسراقتدار آتا ہے تو عوام کو ترقی کے سہانے وعدے دیتا ہے اور ملک کو ترقی کے راستہ پر گامزن کرنے کا مژدہ سناتا ہے۔ یہی اس کی منافقت کی لَے ہوتی ہے بھلا آئین سے غداری اور اپنے عہد موثق سے بے وفائی کر کے برسراقتدار آنے والا قوم کا کب نجات دہندہ ہو سکتا ہے۔ وہ تو اپنے آقا امریکہ کا ایجنڈا لے کر آتا ہے۔ جس سے ملک میں معاشرتی اور اقتصادی تفریق پیدا کر کے ملک کی سالمیت کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔

پچھلے باب ۱۳ میں عالم اسلام کے اقتصادی مسائل کے حل کی چند تجاویز رقم کی ہیں۔ وہ بھی نئے عالمی اقتصادی کے بداثرات سے بچنے کے لیے ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ عالم اسلام کے لیے یہ ضروری ہے کہ یورپ خصوصاً امریکہ کی اقتصادی غلامی کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں۔ اس پر جتنا جلدی عمل کیا جائے اتنا ہی مسلمانوں کے لیے بہتر ہے۔

Marfat.com

باب ۱۵

اسلامی ریاست کا معاشی کردار

Marfat.com

اسلامی ریاست کا معاشی کردار

اسلامی ریاست سے مراد وہ خطہ ہے جہاں اسلام عملی رنگ میں نافذ ہو اور لوگ اسلام کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوں۔ دور حاضر میں کوئی بھی مسلمان خطہ ایسا نہیں جہاں اسلام اپنی حقیقی روح سے نافذ ہو۔ مسلمانوں کے تنزل کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کی زندگیوں میں اسلام کی خوشبو نہیں آتی۔

اس باب میں ایک اسلامی ریاست کے معاشی کردار پر مختصراً بحث کی جائے گی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کسی ملک کا اقتصادی نظام درست ہو جائے تو دیگر مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ زیر نظر کتاب "اسلام کے معاشی نظام" سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا تو بڑا آسان ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا گیا ہے وہی اسلامی ریاست کا کردار ہونا چاہیے چونکہ اسلام کے معاشی اصولوں کے متعلق علماء میں اختلاف ہے ایک قاری اس کتاب کے مباحث سے بھی اختلاف کر سکتا ہے۔ اس لیے ایک حاکم کے لیے یہ جواز موجود ہے کہ وہ متنازعہ اصول کیونکر نافذ کرے۔ لیکن اسلام کے بعض ایسے سکہ بند اصول ہیں جن سے کوئی شخص اختلاف نہیں کر سکتا۔ ان میں سے ایک اصل الاصول "اقتصادی عدل اجتماعی" ہے۔ لہٰذا اس باب میں اقتصادی عدل اجتماعی پر بحث ہوگی۔ یہی اسلامی ریاست کا کردار ہونا چاہیے۔

قرآن مجید میں دو طرح کے معاشی نظاموں کا ذکر کیا گیا ہے ایک قارونی معاشی نظام (سرمایہ داری نظام) دوسرا اسلامی معاشی نظام۔ (عدل اجتماعی)

قارونی (سرمایہ دارانہ) معاشی نظام

سورۃ قصص میں قارون کا ذکر ہے جو فرعون کے دور حکومت کا ایک سرمایہ دار تھا۔ اس ذکر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کا معاشی نظام دور حاضر کی اصطلاح کے مطابق سرمایہ دارانہ تھا۔ قارون کو سرمایہ دارانہ نظام کے قائم مقام ٹھہرایا ہے۔ اور اس کی خرابیوں اور بگاڑ کو واضح کیا گیا ہے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوأُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ o إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ o إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي o أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْأَلُ عَن

Marfat.com

ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِي زِيْنَتِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍo وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًاo وَلَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَo فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُo لَوْلَا اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًاo وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. (القصص ۲۸:۷۶ تا ۸۳)

''قارون موسیٰ کی قوم سے تھا اور ان پر زیادتی کرتا تھا اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیے کہ اس کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت کے لیے اٹھائی جانی مشکل تھیں۔ جب اس کی قوم نے اسے کہا اترا نہیں۔ بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اس سے جو (اللہ تعالیٰ) نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کے حصول کی خواہش کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلا اور احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور ملک میں فساد نہ چاہ۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس نے کہا یہ مجھ کو اپنے علم سے حاصل ہوا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ نے اس سے پہلے ایسی ایسی نسلوں کو ہلاک کیا جو اس سے طاقت میں بڑھ کر اور جمعیت میں زیادہ تھے، اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق پوچھا نہیں جائے گا۔

سو وہ اپنی قوم کے سامنے اس ٹھاٹھ باٹھ سے نکلا جو لوگ دنیا کی زندگی چاہتے تھے۔ انھوں نے کہا اے کاش ہمارے پاس بھی اس کی مثل ہوتا جو قارون کو ملا ہے وہ بڑے نصیب والا ہے اور جنھیں علم دیا گیا انھوں نے کہا تم پر افسوس اللہ کا دیا ہوا بدلہ اس کے لیے بہتر ہے جو ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اور یہ سوائے صبر کرنے والوں کے اور کسی کو نہیں ملتا۔

سو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو کوئی جماعت بھی اللہ کے مقابلہ میں اس کی مددگار نہ ہوئی اور نہ وہ خود اپنے تئیں بچا سکا۔

اور جو لوگ کل اس جیسی ٹھاٹھ کی تمنا کرتے تھے۔ ہائے افسوس اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے۔ رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی ذلیل کر دیتا ہائے کافر کامیاب نہیں ہوتے۔

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد چاہتے ہیں اور عاقبت متقیوں کے لیے ہی ہے۔''

مذکورہ آیات سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں کہ وہ یہ کہ سرمایہ دار اپنی کمائی کو اپنے ہنر اور علم کا

Marfat.com

نتیجہ قرار دے کر اللہ سے روگردانی کر جاتا ہے۔ دوم یہ نظام زمین میں موجب فساد ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس نظام کا ذکر کر کے لوگوں پر واضح کیا ہے گو یہ نظام اپنی ظاہری شکل میں لوگوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے ہر شخص اس نظام میں رنگین ہو کر سرمایہ دار بننا چاہتا ہے۔ جس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ لوٹ مار کر بازار گرم ہو جاتا ہے معاشرہ تباہی کے دھانے پر آ کھڑا ہوتا ہے آخر کار یہ نظام مٹ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ غیر انسانی اور غیر فطرتی نظام ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر کے حکمرانوں کی سرمایہ دارانہ روش کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَقَالَ مُوسٰی رَبَّنَا اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ o رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس ۱۰:۸۸) اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں سامان آسائش اور مال دیا ہے اے ہمارے رب اس لیے کہ وہ تیرے راستہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب ان کے مالوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔ سو وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔ اللہ نے دعا کو سن کر فرمایا اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا. تمہاری دونوں (موسیٰ اور ہارون) کی دعا قبول ہوئی۔ سرمایہ دارانہ نظام کے مفاسد کے پیش نظر ہی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون نے علیہما السلام نے اس نظام کی تباہی کے لیے اللہ کے حضور دعا کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو پایہ قبولیت بخشی۔

قرآنی نظام اور اسلامی ریاست کا کردار

اسلامی ریاست زمین پر اللہ تعالیٰ کی نائب[1] ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داریوں کو ادا کرنا اس کا اہم فریضہ ہے ان ذمہ داریوں میں سے چند ذمہ داریاں اس باب میں رقم کی جاتی ہیں۔

کفالت عامہ

کفالت عامہ سے مراد یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی حدود میں رہنے والا ہر انسان خواہ وہ مسلم ہو

---

[1] قرآن مجید میں آتا ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. (البقرہ ۲:۳۰) میں زمین ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔ یہ آیت ظاہر کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نیابت بنی نوع انسان کو سونپی ہے پھر بنی نوع انسان نے خدا کی ودیعت کی ہوئی اندرونی روشنی سے ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام ریاست ہے۔ اب اجتماعی طور پر وہ ذمہ داریاں ریاست پر ہیں۔ نیز افراد پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں شریک ہوں۔ ان ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ظلوم اور جھول کا خطاب دیا۔ یہ دونوں الفاظ مقام مدح میں ہیں۔

Marfat.com

یا غیر مسلم کی بنیادی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان شامل ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی (طٰہٰ ۲۰:۱۱۸،۱۱۹) اس میں تجھے نہ بھوک کی فکر ہوگی اور نہ لباس کی نہ پیاس اور نہ دھوپ کا ڈر ہوگا۔

رسول کریم ﷺ نے بھی ایک حدیث میں انسان کی بنیادی ضروریات کا ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

''ابن آدم کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کے لیے ایک گھر ہو جس میں وہ رہ سکے۔ کپڑا ہو جس سے اپنے جسم کو ڈھانپ سکے اور کھانے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے پانی ہو۔ (ترمذی شریف)

بنیادی ضروریات کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود ۱۱:۶) اور زمین چلنے والے پر جان دار کی روزی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاکُمْ (الاسرا ۳۱) ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں تم کو بھی۔

وَقَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَاتَهَا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ (حم سجدہ ۴۱:۱۰) اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس کی خوراکوں کا اندازہ کیا یہ چار دن میں کیا سب مانگنے والوں کے لیے یکساں ہے۔

رسول کریم ﷺ نے اسلامی ریاست کی اس ذمہ داری کی تکمیل کے متعلق فرمایا۔

من ولاه الله عزوجل شیئاً من امور المسلمین فاحتجب دون حاجتهم و خلتهم و فقرهم احتجب الله تعالیٰ دون حاجتهٖ خلتهٖ و فقره (ابو داؤد کتاب الخراج) اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا وہ ان کی (بنیادی) ضروریات اور فقر (محتاجی) سے بے پروا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔

ان الفاظ سے رسول کریم ﷺ نے ایک مسلمان حکمران کو تنبیہ کی ہے اگر وہ عوام کی بنیادی ضروریات کو پورا نہیں کرے گا اور اس سے لاپروائی برتے گا۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اعراض کرے گا فرمایا۔

مامن عبد استرعاه الله رعیة فلم یحطها بنصیحة الا لم یجد رائحة الجنة. (بخاری ۹۴:۸) کوئی شخص نہیں جسے اللہ کسی رعیت کا حاکم بنائے اور وہ خیر خواہی کے ساتھ اس کی نگہبانی نہ کرے مگر وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔

رعیت کی خیر خواہی سے مراد ان کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا ہے۔ فرمایا:

الله و رسوله مولیٰ من له مولیٰ له. (ترمذی ابواب الفرائض) جس کا کوئی سرپرست نہیں اس کا اللہ اور اس کا رسول سرپرست ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ان الفاظ میں ریاست کو عوام کا سرپرست اور والی قرار دیا ہے۔ ولایت ا

Marfat.com

سرپرستی کا یہ تقاضہ ہے کہ حکمران عوام کی بنیادی ضروریات پورا کرے۔

فرمایا:

السلطان ولی من لامولی له. (ترمذی کتاب النکاح) جس کا کوئی سرپرست نہیں بادشاہ (حکومت) اس کا سرپرست ہے۔

مذکورہ آیات اور احادیث واضح کرتی ہیں کہ عادلانہ حکومت کے سربراہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ ریاست کے اندر کوئی شخص (خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) حق معیشت سے محروم نہ ہو یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھوک سے مرنے والے کتے کا بھی اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

اقتصادی تفاوت کو کم کرنا

اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کو دوسرے انسان سے مختلف استعدادوں سے نوازا ہے اسی اختلاف سے ہی اس دنیا کی رونق ہے اور کاروبار حیات چل رہا ہے۔ اگر یہ اختلاف نہ ہو تو دنیا کا تمام کاروبار ڈھپ ہو کر رہ جائے۔

بعض لوگوں میں تحصیل علم کی استعداد ہیں اور بعض میں کاروباری استعداد مختلف اشخاص میں مختلف قسم کی استعدادیں ودیعت ہوتی ہیں۔ جو تمدنی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ استعدادوں کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں میں اقتصادی تفاوت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ. (الزخرف ۴۳:۳۲) کیا وہ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں، ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے ہیں تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ رزق کی تقسیم اللہ کے ہاتھ میں ہے اور سامان روزی کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تا کہ ایک دوسرے سے خدمت کا کام لے سکیں اور دنیا کا کاروبار چلتا رہے۔ اسی اختلاف میں ہی بہتری اور بھلائی ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل:۲۱) پھر دیکھو ہم کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں اور یقیناً آخرت درجات میں بڑھ کر اور فضیلت میں برتر ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ (الانعام ۶:۱۶۵) اور وہی ہے جس نے تم کو زمین کا حاکم بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں

Marfat.com

میں بلند کیا تا کہ تم کو اس کے بارے میں آزمائے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا. (النساء ۳۲:۴) اور اس کی تمنا نہ کرو جس سے اللہ نے تم کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ. (سبا ۳۴:۳۹) کہہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ o اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا. (بنی اسرائیل ۱۷:۳۰) تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور وہی تنگ کرتا ہے وہ اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ ایک دوسرے سے رزق میں فراخی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ایک آیت میں اس کی حکمت بھی بیان فرما دی۔ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا تا کہ ان میں سے کچھ دوسرے لوگوں سے کام لے سکیں۔

یہ ایک حقیقت ہے اس اختلاف کے بغیر کائنات کا نظام ہی نہیں چل سکتا اور رزق میں فضیلت اور برتری اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے جائز اور حلال طریقوں سے ہونی چاہیے۔ نہ کہ حرام اور ناجائز ذرائع سے۔ قرآن اور حدیث میں جائز اور ناجائز طرق کو واضح طور پر بیان کر دیا ہوا ہے۔ جن کی تفصیل اس کتاب میں اپنے اپنے موقع پر کر دی گئی ہے۔ جو شخص جائز ذرائع سے روزی کماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس ملکیت میں بھی سائلین اور محرومین کا حصہ مقرر کر دیا ہے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے لازمی ٹیکس (زکوٰۃ) لاگو کر دیا ہے تا کہ امراء اور غرباء میں مالی تفاوت کم ہو۔ اس تفاوت کو مزید کم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر امراء کو یہ حکم دے دیا ہے کہ وہ ''عفو'' یعنی اپنی ضرورت سے زائد دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں۔ ''انفاق فی سبیل اللہ'' سے مراد یہ ہے کہ زائد از ضرورت دولت ریاست کے خزانہ میں جائے اور حکومت ضرورت مندوں پر خرچ کرے۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کے دور میں ہوتا رہا ہے۔

حضرت محمود الحسن صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

جملہ اشیاء عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان ''خلق لکم ما فی الارض جمیعا'' تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی

Marfat.com

شے فی ذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں بلکہ ہر شے اہل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت ملک قرار دیا گیا اور جب تک کسی شے پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی ہے۔ اس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا۔ ہاں خود مالک و قابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کر دے کیونکہ باعتبار اصل دونوں کے حقوق اس کے متعلق ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مال کثیر حاجت سے زائد جمع رکھنا بالکل پسندیدہ نہیں۔ گو زکوۃ بھی ادا کر دی جائے اور انبیاء وصلحا اس سے بغایت مجتنب رہے چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے بلکہ بعض صحابہ وتابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرما دیا بہر کیف غیر مناسب وخلاف اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجتہ سے تو اس کی کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک ''من وجہ'' اس میں موجود! (ایضاع الادلہ ص ۲۶۸)

زائد علی الحاجت کے متعلق رسول کریم ﷺ فرماتے۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کے پاس قوت وطاقت کا سامان اپنی حاجت سے زائد ہو اس کو چاہیے کہ اس فاضل سامان کو کمزور شخص کو دے دے اور جس شخص کے پاس سامان خورد ونوش حاجت سے زائد ہو اس کو چاہیے کہ فاضل سامان نادار اور حاجت مند کو دے دے۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ حضرت پیغمبر اسلام اس طرح مختلف انواع مال کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔''

حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے۔ اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں کبھی اس میں تاخیر نہ کرتا اور بلاشبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت ان سے لے کر فقراء، مہاجرین میں بانٹ دیتا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دولت کے اموال پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے تو محض اس لیے کہ اہل ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اور اس لیے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کرے گا۔ اور اس کی کوتاہی پر ان کو عذاب دے گا۔ (محلی ابن حزم ج ۶ ص ۱۵۸)

ابن حزم لکھتے ہیں۔

اور ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء وغرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مال فے [1] سے ان غرباء کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان ان ارباب دولت کو اس

[1] بیت المال کی آمدنی۔

کفالت کے لیے مجبور[1] کرسکتا ہے اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے۔ (المحلی ابن حزم ج ۶ ص ۱۵۶ مسئلہ ۷۲۵)

کلبی نے کہا کہ اس آیت[2] کے نزول کے بعد ایسے لوگ تھے جنھوں نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے سال بھر کا واجبی خرچہ رکھ کر باقی سب راہ حق میں صدقہ کر دیا۔ بعض حضرات نے پیغمبر اسلام ﷺ کے اس ارشاد ''وفی المال حق سوی الزکاۃ'' کا بھی ذکر کیا کہ محض زکوٰۃ سے بات نہ بنے گی بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں حق ہے اور حق لازم اور ضروری کے معنی میں مستعمل ہے۔ (قرطبی ج ۳ ص ۶۱، ۶۲)

گویا اللہ تعالیٰ نے آیت ''العفو'' نازل فرما کر اور امراء کے اموال میں محرومین اور سائلین کا حق مقرر فرما کر امراء اور غرباء کے درمیانی اقتصادی تفاوت کو کم کرنے کی ایک اعلیٰ بنیاد رکھ دی ہے۔ حکومت پر فرض عائد ہو جاتا کہ قرآن مجید کی متعین کردہ اساس پر مفلوک الحال لوگوں کی زیادہ سے زیادہ معاشی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قانون سازی کرے۔

بیروزگاری اور غربت کا خاتمہ

کسی ملک اور قوم کے تنزل کا ایک اہم سبب غربت اور بیروزگاری ہے۔ انہی دو بیماریوں سے قوم پست ذہن، پست ہمت اور مسکنت کا شکار ہو جاتی ہے اور غیر اقوام کی غلام بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ذکر اسی غرض کے لیے قرآن مجید میں کیا ہے کہ ان کے دلوں سے مسکنت اور غربت کی وجہ سے جذبہ حریت ہی ختم ہو گیا تھا۔ اس حالت سے نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکالنے میں کامیاب ہوئے حکمرانی کے لیے بیت المقدس پر حملہ کرنے کو کہا تو بنی اسرائیل غربت کی وجہ سے اتنی پست ہمت ہو چکی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ''تو اور تیرا رب جائے ان سے لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

رسول کریم ﷺ نے غربت کی سنگینی کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ **کاد الفقران یکون کفراً** غربت کفر کی شکل بھی اختیار کر لیتی ہے۔ کفر کے معنی صرف دائرہ اسلام سے خارج ہونا ہی مراد نہیں بلکہ کفر کے لغوی معنی ڈھانپنے کے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فقر ایسی بیماری ہے جو انسان کی طبعی استعدادوں کو ڈھانپ لیتی ہے اور جس وجہ سے انسان قعر مذلت میں گر جاتا ہے۔

---

1. قارئین لفظ مجبور پر غور کریں۔ یہ لفظ ظاہر کرتا ہے اگر امراء اپنے فرض کو ادا نہیں کرتے تو حاکم فاضل دولت جبراً لے کر غرباء میں تقسیم کر سکتا ہے۔
2. آیت العفو۔

Marfat.com

رسول کریم ﷺ جب مدینہ میں حکمران بنے تو سب سے پہلے مسلمانوں کی مفلوک الحالی کو دور کرنے کے لیے مختلف ذرائع استعمال کیے۔ ان میں سے ایک مواخات تھا۔ جس سے مسلمانوں کے روٹی کپڑے اور مکان کا مسئلہ حل ہوگیا۔ اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے ملک سے غربت کو ختم کرنے کے لیے منصوبے بنائے۔ صنعت کو ترقی کردے۔ زراعت کو سائنسی بنیادوں پر استوار کرے۔ غیر آباد اراضی کو زیر کاشت لائے۔ وسائل پیدائش کو بروئے کار لائے۔ گھریلو صنعتوں کو فروغ دیا جائے۔ ملک میں مفت تعلیم رائج کرے تاکہ بیروزگاری اور غربت کا خاتمہ ہو۔

اکتناز کی روک تھام

علم معاشیات کی تھوڑی سوجھ بوجھ رکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ ملک میں غربت اور بے روزگاری اس وقت پیدا ہوتی ہے جب امراء میں دولت جمع کرنے کا رجحان عام ہو جاتا ہے۔ اس لیے اسلام نے اکتناز سے منع فرمایا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ **وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ.** (التوبہ ۹:۳۴) اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔

ضرورت سے زائد جمع کرنے کو کنز کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے جہاں اسلام اکتساب دولت کی ترغیب دیتا ہے۔ ساتھ یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ کمائی ہوئی دولت تمھاری ملکیت نہیں اس میں سائلین اور محرومین کا بھی حق ہے۔ معاشرتی اقتصادی تفریق کو کم کرنے کے لیے یہ حکم دیتا ہے کہ زائد از ضرورت اللہ کی راہ (اسلامی ریاست) میں خرچ کردے۔ کسی معاشرے میں معاشی تفاوت اس وقت پیدا ہوتا ہے جب صاحب ثروت کمائی ہوئی دولت کو اپنی سمجھنے لگ پڑتے ہیں اور خرچ اپنی منشا کے مطابق کرتے ہیں۔ خدا سے غافل ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے ہنر، علم اور قابلیت سے روپیہ کمایا ہے۔ اس وجہ سے اس پر اس کا حق ہے کسی کو دے یا نہ دے اس کی اپنی مرضی۔ قرآن مجید میں حضرت شعیب کے ذکر میں انہی لوگوں کا ذکر آتا ہے۔ **قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا** (ہود ۱۱:۸۸) انھوں نے کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں (نہ) خرچ کریں یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ کمائی ہوئی دولت انسان اپنے ارادہ اور منشا کے مطابق خرچ نہیں کرسکتا۔ دولت کو انہی راہوں میں خرچ کرنا ہوگا۔ جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کے امراء کو اللوں تللوں میں خرچ کرنے سے روکتے تھے۔ لیکن امراء دولت کو اپنی ہی ملکیت سمجھتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ یہ ہماری کمائی ہوئی دولت ہے ہم جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواباً کہا۔ **اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ** (۱۱:۸۸) میں سوائے بہتری کے کچھ نہیں چاہتا۔ اصلاح سے مراد اس اقتصادی تفاوت کو دور کرنا

Marfat.com

ہے جو معاشرہ میں امراء اور غرباء کے درمیان پیدا ہو چکا تھا۔ آج کا مسلمان صاحب دولت وہی عذر پیش کرتا ہے جو شعیب کی قوم کے امراء پیش کرتے تھے۔ اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ امراء اور غرباء کے درمیان معاشی تفاوت کو کم کرے۔ کہ معاشرہ میں اعتدال پیدا ہو۔

جس طرح غربت اور غلوئے الحالی ایسی خطرناک بیماری ہے جو کسی قوم کو قعر مذلت میں گرا دیتی ہے اسی طرح اکتناز بھی قوموں کی بربادی کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے اسلام نے ہر ریاست پر غربت کو دور کرنے کا فرض عائد کیا ہے اسی طرح اکتناز کی لعنت سے روکا ہے اور اقتصادی نظام میں اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔

معاشی ترقی

معاشی ترقی ملکی ذرائع پیدائش کو بروئے کار لا کر مجموعی قومی پیداوار یا فی کس آمدنی میں اضافے کا نام ہے۔

معاشی ترقی کے مفہوم میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر قومی پیداوار کے اضافے کا بہاؤ مخصوص طبقہ کی طرف ہے اور عوام اس سے کم مستفید ہو رہے ہیں تو وہ معاشی ترقی نہیں ہے۔ لہٰذا کسی ریاست کی معاشی ترقی اصطلاحی طور پر اس وقت معاشی ترقی کہلائے گی جب عوام آزادانہ طور پر پیداوار سے مستفید ہو رہے ہوں۔ چند ماہرین معاشیات کی تعریفات درج ذیل ہیں۔

- پروفیسر ارتھر لیوس (Prof W.A.Lewis) کے نزدیک "معاشی ترقی کسی ملک کی فی کس پیداوار میں اضافہ کو ظاہر کرتی ہے۔"

پروفیسر ہکنز کہتا ہے کہ "معاشی ترقی کل قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ ظاہر کرتی ہے۔"

پروفیسر مائر اینڈ بالڈون (Prof Meier and Baldwin) نے معاشی ترقی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ "معاشی ترقی ایک ایسے عمل کا نام ہے جس کے دوران کسی ملک کی حقیقی آمدنی میں طویل عرصہ کے دوران اضافہ ہو۔ اگر حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ ملک کی آبادی میں اضافہ سے زیادہ ہو تو فی کس آمدنی میں بھی اضافہ ہو جائے گا بشرطیکہ خط غربت سے نیچے بسر کرنے والے لوگوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہو اور تقسیم دولت خراب نہ ہو۔"

اسلام نے دوسرے نظام ہائے اقتصادی کے برخلاف ملکی معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ عوام کی آزادی کو بھی بحال رکھنے کی تلقین کی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک گورنر کو کہا مذ کم تعبد الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارا (احسن الحاضر ج ۲ ص ۱) تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ

فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ (البلد ۹۰: ۱۱، ۱۶) سو وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے۔ کسی گردن کا آزاد کرنا یا بھوک کے دن کھانا کھلانا قریبی یتیم کو یا مٹی سے ملے ہوئے مسکین۔

یہ آیات اسلامی ریاست کے حکمران کے لیے یہ ضروری قرار دے رہی ہیں کہ جہاں عوام کی غربت کو دور کرنا ہے وہاں ہر قسم کی آزادی کی نعمت سے بھی نوازنا ہے۔ آزادی کو "مسئلہ روٹی" سے پہلے ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے کیونکہ حریت ہی انسانی استعدادوں کو جلا بخشتی ہے۔ معاشی ترقی کے ذریعہ عوام کی روٹی کا مسئلہ حل بھی کر دیا جائے تو اسلام اس کو حقیقی معاشی ترقی نہیں سمجھتا جبکہ عوام کو آزادی اظہار رائے سے نوازا نہیں گیا۔ گویا اسلام کے نزدیک حقیقی معاشی ترقی وہ ہے جس میں فی کس آمدنی کے اضافہ کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی آزادی کا خیال رکھا جائے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ظاہر کرتا ہے "حضرت عمرؓ کا دور معاشی ترقی کا دور تھا۔ آپ نے معاشی ترقی کے ساتھ آزادی کو ضروری قرار دیا ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام کی یہ وہ خصوصیت ہے جو کسی نظام میں نہیں پائی جاتی۔ خواہ وہ نظام اشتراکیت ہو خواہ سرمایہ داری۔ حقیقت یہ ہے جب تک عوام کو ہر قسم کی آزادی سے نوازا نہیں جاتا اس وقت تک معاشی ترقی ہی نہیں ہو سکتی۔ گویا معاشی ترقی اور انسانی حریت لازم ملزوم ہیں۔

معاشی ترقی کی ترغیب

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رزاقیت کے تحت انسان کے لیے اس کی پیدائش کے ساتھ تمام روزی کے سامان مہیا کر دیے ہیں۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ (الروم: ۴۰) اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (الاعراف: ۱۰) اور بے شک ہم ہی نے زمین میں تمہارا ٹھکانہ بنایا اور تمہارے لیے اس کے اندر روزی کے سامان رکھے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ: ۲۹) اور وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (لقمان: ۲۰) کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے (تمام چیزوں کو) جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔ تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ تمام ذرائع پیداوار مہیا کر دیے ہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان ذرائع پیداوار کو حاصل کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

Marfat.com

وَابۡتِغَآؤُکُمۡ مِنۡ فَضۡلِهٖ (الروم ۳۰:۲۳) اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تم کو روزی کا سامان اس دنیا میں مہیا کیا ہے اس کو تلاش کرو)

فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ (الجمعہ ۶۲:۱۰) خدا کے فضل (رزق) کی تلاش کے لیے زمین پر پھیل جاؤ۔

وَاٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ (المزمل ۷۳:۲۰) اور جو زمین میں پھرتے ہیں وہی اللہ کے فضل (رزق) کو تلاش کرتے۔

یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلاً مِنۡ رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا (المائدہ ۵:۲) وہ اللہ تعالیٰ کا فضل (روزی) اور اس کی خوشنودی ڈھونڈتے ہیں۔

وَلَا تَنۡسَ نَصِیۡبَکَ مِنَ الدُّنۡیَا (القصص ۲۸:۷۷) اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلا۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

اِعۡمَلُوۡا فکل میسر لما خلق له (بخاری مسلم) عمل کرو ہر شخص کے لیے وہ کام آسان ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

اسعوا فان اللہ کتب علیکم السعی (مسند امام احمد، کنوز الحقایق) کوشش کرو کیونکہ اللہ نے تم پر کوشش کرنا فرض کی ہے۔

اجملوا فی طلب الدنیا فان کلا میسرٌ لما خلق له (ابن ماجہ باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ) دنیا کی طلب خوب کرو اس لیے کہ جس لیے آدمی پیدا کیا گیا ہے وہ ضرور اس کو ملے گا۔

باب الرزق مفتوح الی باب العرش (کتاب فردوس بحوالہ کنوز الحقایق) رزق کا دروازہ عرش تک کھلا ہے۔

من الذنوب ذنوب لا یکفرها الا الهمّ فی طلب المعیشة (طبرانی فی الاوسط) بعض گناہوں کا کفارہ روزی کمانے میں مغموم ومتفکر رہنا ہے۔

من طلب الدنیا حلالا استعفافًا عن المسئالة و سعیا علی اهله و تعطفًا علی جاره بعثه الله یوم القیامة و وجه کالقمر لیلة البدر (ابونعیم فی الحلیہ) جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے تاکہ سوال سے بچے اور اہل و عیال کی کفالت کرے اور ہمسایہ کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس حالت میں اٹھائے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔

اسلام نے جہاں روزی کی تلاش پر زور دیا ہے وہاں ترک تلاش روزی کو جائز قرار نہیں دیا۔

ارشاد الٰہی ہے۔ وَرَهۡبَانِیَّةَ نِ ابۡتَدَعُوۡهَا مَا کَتَبۡنٰهَا عَلَیۡهِمۡ. (الحدید ۵۷:۲۷) انھوں نے ترک دنیا (رہبانیت) کو اختیار کرلیا ہے۔ تم نے اس کو ان پر فرض نہ کیا تھا۔

Marfat.com

رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

لایقعد احدکم عن طلب الرزق ویقول اللھم ارزقنی فقد علمتم ان السماء لا تمطر ذھبًا ولا فضۃ (المدینہ والاسلام) تم میں سے کوئی بھی رزق تلاش کرنے سے بیٹھ نہ جائے اور یہ کہتا رہے اے اللہ مجھے روزی دے کیونکہ تم جانتے ہو کہ آسمان تو سونا چاندی نہیں برساتا۔

امام ماوردی نے اسلامی ریاست کے حکمران کے ساتھ فرائض بیان کیے ہیں ان میں سے تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ (اپنے زیر حکومت) ممالک کے جملہ مصالح کے تحفظ اور اس کی شاہراہوں اور دوسرے ذرائع نقل وحمل کو بہتر بنا کر ان ممالک کو آباد اور خوش حال رکھے۔

مشہور صوفی ابوالمکارم علاء الدولہ احمد سمنانی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین اور کھیتوں کو حکمت سے پیدا کیا ہے وہ چاہتا ہے کہ زمینیں آباد ہوں اور لوگوں کو ان سے فائدہ پہنچے اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا کی آبادکاری جس سے فائدہ اور آمدنی مقصود ہو۔ کس قدر ثواب ہے تو وہ ہرگز آبادکاری کے کام نہ چھوڑتے اسی طرح اگر لوگ یہ جان لیں کہ آبادکاری کے کام کے چھوڑنے اور زمین کو بے کار رکھنے میں کتنا گناہ ہے تو کبھی ایسا نہ کریں اور بے کار نہ چھوڑیں۔

مزید فرماتے ہیں۔

جو کوئی زمین کا کوئی ایسا قطعہ رکھتا ہے کہ اس سے ہزار من غلہ سالانہ حاصل ہوسکتا ہے اگر اس کی کوتاہی اور کاہلی سے نو سو من غلہ اس زمین سے حاصل ہوا اور اس کی وجہ سے سو من غلہ مخلوق کے حلق نہ پہنچ سکا تو قیامت کے دن اس سے سو من غلہ کی باز پرس ہوگی اور اس کے برابر اس سے واپس لیا جائے گا۔ (نفحات الانس مولانا عبدالرحمٰن جامی ترجمہ شمس بریلوی ص ۶۸۰)

معاشی ترقی کے ذرائع

اسلامی ریاست معاشی ترقی کے ذرائع حسب ذیل ہیں۔ جن کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔ زکوٰۃ، صدقات، عشر، خراج، جزیہ، خمس، فی، ضرائب، کراء الارض، عشور، وقف، لقطہ (جس جائیداد یا مال کا کوئی وارث نہ ہو وہ حکومت کی ملکیت ہوتا ہے۔ اس طرح لقطہ بھی ریاست کی آمدنی کا ذریعہ ہے) فیس (ایسی رقم جو حکومت کو کسی خاص خدمت کے عوض ادا کی جاتی ہے۔ مثلاً کورٹ فیس یا لائسنس وغیرہ) قیمت (سے ایسی ادائیگی مراد ہے جو حکومت کو کاروباری نوعیت کی اشیاء اور خدمات کے بدلے کی جاتی ہے) جرمانے (قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے افراد کو جرمانے کیے جاتے ہیں ان جرمانوں کی رقم حکومت کی آمدنی میں شمار ہوتی ہے) سرکاری عمارتیں (مثلاً دفاتر کوٹھیاں، دکانیں وغیرہ سے کرایہ حکومت کی آمدنی کا ذریعہ ہے) حکومت کے پیداواری کام (بعض اوقات حکومت ایک آجر کی حیثیت سے پیداواری کام سرانجام دیتی ہے ان کاموں سے منافع حکومت کی آمدنی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ جیسے ریلوے، ہوائی سفر کے لیے جہازوں کا

چلانا وغیرہ) سرکاری دستاویزات (حکومت مختلف قسم کی دستاویزات فروخت کر کے بھی آمدنی حاصل کرتی ہے مثلاً اسٹام ڈاک خانہ کی ٹکٹیں وغیرہ)

مذکورہ ذرائع کے علاوہ بھی معاشی ترقی کے لیے مزید وسائل تلاش کر سکتی ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ عوام پر بوجھ نہ پڑے بلکہ عوام کی خوش حالی کا سبب بنیں۔ مزید برآں تقسیم دولت منصفانہ طریقے پر ہو۔ دور حاضر میں معاشی ترقی کے لیے سائنسی ترقی بہت ضروری ہے۔ کوئی ملک معاشی ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ سائنس کے شعبہ میں ترقی یافتہ نہیں۔ مسلمانوں کی پسماندگی کی وجہ ہی یہ ہے کہ وہ سائنس میں پسماندہ ہیں۔

مذکورہ بالا ذرائع مادی ذرائع ہے۔ اسلام نے ان مادی ذرائع کے علاوہ ایک ذریعہ غیر مادی بھی ضروری قرار دیا ہے وہ ہے محنت۔ خواہ وہ بدنی ہو یا ذہنی۔ جب تک کسی ملک میں محنت کا احترام نہیں کیا جاتا۔ اس وقت تک وافر مادی وسائل کی موجودگی میں بھی ملک معاشی ترقی نہیں کر سکتا اس لیے اسلام نے محنت کی بہت عظمت بیان کی ہے۔ محنت کے احترام کے ساتھ پُرامن فضا اور آزادی کا مہیا کرنا بھی ضروری ہے۔ پرانے دور میں غلاموں سے بھی محنت لی جاتی تھی۔ اسلام اس قسم کی مقید محنت کو پسند نہیں کرتا۔ آزاد محنت سے مراد یہ ہے کہ محنت کا بہتر بدلا دیا جائے اور اجیر اپنی خوشی اور آزادی سے کام کرے۔ جس ملک میں اجیر کی قدر کی جائے گی۔ وہ ملک ترقی کے راستہ پر چل پڑے گا۔ دور اوّل (رسول کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کا دور) میں معاشی ترقی کی ایک بڑی وجہ محنت کی قدر دانی تھی۔ اور کسی کام کو بھی بنظر حقارت نہیں دیکھا جاتا تھا۔

احتساب

اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ پر احتساب لازمی قرار دیا ہے۔ قرآن مجید نے ایک اصول مقرر کر دیا ہے وہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، معروف وہ امور ہیں جو شریعت کے مطابق ہوں اور منکرات وہ ہیں جو شریعت کے خلاف ہوں۔ اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ معاشی معاملات پر احتساب کی پالیسی کو مضبوطی سے لاگو کرے۔ کیونکہ یہی وہ شعبہ ہے جب اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو ملک تباہی کے دہانے جا کھڑا ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے احتساب کو ریاست کے ہر شعبہ پر لاگو کیا۔ خصوصاً معاشی شعبہ پر اور اس شعبہ کے معروفات اور منکرات[1] کو وضاحت سے بیان کر دیا۔ پھر ان کو عملی شکل دینے کے لیے محاسب مقرر کیے۔ تا کہ ریاست میں نظام عدل اجتماعی قائم ہو۔

---

[1] معروفات اور منکرات کی تفصیل مختلف ابواب میں گزر چکی ہے۔

Marfat.com

معاشی منصوبہ بندی

معاشی منصوبہ بندی کی بنیاد رسول کریم ﷺ کے دور میں ہی پڑ گئی تھی۔ صرف یہ ہے کہ یہ اصطلاح رائج نہیں ہوئی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے مہاجرین کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مواخات قائم کی۔ یہ ایک معاشی منصوبہ بندی تھی۔ اسی طرح معاشی ترقی کے لیے جو اقدام بھی کیے وہ سب ایک منصوبہ بندی کے تحت تھے۔ آپ ﷺ نے کوئی کام بھی منصوبہ بندی کے بغیر نہیں کیا۔ اس لیے اسلامی ریاست کے لیے دور حاضر کی اصطلاح کی رو سے بھی یہ لازمی ہے کہ وہ معاشی منصوبہ بندی کرے۔ حکومت کو جن معاشی امور کے لیے منصوبہ بندی کرنا ضروری ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

ا۔ قومی پیداوار کو قومی ضروریات سے ہم آہنگ بنانا

عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ آزاد پیدا کنندگان کی توجہ نفع آور پیداوار پر ہوتی ہے وہ ان اشیاء کی پیداوار عمل میں لاتے ہیں جو زیادہ نفع آور ہوں۔ اور وہ عوام کی ضروریات کا خیال نہیں رکھتے۔ حکومت کے پاس بہتر ذرائع ہوتے ہیں کہ وہ معلوم کر سکیں کہ عوام کی ضروریات کیا ہیں اور کتنی تعداد میں اشیاء پیدا کی جائیں تاکہ ضروریات پوری کی جا سکیں۔ اس لیے حکومت منصوبہ بندی سے یہ اہتمام کر سکتی ہے کہ نفع آوری کا زیادہ لحاظ کیے بغیر اشیاء ضرورت کی پیداوار کی طرف توجہ کرے۔ تاکہ عوام کی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔

۲۔ پیداواری وسائل سے پورا پورا استفادہ کرنا

جو حکومت پیداواری وسائل سے استفادہ نہیں کرتی۔ وہ قدرت کی نعمتوں کو ضائع کر رہی ہوتی ہے۔ وہ حکومت عوام کے لیے وبال جان بن جاتی ہے۔ اور ان کو غربت کی وادی میں دھکیل دیتی ہے اس لیے وسائل پیداوار سے استفادہ کے لیے منصوبہ بندی ضروری ہے اور حکومت کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ قدرت نے اس ملک کو کون کون سے وسائل پیداوار دیے ہیں۔ کسی ملک میں تیل کی دولت ہوتی ہے کسی ملک کو کوئی اور نعمت سے نوازا گیا ہوتا ہے۔ ان نعمتوں سے منصوبہ بندی سے استفادہ کیا جا سکتا۔

معیشت کو عدم استحکام سے بچانا

ملکی معیشت میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ حکومت ایک مضبوط منصوبہ بندی سے معیشت کو عدم استحکام سے بچا سکتی ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ کے عہد میں قحط پڑا تو آپ نے منصوبہ بندی کے تحت لوگوں کو کفایت شعاری کی ترغیب دی اور خود بھی اس پر عمل کیا۔

ملکی دولت کی حفاظت اور صحیح مقام پر سرمایہ کاری

منصوبہ بندی میں صحیح مقام پر سرمایہ کاری اہم حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام نے صحیح مقام پر سرمایہ

Marfat.com

کاری کو لفظ حلال سے تعبیر کیا ہے اور غلط سرمایہ کاری کو حرام کے لفظ سے۔ ارشادالٰہی ہے۔ حَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربو کو حرام۔ ربا کی حرمت کی سنگینی کو اللہ سے جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ پھر اسلام نے حلال سرمایہ کاری اور حرام سرمایہ کاری بالتفصیل بیان کر دی ہے جس کا ذکر گزشتہ ابواب میں اپنے اپنے مواقع پر ہو چکا ہے۔ حلال سرمایہ کاری میں ہی معاشی ترقی مضمر ہے۔

ملکی دولت کی مختلف صورتیں ہیں۔ زمین سب سے اہم ملکی دولت ہے۔ اس کی حفاظت کی دو صورتیں ہیں ایک تو تمام مردہ زمین کو آباد کیا جائے۔ دوم زمین کو ہر قسم کی بیماری سے محفوظ رکھنے کا بندوبست کیا جائے۔ زمین کی خطرناک بیماری سیم وتھور ہے منصوبہ بندی میں اس بیماری کو دور کرنے اور محفوظ رکھنے کی تدابیر عمل میں لائی جائیں۔ دوسری اہم دولت پانی ہے۔ مردہ زمین کی آبادکاری کے لیے پانی بہت ضروری ہے اس لیے پانی کو ذخیرہ کرنے کے لیے ڈیم تعمیر کیے جائیں۔ پانی ہی مردہ زمین میں زندگی پیدا کر سکتا ہے۔ درخت بھی ملکی دولت میں شمار ہوتے ہیں عموماً لوگ درختوں کی اہمیت سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں منصوبہ بندی میں ایک طرف لوگوں کو درخت کے فوائد سے آگاہ کرنا چاہیے تاکہ لوگ درختوں کو بے سود نہ کاٹیں۔ دوم شجرکاری کریں اور اس دولت کو بڑھائیں۔ درخت صرف مختلف صنعتوں میں استعمال نہیں ہوتے بلکہ زمین اور انسانی زندگی کے لیے بہت ضروری ہیں۔

Marfat.com

باب ۱۶

اقتصادی ترقی

Marfat.com

اقتصادی ترقی

اقتصادی ترقی، مفہوم، ضرورت، عوامل، اہمیت

اقتصادی ترقی کا مفہوم

معاشیات کی اصطلاح میں معاشی ترقی کو کسی ملک کی حقیقی قومی آمدنی کے مسلسل بڑھنے کو کہتے ہیں۔ حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ دیکھنے کے لیے ایک طویل عرصہ کی ضرورت ہوتی ہے جو ۲۰ سال سے لے کر ۲۵ سال تک ہوتا ہے۔ گویا اس عرصہ میں قومی آمدنی کے بڑھنے کی رفتار مناسب طور پر معلوم کی جا سکتی ہے۔ گویا معاشی ترقی کا جائزہ لینے کے لیے حقیقی قومی آمدنی ایک بہترین معیار کی حیثیت رکھتی ہے۔ کچھ ماہرین معاشیات کے نزدیک معاشی ترقی کا فروغ دیکھنے کے لیے فی کس آمدنی ایک بہترین آلہ ہے مگر حقیقت میں فی کس آمدنی ایک معیاری طریقہ نہیں ہے کیونکہ اس کے تحت کسی ملک کی قومی آمدنی اور آبادی کی شرح افزائش کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اگر آبادی کی شرح افزائش مناسب حد سے بڑھ جائے تو معاشی ترقی کی بجائے معاشی پسماندگی ہوتی ہے اور اگر آبادی کی شرح افزائش مناسب حد تک کم رہے تو اس کو معاشی ترقی کا نظریہ محدود ہو جاتا ہے اور صحیح معاشی ترقی کا نظریہ بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا فی کس آمدنی کی بجائے قومی آمدنی کو ایک بہترین آلہ سمجھا گیا ہے۔ جس سے معاشی ترقی کی ٹھیک طرح پیمائش ہو سکتی ہے۔

معاشی ترقی اور معاشی بہبود

معاشی ترقی سے زیادہ ضروری چیز معاشی بہبود ہوتی ہے۔ معاشی بہبود کو پرکھنے کے لیے معیار زندگی کا بلند ہونا ایک بہترین آلہ سمجھا گیا ہے۔ اگر معاشی ترقی کے اثرات معاشرے کے تمام افراد پر پڑ رہے ہوں تو معاشی ترقی معاشی بہبود میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ معاشی بہبود میں کسی ملک کی مجموعی دولت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ شخصی آزادی، تفریح کے اوقات، منصفانہ تقسیم دولت، فارغ اوقات کا مہیا کرنا، اوقات کا مناسب طور پر تعین ضروری ہوتا ہے۔ گویا معاشی بہبود اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ مذکورہ بالا تمام امور حاصل ہو جائیں۔

Marfat.com

معاشی ترقی کی ضرورت

ہر ملک جو ترقی یافتہ ہو وہ اپنی معاشی ترقی بڑھانا چاہتا ہے اور جو غریب ہو اپنی غربت اور پسماندگی کو دور کر کے معاشی ترقی کی راہ ہموار کرنا چاہتا ہے چنانچہ ہر ملک کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا معاشی ڈھانچہ مضبوط ہو اس کی مجموعی پیداوار اور روزگار کا معیار بلند ہو۔ معیشت کا ہر شعبہ ترقی کرتا ہو۔ ملک اپنی ضروریات پوری کرنے میں خود کفیل ہو۔ بیرونی قرضوں اور امداد پر اس کا انحصار کم ہو۔ گویا ملک معاشی دوڑ میں آگے نکل رہا ہو۔ یہ تمام چیزیں کسی معیشت کی بنیادی ضروریات ہو سکتی ہیں۔

معاشی ترقی کے عوامل

۱۔ معاشی عوامل
۲۔ معاشرتی عوامل
۳۔ سیاسی عوامل

۱۔ معاشی عوامل

(۱) وسائل کا بھرپور استعمال کرنا۔ (۲) قوت پیداواری یا پیداواری استعداد میں اضافہ۔ (۳) تشکیل سرمایہ کی رفتار میں اضافہ کرنا۔ (۴) آبادی کی شرح افزائش کو مناسب حد تک رکھنا۔ (۵) اشیاء اور عوامل کی منڈی کا کامل ہونا۔ (۶) زر کی منڈی کا مستحکم ہونا۔ (۷) نظام مواصلات کا منظم ہونا۔ (۸) معاشی منصوبہ بندی اور معاشی پالیسیوں کا مرتب کرنا۔ (۹) اس پر عملدرآمد کرنا۔

۲۔ معاشرتی عوامل

معاشی ڈھانچہ کی بنیاد معاشرتی ڈھانچہ پر ہوتی ہے۔ معاشی ترقی کا فروغ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ کسی معاشرہ کے افراد ذہنی طور پر معاشی تبدیلیوں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں کیونکہ معاشی ترقی کے عمل کو اختیار کرنے کے لیے معاشرہ میں کچھ تبدیلیاں لانا ضروری ہوتی ہیں۔ مثلاً تعلیم کو عام کرنا، رسوم اور قدامت پسندی کو دور کرنا، معاشی ترقی کی ضرورت اور اہمیت کو ذہن نشین کرانا، افراد کو معاشی پالیسیوں پر عملدرآمد کرنے کے لیے پورے طور پر تیار کرنا اور وہ سمجھتے ہوں کہ واقعی ان کو اپنا معیار زندگی بلند کرنا ہے اور معاشی ترقی کے مقصد کو حاصل کرنا ہے۔

اس کے علاوہ معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے سرکاری، اور نجی دونوں شعبوں میں بیک وقت عمل کی ضرورت ہوتی ہے مگر نجی شعبہ اسی وقت معاون اور مفید ثابت ہوگا۔ جبکہ معاشرتی ماحول صحت مند اور حوصلہ افزا ہو۔

Marfat.com

۳۔ سیاسی عوامل

معاشی ترقی کو فروغ دینے کے لیے سیاسی نظام مستحکم ہونا چاہیے تاکہ اندرون ملک سرکاری اور نجی شعبے خوب ترقی کریں اور خارجہ معاشی تعلقات بھی بڑھائے جاسکیں۔ اگر کسی ملک میں سیاسی اختلافات بہت پائے جاتے ہوں اور سیاسی نظام غیر مستحکم ہو تو سرکاری شعبہ غیر موثر اور کمزور ہو کر رہ جائے گا اور ایسی حالت میں معاشی پالیسیوں پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بین الاقوامی تجارت کا بہت زیادہ انحصار کسی ملک کی ساکھ پر ہوتا ہے۔ گویا اس وقت تک خارجہ تجارتی تعلقات میں فروغ حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ کسی ملک میں مکمل طور پر سیاسی امن وامان کی ضمانت نہ دی گئی ہو۔

مسلمان ممالک میں معاشی پسماندگی کی وجہ بھی یہی ہے یہاں سیاسی عدم استحکام ہے اور فوج کی مداخلت زیادہ ہے اکثر ممالک میں آمریت ہے جو معاشی ترقی کے لیے سرطان کی حیثیت رکھتی ہے۔

اہمیت

معاشی ترقی کے نظریہ کا مطالعہ شخصی اور قومی دونوں سطح پر ضروری ہوتا ہے۔ معاشرے کے ہر ایک فرد کا فرض ہے کہ وہ اپنا معیار زندگی بلند کرنے کے لیے کوشش کرے اور پھر پورے ملک کی معاشی خوشحالی کو بڑھانے میں اپنا موثر کردار پیش کرے۔ معاشی ترقی ہی صرف ایک ایسی چیز ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی ملک کے اقتصادی حالات کیسے ہیں۔ افراد کس حد تک اپنی بنیادی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔

ملک کے مختلف شعبہ جات مثلاً زراعت، صنعت، تجارت، بنکاری اور متفرقات کس قدر ترقی کر رہے ہیں۔ گویا معاشی ترقی کے مطالعہ سے کسی ملک کی معیشت کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ ملک معاشی دوڑ میں کس منزل پر پہنچا ہے اور اس کو ابھی کسی قدر اور دوڑ لگانی ہے۔ معاشی ترقی کا مطالعہ کرتے وقت معیشت کے مختلف شعبوں کا جزوی مطالعہ کرنے کا موقع بھی فراہم ہو جاتا ہے اور پھر مختلف شعبوں کے مابین تعلقات کی اہمیت سمجھنے کا موقع بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ معاشی ترقی کو سمجھتے وقت ہمیں یہ بھی علم ہو جاتا ہے کہ اپنے وسائل کو کس قدر استعمال کر رہا ہے۔ اور اس کی معیشت کا دوسرے ممالک پر انحصار کس قدر ہے۔ کسی معیشت کے برآمدی اور درآمدی شعبوں کی ترقی کے بارے میں بھی علم ہو جاتا ہے۔ ان تمام حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ معاشی ترقی کا مطالعہ کسی معاشرے کے افراد کے لیے ازحد ضروری اور مفید ہوتا ہے۔

Marfat.com

باب ١٧

منصوبہ بندی

تعریف

اسلام اور منصوبہ بندی

اقسام

اہمیّت و مقاصد

Marfat.com

اسلام اور منصوبہ بندی

آج کل دنیا کے تمام ممالک میں معاشی اہداف اور مقاصد کے حصول کے لیے منصوبہ بندی کی جاتی ہے تاہم ترقی پذیر ممالک میں اس کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ معاشی منصوبہ بندی کے عمل کا سب سے پہلے روس میں تجربہ کیا گیا۔ اس منصوبہ بندی کے مثبت نتائج دیکھ کر باقی ممالک نے بھی اس کی تقلید کی ہے چنانچہ دور حاضر میں معاشی منصوبہ بندی کے بغیر معاشی ترقی کا تصور ادھورا رہ جاتا ہے امریکہ جیسے آزاد معیشت کے علمبردار کو بھی اپنی کل معیشت میں ۲۰٪ منصوبہ بندی سے کام لینا پڑتا ہے کیونکہ اس حد تک ملکی ذرائع کو سرکاری سرپرستی پر چلانا پڑتا ہے۔ الغرض معاشی منصوبہ بندی کا تصور بین الاقوامی طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے۔

مفہوم

منصوبہ بندی سے مراد کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے منظم طریقے اختیار کرنا ہے معاشی منصوبہ بندی خاص قسم کے معاشی مقاصد کو حاصل کرنے کا نام ہے۔

مختلف ماہرین معاشیات نے منصوبہ بندی کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے لیکن مفہوم کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔ وہ ہے معاشی اہداف کی تکمیل۔

ڈیکنسن (Dickinson)

"معاشی منصوبہ بندی سے مراد" اس نوعیت کے اہم فیصلے کرنا ہے کہ کون سی اشیاء پیدا کی جائیں؟ کس مقدار میں پیدا کی جائیں؟ اور کس کے لیے پیدا کی جائیں؟ یہ فیصلے معاشی نظام کے مجموعی جائزہ پر مبنی ہوں اور ایک معین ادارہ کی طرف سے کیے گئے ہوں۔

لیوس لارون (Lewis lorvin) نے منصوبہ بندی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"منصوبہ بندی معاشی تنظیم کی ایک ایسی تدبیر ہے جس میں انفرادی کاروبار اور صنعتوں کو واحد نظام کی باہم مربوط اکائیاں تصور کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد تمام ذرائع و وسائل سے استفادہ کر کے معینہ عرصہ میں لوگوں کی ضروریات کو زیادہ سے زیادہ تسکین کا سامان فراہم کرنا ہے۔"

مذکورہ تعریفات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔

ا۔ وسائل پیداوار کا علم ہو۔ ۲۔ وسائل سے استفادہ بھرپور انداز سے کیا جائے۔ ۳۔ ایک مرکزی تنظیم یا ادارہ ہو۔ جس کے زیر اہتمام منصوبہ بندی پر عمل کیا جائے۔

اسلام اور منصوبہ بندی

اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے۔ جس میں زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ہدایت اور راہنمائی موجود ہے اسی وجہ سے یہ اکمل دین ہے اور اس کے بتائے ہوئے رستہ پر چل کر انسان منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ اسلام پہلا ایسا نظام ہے۔ جس نے ہر مقصد کو پانے کے لیے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ صراط مستقیم اسی کو کہا جاتا ہے جو افراط اور تفریط سے پاک ہو اور بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کیا جائے۔ یہی وجہ ہے قرآن مجید نے انسان کو نظام کائنات پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے کہ یہ تمام نظام ایک منصوبہ بندی کے تحت چل رہا ہے اور کہیں بھی کوئی رخنہ نہیں۔ رخنہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مسلمہ اصولوں سے انحراف کیا جائے۔ اس کتاب میں پیدائش دولت صرف دولت، تبادلہ دولت اور تقسیم دولت پر بحث کی گئی ہے۔ ان عنوانات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے مالی معاملہ میں ایک مربوط منصوبہ بندی سے کام لیا ہے۔

پیدائش دولت اور منصوبہ بندی

قرآن مجید کے الفاظ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (زمین جو کچھ ہے وہ تمھارے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدائش دولت کے تمام ذرائع پیدا کر دیے ہیں ان کی تسخیر کرے یعنی ان کو اپنے کام میں لائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہدایت کر دی ہے تسخیر (سامان روزی پیدا کرنے کے لیے) میں جائز ذرائع سے کام لیا جائے اور ناجائز ذرائع استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے جائز ذرائع سے حاصل کردہ روزی کو حلال کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ روزی کو حرام کے لفظ سے۔ گویا پیدائش دولت کے لیے تسخیر کائنات کرتے وقت حلال طریقوں کو اختیار کیا جائے۔ قرآن اور حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو حلال وحرام کی وضاحت بڑی شرح وبسط سے ہوئی ہے جس کی تفصیل کی حد تک اس کتاب میں کر دی گئی ہے۔

صرف دولت اور منصوبہ بندی

معاشی ترقی کے لیے ''صرف دولت'' ایک اہم کردار ادا کرتی ہے اسلام نے ''صرف دولت'' کے سنہری اصول مقرر کر دیے ہیں۔ پہلا اصول یہ بیان کیا ہے حکومت ہو یا فرد ''صرف دولت'' میں افراط اور تفریط سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ اعتدال سے کام لینا چاہیے ارشاد الٰہی ہے۔ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان ۲۵:۶۷) وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو

Marfat.com

اسراف نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ ان کا خرچ دونوں حالتوں کے درمیان رہتا ہے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں ماعال من اقتصد وہ غریب نہ ہوا۔ جس نے میانہ روی اختیار کی۔

ایک حدیث میں ''اقتصاد'' کو نصف معیشت کہا گیا ہے۔ (کنزالعمال)

مذکورہ اصول کے تحت ہی اسراف اور تبذیر آ جاتا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (بنی اسرائیل ۲۶:۱۷) (بے جا صرف کر کے مال ضائع نہ کیا جائے) دوسری جگہ آتا ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اعراف ۳۱:۷) کھاؤ پیو اور زیادہ نہ کرو اور وہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا صرف دولت کے سلسلہ میں مال کے ضائع کرنے کی ممانعت کی ہے۔ مال کا ضائع کرنے کے کئی طریقے ہیں اسراف اور تبذیر بھی ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ آج کل ایک طریقہ یہ ہے سرمایہ دار مصنوعی گرانی پیدا کرنے کے لیے اشیاء کے ذخائر تباہ کر دیتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (البقرہ ۲۰۵:۲) اور جب وہ حاکم بنتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا ہے کہ اس میں فساد ڈالے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں ان اللہ کرہ لکم ثلاثاً قیل و قال و اضاعۃ المال و کثرۃ السوال (بخاری کتاب الزکاۃ) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے۔ قیل وقال کرنا، مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔

مال ضائع کرنے میں ہی عیش وعشرت بھی آ جاتی ہے اسلام نے عیش وعشرت والی زندگی سے منع فرمایا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایاک و التنعم عیش وعشرت سے بچو۔

عیش وعشرت کی زندگی میں شان دار محل بنانے اور ریشمی اور قیمتی لباس پہننے اور مرغن غذائیں آ جاتی ہیں۔ اور یہی چیزیں دولت کے ضائع کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ رسول کریم ﷺ انہی چیزوں کو کسی قوم کی تباہی کی نشانی قرار دیا ہے۔

مضرت رساں استعمال ملکیت کی ممانعت

اسلام کسی صاحب ملک کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی دولت کو اس طرح استعمال کرے جس سے دوسرے افراد یا معاشرے کو نقصان پہنچے۔ حدیث میں آتا ہے۔ عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فیصلہ فرمایا ''ان لاضرر ولا ضرار'' کہ نہ خود نقصان اٹھانا ہے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے۔

فقہاء نے اس اصول کو قانونی شکل میں بیان کیا ہے کہ مالک حسب منشا اپنی املاک میں تصرف کرسکتا ہے لیکن ایسا تصرف نہیں کرسکتا کہ جس سے کسی فرد یا معاشرہ کو نقصان پہنچتا ہو۔

مال کا ضیاع صرف تبذیر اسراف، عیش وعشرت والی زندگی گزارنے سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اپنے اور متعلقین کے گزارے کے لیے کافی نہ ہونے کی صورت میں خیرات کرنے اور نابالغ بچے کے سپرد مال کرنے سے بھی روکا ہے۔

تقسیم دولت اور منصوبہ بندی

منصوبہ بندی میں سب سے اہم چیز تقسیم دولت ہے۔ کیونکہ تقسیم دولت ہی گردش دولت کا سبب بنتی ہے معاشرہ میں دولت جتنی زیادہ گردش کرے گی اتنا ہی معاشرہ خوش حال ہوگا۔ اور دولت سے مستفیض ہوگا۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے تقسیم دولت پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ تقسیم دولت کے متعلق اسلام کی بتائی ہوئی راہوں پر چلنے سے کوئی شخص سرمایہ دار بن ہی نہیں سکتا۔ اسلام نے تقسیم دولت کے لیے بہت سی راہیں بیان کی ہیں ان میں ایک اہم راستہ زکوٰۃ ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کو ہر صاحب نصاب پر لازمی قرار دے دیا ہے۔ قرآن میں اکثر جگہ جہاں صلوٰۃ کا ذکر کیا ہے اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے یعنی کوئی انسان اس وقت خدا کا مقرب بندہ نہیں بن سکتا۔ جب تک عبادت کے ساتھ بنی نوع انسان کی خدمت کرنے کے لیے اپنے مال سے ایک متعین حصہ حکومت کو نہیں دیتا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ۲:۴۳) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ (توبہ۹:۱۱) اگر وہ توبہ کریں نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمھارے بھائی ہیں یہ تو انفاق لازمی ہے۔ اس کے ساتھ طوعی انفاق کی بھی تعلیم دی ہے کہ ایک صاحب دولت اپنے مال میں سے معاشرہ کے ضرورت مندوں کو بھی دے۔ اس طوعی انفاق کی آخری حد عفو قرار دیا ہے یعنی انسان کی ضرورت سے خود اتنا مال ہو وہ حکومت کو دے دیا جائے ارشاد الٰہی ہے۔ يَسْئَلُوْنَكَ مَنْ ذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ۲:۲۱۹) وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں کہ جو ضرورت سے زائد ہو۔ خرچ کر دیا جائے۔

لازمی اور طوعی تقسیم دولت کے علاوہ اسلام نے مزید بھی مختلف مدات بیان کی ہیں۔ رکاز (حکومت کا پانچواں حصہ ہے عشر، وراثت، وصیت، وقف، ہبہ، کفارات[1] وغیرہ جب ایک صاحب مال مذکورہ مدات میں خرچ کرے گا تو صاحب ثروت کی دولت ایک ہاتھ سے نکل کر معاشرہ میں گردش کرنے لگ جائے گی۔ اسلام نے تو تقسیم دولت کی منصوبہ بندی کر دی ہے۔ اب حکومت کا یہ فرض ہے کہ اس منصوبہ بندی پر خرچ کرے۔

---

[1] تفصیل معلوم کرنے کے لیے اس کتاب کا باب "تقسیم دولت" مطالعہ کریں۔

Marfat.com

تبادلہ دولت اور منصوبہ بندی

تبادلہ دولت معاشیات کا ایک اہم باب ہے معیشت کے استحکام اور عوام کی بہبود کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اسلام نے تجارت کاروبار، لین دین میں ایک مکمل ضابطہ مقرر کر دیا ہے جس کا ذکر تفصیلا ہو چکا ہے۔ اس ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے کہ تبادلہ دولت میں ضرر، غرر، جبر و اکراہ نہیں ہونا چاہیے۔

منصوبہ بندی کی اقسام

ا۔ عمومی منصوبہ بندی اور جزوی منصوبہ بندی

General planning and parial planning

عمومی منصوبہ بندی کے تحت ایک مرکزی ادارہ ملک کی پوری معیشت کے لیے ایک جامع منصوبہ بناتا ہے اور اس پر عمل درآمد کی نگرانی کرتا ہے۔ آیا منصوبہ انہی خطوط چل رہا ہے جو متعین کیے گئے ہیں۔ جبکہ جزوی منصوبہ بندی کسی مخصوص شعبہ یا شعبوں کے لیے ہوتی ہے۔ گو جزوی منصوبہ بندی صرف مخصوص شعبوں یا شعبہ کے لیے محدود ہوتی ہے لیکن عمومی منصوبہ بندی کی روح کے منافی نہیں ہوتی۔

مرتکز اور غیر مرتکز منصوبہ بندی

Centralized and decentralied planning

مرتکز منصوبہ بندی وہ ہے جس میں منصوبہ بندی کی تیاری اور عمل درآمد ایک بااختیار مرکزی ادارہ کی ہدایات کے مطابق ہوتا ہے تمام ادارے مرکزی بااختیار ادارے کی ہدایت کے مطابق کام کرتے ہیں۔ جبکہ غیر مرتکز منصوبہ بندی میں منصوبوں کی تیاری کا کام نچلی سطح سے ہوتا ہے تمام شعبے اور ادارے الگ الگ منصوبے تشکیل دیتے ہیں۔ پھر انھیں مربوط کر کے ایک جامع منصوبہ کی شکل دی جاتی ہے۔

حاکمانہ اور جمہوری منصوبہ بندی

Authoritarian and democratic planning

حاکمانہ منصوبہ اشتراکی ممالک سے تعلق رکھتی ہے جو تمام شعبوں کے لیے ایک جامع منصوبہ تشکیل دیتے ہیں اور اس پر عمل درآمد کراتی ہے۔ جمہوری منصوبہ بندی جمہوری ممالک مرتب کرتے ہیں مرتبین عوام کے منتخب ہوتے ہیں۔ نجی اور سرکاری شعبوں کے لیے الگ الگ منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ دونوں طرز کی حکومتوں کی منصوبہ بندی کا مقصد معاشی ترقی اور عوام کی بہبود مدنظر ہوتی ہے حاکمانہ منصوبہ بندی کا ارتکاز ایک جگہ پر ہوتا ہے جبکہ جمہوری منصوبہ بندی مختلف اداروں میں بٹی ہوتی ہے لیکن تمام اداروں اور شعبوں کی منصوبہ بندی کا مرکزی منصوبہ بندی سے ربط قائم ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں دونوں

منصوبہ بندیاں لفظی نزاع ہے لیکن مجموعی روح کے لحاظ سے ایک ہی شکل ہے۔

ترغیبی اور جبری منصوبہ بندی Induced and forced planning

ترغیبی منصوبہ بندی میں حکومت نجی شعبوں میں مختلف مراعات دے کر مختلف معاشی منصوبوں میں بیرونی سرمایہ کاری کے لیے ترغیب دیتی ہے جبکہ جبری منصوبہ بندی میں منصوبہ کی تیاری اور عمل درآمد کا کام ایک حکومت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہاں نجی شعبے نہیں ہوتے۔ تمام شعبے حکومت کے تحت ہوتے ہیں لہٰذا بیرونی سرمایہ کاری نہیں ہوتی تھی۔ یہ منصوبہ بندی صرف اشتراکی ممالک میں ہوتی ہے۔ اب اشتراکی ممالک بھی بیرونی سرمایہ کاری کی اہمیت سمجھ گئے ہیں وہاں بھی بیرونی سرمایہ کاری شروع ہوگئی ہے۔

اسلام میں منصوبہ بندی کی نوعیت

اسلام نے نجی ملکیت کو بعض قیود اور حدود کے ساتھ جائز قرار دیا ہے لیکن سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس اگر کوئی نجی ادارہ حکومتی منصوبہ بندی کے تحت صحیح کام انجام نہیں دے رہا اور صحیح اہداف پورے نہیں ہو رہے تو اسلام حکومت کو اختیار دیتا ہے کہ اس نجی پیدا آوری شعبہ کو اپنی ملکیت میں لے لے۔ اشتراکی نظام کے برعکس اسلامی ریاست میں سرکاری اور نجی دونوں شعبے مرکزی منصوبہ بندی کے تحت کام کرتے ہیں۔

منصوبہ بندی کی اہمیت

۱۔ قومی آمدنی میں اضافہ

معاشی منصوبہ بندی کا بنیادی مقصد ملک کے باشندوں کو خوش حال بنانا اور مطمئن زندگی گزارنے کے مواقع بہم پہنچانا ہے۔ اس سے قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے تاہم یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ ملکی پیداوار میں اضافہ کر کے قومی آمدنی میں اس حد تک اضافہ کر دیا جائے کہ قومی آمدنی میں اضافے کی شرح آبادی کی افزائش کی شرح سے زیادہ ہو۔ قومی آمدنی میں اضافہ کے لیے تمام پیداواری ذرائع اور وسائل کو بروئے کار لا کر ان سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے پیداواری ذرائع کی تقسیم کو اس سلسلے میں اہمیت حاصل ہے۔

۲۔ فی کس آمدنی کا بڑھانا

منصوبہ بندی کا ایک اہم ترین مقصد فی کس آمدنی میں مسلسل اضافہ کرنا ہے۔ عوام معیار زندگی کا دارومدار فی کس آمدنی پر ہوتا ہے اگر کسی ملک کی فی کس آمدنی میں مسلسل ہوتا رہے تو ملک کی معاشی ترقی کی رفتار زیادہ ہوگی اگر فی کس آمدنی گر جائے تو معاشی ترقی کی رفتار بھی متاثر ہوگی چنانچہ منصوبہ بندی کے ذریعے فی کس آمدنی کو بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

Marfat.com

۳۔ فراہمی روزگار

ملک کی حکومت کی اولین خواہش یہ ہوتی ہے کہ عوام الناس کو خوش حال بنایا جائے تا کہ ملک میں معاشی ترقی کی رفتار قابل ستائش رہے اور لوگ مطمئن زندگی بسر کرتے رہیں۔ چنانچہ ملک میں کام کرنے والے اہل افراد کو فراہمی روزگار اس کا بنیادی مقاصد میں شامل ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی کے ذریعے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ترقی پذیر ممالک کا سب سے بڑا مسئلہ پڑھے لکھے اور قابل روزگار افراد کو ملازمتوں کی فراہمی ہے منصوبہ بندی کے ذریعے اس مسئلے کو بہ احسن طریق حل کیا جاتا ہے۔

۴۔ معاشی خود کفالت

منصوبہ بندی کا ایک اہم مقصد معاشی خود کفالت کا حصول ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے زرعی شعبے کی خرابیوں کو دور کیا جاتا ہے۔ منڈیوں کے نظام کی اصلاح کی جاتی ہے۔ کاشت کاروں کو قرضوں کی فراہمی عمدہ بیج کے استعمال کے لیے سہولتیں کھاد خریدنے کے لیے قرضے اور زرعی مشینری کے لیے قرض کی سہولت دی جاتی ہے اس کے علاوہ آب پاشی کے ذرائع کو بہتر بنایا جاتا ہے۔ سیم و تھور کی روک تھام کر کے جدید طریقہ کاشت کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے زرعی تعلیم و تحقیق کو فروغ دے کر قومی پیداوار میں اضافہ کیا جاتا ہے جس سے ملک معاشی خود کفیل بن جاتا ہے۔

۵۔ صنعتی ترقی

منصوبہ بندی کا ایک مقصد ملک کو صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ بنانا ہوتا ہے اس سلسلہ میں صنعتوں کے قیام کے لیے نجی شعبے کو خصوصی مراعات دی جاتی ہیں۔ اگر کوئی نجی شعبہ مخصوص صنعت میں سرمایہ کاری کے لیے تیار نہ ہو جو حکومت خود اسے فراہم کرتی ہے بعض صنعتوں کی حوصلہ افزائی کے لیے متعدد برسوں کے لیے ٹیکسوں کی چھوٹ دی جاتی ہے۔ اس عمل سے صنعتی ترقی کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔

۶۔ توازن ادائیگی

ترقی پذیر ممالک کا ادائیگیوں کا توازن عموماً خسارے کا ہوتا ہے اس وجہ سے برآمدات میں کمی اور درآمدات میں اضافہ ہوتا ہے اس خسارے کو ضم کر کے ادائیگی کا توازن درست کیا جا سکتا ہے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مناسب منصوبہ بندی کر کے درآمد و برآمدات میں توازن پیدا کیا جائے۔

۷۔ کم ترقی یافتہ علاقوں کی بہتری

اگر کسی ملک کے مختلف حصے اور علاقے یکساں طور پر ترقی یافتہ نہ ہوں تو معاشی منصوبہ بندی کر کے ان کم ترقی یافتہ علاقوں کو دوسرے علاقوں کے برابر لایا جا سکتا ہے پسماندہ علاقوں کے لیے ترجیحی

Marfat.com

بنیادوں پر خصوصی ترقیاتی سکیمیں تیار کی جاسکتی ہیں۔ ان اقدامات سے ملکی معیشت میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور ایک پائیدار سیاسی نظام قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۸۔ افرادی قوت کی کھپت

پسماندہ ممالک میں عام طور پر افرادی قوت بہت ہوتی ہے چنانچہ ایسے ممالک میں منصوبہ بندی کے ذریعے افرادی قوت کو بہتر اور صحیح استعمال کیا جاسکتا ہے مثلاً مقامی منصوبوں، سڑکوں، ہسپتال وغیرہ تعمیر کے لیے افرادی وسائل سے کام لیا جاسکتا ہے معاشی منصوبہ بندی کا ایک مقصد افرادی قوت کا استعمال ہے تاکہ ملکی بے روزگاری پر قابو پایا جاسکے پیداوار بھی بڑھے اور معاشی ترقی میں اضافہ بھی ہو۔

۹۔ قیمتوں میں استحکام

اشیاء کی طلب میں اضافے سے قیمتیں بڑھتی ہیں۔ قیمتیں بڑھنے سے مہنگائی جنم لیتی ہے عوام کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے صارفین کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے نیز قیمتوں میں اضافے سے افراط زر کا چکر شروع ہو جاتا ہے چنانچہ منصوبہ بندی کے ذریعے قیمتوں میں استحکام پیدا کیا جاسکتا ہے۔ انھیں مناسب سطح پر برقرار رکھنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

۱۰۔ معاشی بحران پر کنٹرول

بعض اوقات ملکی سطح پر معاشی بحران سے نپٹنے کے لیے معاشی منصوبہ بندی ضروری ہو جاتی ہے چونکہ معاشی بحران سے ملکی معیشت کو زبردست دھچکا لگتا ہے۔ اس لیے اس پر معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے قابو پایا جاسکتا ہے۔

۱۱۔ افراط آبادی پر قابو پانا

منصوبہ بندی کا اہم ترین مقصد روز بروز بڑھتی ہوئی آبادی کے چیلنج کا مقابلہ کرنا بھی ہے۔ اگر آبادی کا تناسب پیداوار کے تناسب سے بڑھ جائے تو معاشی بحران پیدا ہو جاتا ہے۔ اس معاشی بحران سے نجات پانے کے لیے ضروری ہے کہ افراط آبادی پر قابو پایا جائے۔ یہ کام منصوبہ بندی سے انجام پایا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ تشکیل سرمایہ

کسی ملک کی معاشی ترقی میں تشکیل سرمایہ بہت اہم کردار ادا کرتا، سرمایہ کی تشکیل کی کئی صورتیں ہیں منصوبہ بندی کے ذریعہ ان تمام ذرائع کو کام لایا جاتا ہے جس سے تشکیل سرمایہ ہو۔ مثلاً عوام اپنی آمدنیوں کو غیر ضروری اشیاء پر بے دریغ خرچ نہ کریں مثلاً عالی شان مکانوں کی تعمیر سے گریز کریں۔ عوام

Marfat.com

سادہ زندگی اپنا کر بچتیں کریں۔ بچتیں سرمایہ کاری کے کام آ سکیں۔ منصوبہ بندی کر کے غیر پیداواری امور کی حوصلہ شکنی کر کے بچتوں کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ حکومت بوقت ضرورت جبری بچتوں سے بھی تشکیل سرمایہ کر سکتی ہے۔

۱۳۔ مزدوروں کے حقوق کا تحفظ

ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک میں مزدوروں کے حقوق کا اہم مسئلہ ہے۔ سرمایہ دار مزدوروں کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھتے اس وجہ سے سرمایہ دار اور مزدوروں کے تعلقات میں کشیدگی رہتی ہے۔ منصوبہ بندی سے مزدوروں کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکتا ہے تاکہ سرمایہ دار اور مزدوروں کے تعلقات میں خوشگواری آئے اور پیداوار بڑھے۔

۱۴۔ دفاع ملک

کسی ملک کی سالمیت مضبوط دفاع پر منحصر ہے۔ منصوبہ بندی کے ذریعے ملکی آمدن بڑھا کر ملک کے دفاع کو مضبوط کیا جا سکتا ہے۔

۱۵۔ دفاع کا انحصار

دفاع کا انحصار حربی ٹیکنالوجی پر ہے منصوبہ بندی کے ذریعے ہی حربی ٹیکنالوجی کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ دور حاضر میں جو ملک بھی حربی ٹیکنالوجی سے محروم ہوگا۔ وہ اپنی سالمیت کو کھو بیٹھے گا۔ حربی ٹیکنالوجی مضبوط منصوبہ بندی کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے۔[1]

منصوبہ بندی کے مقاصد

۱۔ عوام کی خوش حالی اور محروم وسائل افراد کو ذرائع وسائل کا مہیا کرنا

۲۔ معیار زندگی کو بلند سے بلند کرنا اور اوسط آمدنی کو بڑھانا

۳۔ مفید اور کارآمد اشیاء کی پیداوار

۴۔ تمام ملکی علاقوں اور حصوں میں متوازن ترقی کا حصول

۵۔ حربی ٹیکنالوجی کا حصول

۶۔ بیرونی امداد پر انحصار میں کمی

۷۔ علوم و فنون خصوصاً حربی ٹیکنالوجی کی ترقی

۸۔ ذرائع وسائل پیداوار کی دریافت

---

[1] میرا ایک مضمون منصوبہ بندی پر مطالعہ پاکستان میں تھا۔ اس کو اضافہ کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

۹۔ منصوبہ بندی کے اہداف کے حصول کے لیے حکمت عملی تشکیل دی جاتی ہے تاکہ دست یاب وسائل پیدائش کے ذرائع کو اس رنگ میں استعمال کیا جائے کہ منصوبہ بندی اپنے نتائج کے لحاظ سے کامیاب ثابت ہو۔

انتخابات کی ترجیحات

منصوبہ بندی کرنے والوں کے لیے یہ بات ہی اہم ہے۔ کہ ان کے سامنے ترجیحات ہوں۔ کسی ترجیح کو دوسری ترجیح پر فوقیت ہے۔ ترجیحات کا تعلق عوام کی بہبود اور ہنگامی حالات سے ہے۔ منصوبہ بندی میں ان امور کو اولیت حاصل ہوگی۔ جن کا تعلق خوش حالی سے ہے۔ بعض اوقات دو امور آمنے سامنے آ جاتے ہیں ان میں سے کس کو ترجیح دی جائے مثلاً کسی علاقے میں سکول کی تعمیر اور کھیل کے میدان کی تعمیر کا مسئلہ درپیش ہے۔ دونوں میں سے انتخاب کرنا ہے کہ کسی پراجیکٹ کو اولیت دی جائے تو لازمی ہے سکول کی عمارت کو ہی ترجیح دی جائے گی۔ بڑے پیمانہ پر ملک میں مختلف قسم کے کارخانوں کے لگانے کا مسئلہ پیش آ جاتا ہے تو پہلے ان کارخانوں کو لگا جائے جو عوام کی بنیادی ضروریات سے تعلق رکھتے ہوں۔ بعض اوقات ملک کے دفاع اور عوام کی خوش حالی کا ٹکراؤ ہو جاتا ہے کہ ملک کے دفاع کو ترجیح دی جائے یا عوام کی خوش حالی کو اگر دفاع پر خرچ کیا جائے تو عوام کی خوش حالی متاثر ہوتی ہے تو دفاع کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ منصوبہ بندی کرنے والوں کی ترجیحات ہونی چاہئیں۔ انہی ترجیحات کو فوقیت ہونی چاہیے جو ملکی اور معاشرتی لحاظ سے اہم ہوں۔

مالیات کی فراہمی

مسلم ریاست میں معاشی منصوبہ بندی کی تکمیل کے لیے حسب ذیل وسائل و ذرائع ہیں۔

ا۔ اندرونی ذرائع: زکوٰۃ۔ ۲۔ عشر۔ ۳۔ کسی ہنگامی ضرورت کے وقت لوگوں سے ان کی ضرورت سے زائد بچت کا لے لینا۔ جس کو قرآن مجید نے عفو کہا ہے رکاز، ٹیکسز، (ضرائب) سرکاری کاغذات کی بیع سے آمدن مثلاً، سٹام، ڈاک خانہ وغیرہ ٹکٹیں وغیرہ۔ قانون شکنی کرنے والوں کے جرمانوں کی رقم، قرضے، ٹول ٹیکس، وقف وغیرہ۔

بیرونی ذرائع: بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے قرضے، ۲۔ غیر ملکی کمپنیوں کو سرمایہ کاری کے لیے مدعو کرنا۔

مذکورہ ذرائع آمدن کی وضاحت مختلف ابواب میں کی جا چکی ہیں۔ اعادہ باعث طوالت ہے خصوصاً اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن سامنے رکھیں۔

Marfat.com

باب ۱۸

پاکستان کے معاشی مسائل اور ان کا حل

Marfat.com

پاکستان کے معاشی مسائل اور ان کا حل

پاکستان کے زرعی مسائل

ا۔ جاگیرداری نظام

پاکستان میں جاگیرداری نظام ہے جو معاشی مسائل کی خرابی کی جڑ ہے۔ یہی وہ شجر خبیثہ ہے جس سے سیاسی، سماجی، اخلاقی اور معاشی برائیاں جنم لے رہی ہیں اگر اس غیر اسلامی اور غیر انسانی نظام کو ختم نہ کیا گیا تو وطن عزیز پاکستان کبھی بھی ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوگا۔ اس موضوع پر پہلے بھی بحث گزر چکی ہے۔ اس موضوع کی سنگینی کی وجہ سے مختصراً پھر اعادہ کرتا ہوں۔ اسلام میں حق ملکیت عین نہیں بلکہ نیابتی اور وکالتی ہے جو کچھ انسان نے کمایا ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اس کا خرچ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف رفع نزاع اور انتفاع کے لیے حق تسلیم کیا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق خرچ نہیں کرتا وہ خائن اور گنہگار ہے۔ اور زمین میں فساد پیدا کرنے والا ہے یہ ہے اسلام کا حق ملکیت کے متعلق تصور۔

اس کے علاوہ اموال ایسے بھی ہیں جس سے مفاد عامہ وابستہ ہوتا ہے۔ ان پر کسی ایک فرد کا قبضہ ناجائز ہے چنانچہ رسول کریم ﷺ نے تین چیزوں کی وضاحت کی ہے یعنی پانی، چارہ اور آگ۔

الناس شرکاء فی ثلث الماء والکلاء والنار تمام لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں۔ پانی، چارہ اور آگ۔

چونکہ عرب میں یہ تین چیزیں ہی حیات اجتماعی کی ضروریات میں شمار کیا جاتا تھا۔ لہٰذا ان تین چیزوں سے اجتماعی انتفاع کا حق قرار دیا گیا ہے۔ اسی اصول کے تحت بعد کے علماء نے مفاد عامہ والی چیزوں میں اضافہ کیا۔

اسی طرح رسول کریم ﷺ نے ہر اس امر کو ناجائز قرار دیا ہے جو مفاد عامہ کے خلاف ہو۔ ان میں سے ایک زمینداری سسٹم ہے۔ جب رسول کریم ﷺ مدینہ آئے تو مدینہ منورہ میں بنو حارثہ ایک ایسا قبیلہ تھا جو اپنی ضروریات سے زیادہ زمینوں کا مالک تھا۔ چنانچہ اس قبیلہ کے ایک فرد رافع بن خدیج ؓ کا یہ قول بخاری میں منقول ہے۔ کنا اکثر اھل المدینۃ مزروعا (بخاری) تمام انصار میں سب سے زیادہ

Marfat.com

زرعی زمینیں ہمارے پاس تھیں۔ ثقہ روایات سے یہ بات بھی واضح ہے کہ یہ قبیلہ اپنی اراضی کو بٹائی پر دیتا تھا جیسا کہ اسید بن ظہیر کا بیان کتب میں منقول ہے ''ہم میں (بنو حارثہ میں) رواج تھا کہ زائد از ضرورت زمین کو تہائی، چوتھائی، نصف پر اس شرط کے ساتھ بندوبست کیا کرتے تھے کہ اچھے قطعات اور کھیت کے جس حصے تک پانی پہنچ سکتا ہے اس کی پیداوار بھی ہم ہی لیں گے اور ہر قطعہ کی تین تین کیاریوں کی پیداوار بھی ہم ہی لیں گے۔'' رسول کریم ﷺ بٹائی پر دینے والے خاندان بنو حارثہ میں ایک دن خود تشریف لے گئے۔ سامنے اسی خاندان کے ایک فرد ظہیر کے کھیت تھے۔ فصل خوب لہلہا رہی تھی۔ سرسبز فصل کو دیکھ فرمایا ''ما احسن زرع ظهير'' ظہیر کی کھیتی کتنی اچھی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ ظہیر کی کاشت نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کیا یہ کھیت ظہیر کے نہیں۔ آپ ﷺ کو صحابہ نے بتایا زمین تو ظہیر کی ہے لیکن اس نے فلاں شخص کو بٹائی پر دی ہوئی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ظہیر کو حکم دیا کہ کاشت کرنے کے اخراجات مزارع کو ادا کر کے کھیتی کو واپس لے لو۔ اس فیصلہ کی تعمیل اس وقت کر دی گئی۔ (کنز العمال ج ۸ ص ۷۴)

اس واقعہ کے بعد رسول کریم ﷺ نے بنو حارثہ کے چند سربرآوردہ افراد کو طلب کیا۔ جس میں حضرت رافع بن خدیج کے دو چچا ظہیر اور مہیر (مظہر) اور ایک ماموں ایک چچازاد بھائی اسید بن ظہیر تھے۔ بخاری میں ہے حضرت ظہیر کہتے ہیں کہ دعانی رسول اللہ ﷺ قال ما تصنعون بمحاقلکم (فتح الباری ج ۵ ص ۴۱۹) رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ اپنی زرعی اراضی کے ساتھ تم کیا کرتے ہو۔

رسول کریم ﷺ کی طلبی صحبت سے فارغ ہو کر ظہیر اور اس کے بھائی نے اپنے خاندان کے افراد کو حضور کا حکم پہنچایا۔ حضرت رافع کا بیان ہے۔ سمعت عمی یحدثان اهل الدار انه ﷺ نهی عن کراء الارض (فتح الباری ج ۵ ص ۴۲۲، جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۴۶) میں نے اپنے دونوں چچاؤں سے سنا وہ محلہ والوں سے کہہ رہے تھے کہ زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے کی رسول کریم ﷺ نے ممانعت فرما دی ہے۔ بنو حارثہ نے اس فیصلہ پر عمل کرنے کو اپنے لیے زیادہ نفع بخش قرار دیا۔ رافع کہا کرتے تھے دخل علی خالی یومًا فقال نهانا رسول اللہ ﷺ الیوم عن امر کان لکم نافعًا وطواعیة اللہ ورسوله انفع لنا و انفع لکم (کنز العمال ج ۸ ص ۷۳) میرے ماموں ایک دن آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی بات سے منع فرمایا جو تم لوگوں کے لیے زیادہ فائدہ مند تھی لیکن رسول کریم ﷺ کی فرمانبرداری ہمارے اور تمھارے لیے زیادہ نفع بخش ہے۔ رسول کریم ﷺ نے مدینہ کے مالکان اراضی کو خطاب فرماتے ہوئے اپنا آخری فیصلہ ان الفاظ میں سنا دیا۔

من کانت له ارض فلیحرثها فان کره ان یحرثها فلیمنحها اخاه فان کره ان یمنحها اخاه فلیدعها (داری ج ۲ ص ۲۷۲) یعنی جس کے پاس زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے اگر وہ خود کاشت کرنا پسند نہیں کرتا تو وہ اپنے بھائی کو دے دے ورنہ زمین کو ہی چھوڑ دے۔

Marfat.com

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے لگان پر زمین دینے سے قطعاً ممانعت فرمادی اور حکم دے دیا کہ جس کے پاس فاضل اراضی ہوں وہ اپنے بھائیوں کو بخش دے۔ امام ابن حزم نے تو حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس قوت و طاقت کا سامان اپنی حاجت سے زائد ہو اس کو چاہیے اس فاضل سامان کو کمزور شخص کو دے دے اور جس شخص کے پاس سامان خورد و نوش زائد از ضرورت ہو۔ اس کو چاہیے کہ فاضل سامان نادار اور حاجت مند کو دے۔

حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اسی طرح مختلف قسم کے مال کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔

تمام احادیث کو سامنے رکھیں تو نتیجہ نکالیں۔ کیا جاگیرداری کو فرامیں رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے بڑے بڑے ائمہ (حضرت امام ابوحنیفہ حضرت امام مالک وغیرہ) نے جاگیرداری کو حرام قرار دیا ہے اور امام ابن حزم نے ریاست کو یہ اختیار دیا ہے کہ جاگیرداری نظام کو ختم کرنے کے لیے جاگیرداروں سے ان کی جاگیریں لے کر کسانوں میں بانٹ دے۔ اپنی کتاب المحلی میں لکھتے ہیں۔ "اور ہر ایک بستی کے اصحاب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء و غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مال فے سے ان غربا کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان ان اصحاب دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ (یعنی ان کے فاضل مال کو بجبر لے کر فقراء میں بانٹ سکتا ہے) (المحلی لابن حزم ج ۶ ص ۱۵۶ مسئلہ ۷۲۵) پاکستان کی نظام جاگیرداری کے متعلق تو تمام علماء کا اجماع ہے کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ انگریزوں نے اپنے تسلط کو قائم رکھنے کے لیے اپنے وفاداروں کو یہ جاگیریں دی تھیں۔

یہ جاگیرداری نظام ملکی معیشت کے لیے بمنزلہ سرطان ہے جب تک اس نظام کو ختم نہیں کیا جاتا۔ اس وقت تک ملکی معیشت ترقی نہیں کر سکتی۔ یہی لوگ ملکی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس طرح ملک کی سیاست بھی انہی بے رحم جاگیرداروں کے ہاتھوں میں مقید ہے عوام غلامانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

پاکستان کی معیشت میں اہم مرض کی تشخیص کے بعد ان عوامل کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے ملک غذائی مسئلہ سے دوچار ہے۔

زرعی وسائل سے بھرپور استفادہ نہ ہونا

پاکستان کا زرعی شعبہ زرعی وسائل یعنی زمین، زرعی جمعیت، محنت اور زرعی سرمایے سے پورا استفادہ نہیں کیا جا رہا۔ قابل کاشت اراضی کا بیشتر حصہ پانی اور سرمایہ کی کمی اور نامناسب دیکھ بھال کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ زیر کاشت رقبے کا ۲۵ فیصد انتشار اراضی، غیر معاشی قطعات کی صورت میں بٹا ہوا ہونے کی وجہ سے پیداوار کم ہو رہی ہے۔

حکومت کی طرف سے زراعت کے لیے کسانوں کو زرعی سرمایہ کی سہولتیں بہت کم ہیں جو بھی

Marfat.com

دست یاب ہیں وہ جاگیرداروں کے حصہ میں آ جاتی ہیں چھوٹے زمین داروں تک وہ سہولتیں پہنچتی ہی نہیں اس لیے چھوٹے زمین دار سرمایہ کی کمی کی وجہ سے پرانے اور فرسودہ طریقوں سے ہی کام لے رہے ہیں۔ جس وجہ سے کسانوں کی کارکردگی بہت پست ہے اور پاکستان باہر سے زر مبادلہ خرچ کر کے اشیاء خوردنی درآمد کرنے پر مجبور ہے۔

آب پاشی کی سہولتوں کی کمی

کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کی وجہ سے پاکستان کے دریاؤں کے دہانے ہندوستان کے قبضہ میں ہیں۔ مختلف دریاؤں پر بند باندھ کر پانی کا رخ اپنے علاقوں کی طرف موڑ لیا ہے۔ دوم سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے جو میسر پانی ہے اس کو ڈیموں میں جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اب کل قابل کاشت رقبے کے دو تہائی حصے کے لیے آب پاشی کی سہولتیں میسر ہیں جبکہ ایک تہائی رقبہ کے لیے بارشوں پر انحصار ہے بارشیں غیر یقینی ہوتی ہیں۔ پھر بارشوں کی سالانہ اوسط بھی بہت کم ہے۔ بعض علاقوں میں تو صرف پانچ انچ سالانہ بارش ہوتی ہے لہٰذا پانی کی قلت کی وجہ سے زراعت کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔

سیم وتھور کے بداثرات

پاکستانی زراعت کو سب سے بڑا مسئلہ سیم وتھور کا ہے ہر سال ہزاروں ایکڑ زرخیز زمین سیم وتھور سے متاثر ہو کر اپنی پیداواری صلاحیت سے محروم ہو رہی ہے۔

اراضی کا پوری طرح تحفظ نہ ہونا

ایک مستند تجربے کے مطابق ۱۶ کروڑ ایکڑ اراضی مختلف درجوں تک سیلابوں، آندھیوں اور جنگلات کی کمی کی وجہ سے کٹاؤ کے عمل سے متاثر ہو چکی ہے۔ چنانچہ زمین کی زرخیزی کا پوری طرح محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پیداواری صلاحیت مسلسل رو بہ زوال ہے۔

انتشار اراضی اور ذیلی تقسیم

انتشار اراضی اور اراضی کی ذیلی تقسیم وہ مسائل ہیں جن کی وجہ سے جدید سائنسی طریقوں سے فائدہ اٹھانے میں مشکلات درپیش ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق کل مزروعہ رقبے کا ۳۵ فیصد ایک ایکڑ سے لے کر ۱۲۵ ایکڑ قطعوں پر مشتمل ہے۔ جس نے مطلوبہ زرعی نتائج حاصل نہیں ہو رہے۔

کیمیاوی کھاد اور معیاری بیجوں کا کم استعمال

پاکستان کا چھوٹا زمین دار غربت اور افلاس کی وجہ سے کیمیاوی کھاد اور معیاری بیج استعمال نہیں کر پاتا۔ جس وجہ سے مطلوبہ پیداوار حاصل نہیں ہوتی۔

Marfat.com

کاشت کاری کے فرسودہ طریقے

پاکستانی کاشت کار اپنی غربت اور فنی تعلیم سے ناواقفیت کی وجہ سے ابھی بھی کاشت کاری کے لیے فرسودہ اور پرانے طریقوں کو استعمال کر رہا ہے اور ان فرسودہ طریقوں کی وجہ سے فی ایکڑ پیداوار کا معیار بہت پست ہے۔

زرعی پیداوار کی بیع وشرا کی خامیاں

پاکستان میں نقل وحمل کی کمی، پھر اس پر اٹھنے والے اخراجات کی زیادتی، قرضوں کی فراہمی کی سہولتوں کی کمی، منڈیوں میں بدنظمی اور پیداوار کو ذخیرہ کرنے کے لیے گوداموں کی عدم سہولت کی وجہ سے کسان اپنی فصل کا صحیح معاوضہ حاصل نہیں کر پاتا۔ جس کا اثر اس کی کارکردگی پر پڑتا ہے۔

نباتاتی امراض اور کیڑے مکوڑے

عام سروے کے مطابق ہر سال فصلوں کا ۱۰ سے ۱۵ فیصد تک فصلوں کے امراض اور کیڑے مکوڑوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ کسان اپنے افلاس کی وجہ سے جراثیم کش دواؤں سے فائدہ حاصل نہیں کر پاتا۔

مسائل کا حل

پاکستان ایک زرعی ملک ہے جس کا تقریباً ۷۰ فیصد قابل کاشت رقبہ خوراک کی فصلوں کی کاشت کے لیے زیر کاشت لایا جاتا ہے مگر غذائی قلت کا شکار ہے۔ اس غذائی قلت کی سب سے بڑی وجہ جاگیردارانہ نظام ہے۔ جب تک یہ بے رحمانہ نظام ختم نہیں کیا جاتا۔ اس وقت تک پاکستان غذا میں خود کفیل نہیں ہو سکتا۔ اس نظام کو ختم کون کرے۔ جب جاگیردار ہی اپنی دولت کے بل بوتے پر اسمبلیوں میں آتے ہیں اور وہی قانون ساز ہیں۔

یہ جاگیردار انگریزوں کے گملوں کی پیداوار ہیں۔ انھوں نے اپنے مفاد کے لیے ان کو جاگیروں سے نوازا تھا۔ اب بھی سیاسی مفاد کے لیے وہی ان کے محافظ ہیں۔ جب کبھی جاگیرداروں کی طاقت کو عوام کی طرف سے چیلنج ہوتا ہے تو امریکہ ان کی حفاظت کے لیے کسی جرنیل کو مقرر کر دیتا ہے۔ وہ ملک میں مارشل لاء لگا کر جاگیرداروں کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔ اساتذہ، دانش وروں اور علماء ربانی پر ایک اہم قرض آن پڑا ہے کہ وہ اسلام سے متصادم نظام جاگیرداری کو ختم کرنے کے لیے رائے عامہ ہموار کریں۔ اہل پاکستان کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ پاکستان کو کمزور رکھنے کے لیے تقسیم ہند کرتے وقت ہی انگریز نے منصوبہ بنا لیا تھا۔ اسی منصوبہ کے تحت خصوصاً گورداسپور کا ضلع باوجود مسلم اکثریت ہونے کے ہندوستان کے حوالے کر دیا تھا۔ تاکہ بھارت کو کشمیر میں داخل ہونے کا دروازہ مل سکے۔ ہندوستان اسی دروازہ سے کشمیر

Marfat.com

میں داخل ہوا اور جابرانہ قبضہ کر لیا۔ کشمیر پر قبضہ کرنے کی اور بھی کئی وجوہ ہیں لیکن اہم وجہ پاکستان کو پانی سے محروم کرنا تھا۔ کیونکہ پاکستان میں بہنے والے تمام دریاؤں کے دہانے کشمیر میں ہیں۔ پاکستان زرعی طور پر اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک دریاؤں کے دہانے واگزار نہ کرائے جائیں۔ اسی لیے قائداعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شاہ رگ قرار دیا تھا۔ پاکستان کو سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے کمزور کرنے کا دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے امریکہ نے ایک خاص منصوبہ کے تحت پاکستان میں جمہوری نظام کو چلنے نہیں دیا۔ پاکستان میں ہر مارشل لاء کے پیچھے امریکہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ مارشل لاء صرف سیاسی عدم استحکام کا ہی موجب نہیں بنا بلکہ مشرقی پاکستان بھی مارشل لاء کی وجہ سے ہی الگ ہوا تھا۔ اب حقائق سامنے آ گئے ہیں کہ امریکہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا خواہش مند تھا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی اقتصادی لحاظ سے پاکستان کے لیے بہت ہی نقصان دہ تھی۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے جب کسی ملک میں فوج اپنی آئینی حدود سے باہر نکل کر ملکی امور میں مداخلت کرنا شروع کرتی ہے تو ملک تباہی کے کنارے کھڑا ہو جاتا ہے سقوط بغداد اور سقوط ڈھاکہ فوجی مداخلت کی مثالیں ہیں۔

لہٰذا اہل پاکستان کو اپنا اقتصادی نظام درست کرنے کے لیے پہلے سیاسی نظام کو جمہوری بنانا ہوگا۔ خواہ کتنے ہی امریکی پالتو مشیر پاکستان کی معیشت کو درست کرنے کے لیے آ جائیں۔ پاکستان کی معیشت کو سنبھالا نہیں دے سکیں گے۔ بلکہ مزید بگاڑ کا موجب بنیں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ملکی انتظام تو آمر (غیر عوامی نمائندہ) کے ہاتھ میں ہو۔ پھر معاشی حالت بھی درست ہو جائے۔ اوپر میں نے پاکستان کی زرعی پستی بلکہ اقتصادی خرابی کی دو بنیادی وجوہ (جاگیرداری نظام اور آمریت) بیان کی ہیں۔ لیکن پھر بھی اگر ملک پر غیر عوامی نمائندہ ہی برسراقتدار ہو اس کو چھوٹے ڈیم بنا کر پانی کی وقت کو دور کرنا چاہیے، اسی طرح سائنسی بنیادوں پر سیم وتھور کو دور کرنا ہوگا۔ ورنہ پاکستان صحرا کی شکل اختیار کر جائے گا۔

صنعتی مسائل

ا۔ سائنسی تحقیق کا فقدان اور صنعتی مسائل

پاکستان کی صنعت مختلف گھمبیر مسائل سے گھری ہوئی ہے۔ اہم مسئلہ سائنسی تحقیق کا فقدان ہے۔ دور حاضر میں کوئی ملک صنعتی ترقی نہیں کر سکتا جب تک وہ سائنس کے میدان میں ترقی یافتہ نہ ہو۔ یورپ، چین، جاپان اور کوریا وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ پاکستان میں سائنسی پستی کی کئی وجوہ ہیں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں سائنس کے میدان میں جوہر قابل کی قدر نہیں ہے وہ دماغ دنیا کی دوسری یونیورسٹیوں اور اداروں میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے عہد وزارت عظمیٰ میں پاکستانی سائنس دانوں کو پاکستان کی خدمت کے لیے بلایا ان کی قدر کی گئی اور ان کے سپرد ریسرچ کا کام کیا گیا

Marfat.com

ہے۔ جس میں وہ سرخرو ہوئے۔ اور پاکستان کو ایک ایٹمی طاقت بنا دیا۔ اسی طرح بھٹو نے بے شمار ذہین پاکستانیوں کو دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بھیجا۔ وہ پڑھ کر آئے۔ وہ اب پاکستان کا سرمایہ ہیں بھٹو عہد کے علاوہ حکومتی سطح پر سائنسی شعبوں کو فروغ دینے کی طرف توجہ ہی نہیں دی گئی۔ امریکہ کی آنکھ میں بھٹو کی پاکستان کو ہر شعبہ میں ترقی دینے کی پالیسی ہی خار کی طرح کھٹکتی تھی۔ اس کو ایک جھوٹے مقدمہ میں پھنسا کر تختہ دار پر چڑھا دیا۔ بقول کیسنجر (امریکہ کا وزیر خارجہ) اس کو اس لیے عبرت ناک سزا دی گئی تاکہ بعد میں آنے والے حاکم اس کے نقش قدم پر نہ چلیں۔ کوئی امریکہ اور برطانیہ کا موالی یہ پڑھ کر ناراض نہ ہو یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ نہ اس سے صرف نظر کی جا سکتی ہے میں یہ بیان کر رہا تھا۔ پاکستان میں صنعتی پستی کی ایک وجہ سائنسی شعبہ میں پسماندگی ہے۔

۲۔ توانائی کی کمی

پاکستانی صنعت کا دوسرا گھمبیر مسئلہ توانائی کی کمی ہے۔ توانائی صنعت کا دل ہے۔ اگر ملک میں توانائی کے حصول کے ذرائع ہیں تو صنعت قائم ہے ورنہ نہیں۔ توانائی حاصل کرنے کے لیے دو ہی بڑے ذرائع ہیں ایک پانی کے ذریعہ دوم ایٹم کے ذریعے۔ ایٹمی توانائی کو فروغ دینے کے لیے امریکہ رکاوٹ ہے باقی رہا مسئلہ پانی کے ذریعہ بجلی حاصل کرنے کا۔ جن ڈیموں سے پانی کے ذریعہ بجلی حاصل کی جا رہی ہے۔ ایک تو ان ڈیموں میں ریت مٹی اتنی زیادہ اکٹھی ہو چکی ہے۔ ڈیموں میں پانی کی مقدار کم ہوتی جا رہی ہے۔ جس کا اثر بجلی کی پیداوار پر پڑا ہے۔ ملک میں سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے مزید ڈیم بن نہیں پا رہے جن سے توانائی حاصل کی جا سکے۔ توانائی حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع مہنگے پڑتے ہیں۔ لہٰذا پاکستانی صنعت کو توانائی کا اہم مسئلہ درپیش ہے۔

۳۔ ٹرانسپورٹ کا مسئلہ

پاکستانی صنعت کو نقل و حمل (ٹرانسپورٹ) کا مسئلہ درپیش ہے۔ ایک تو پاکستان میں تیل کی قیمتوں میں استحکام نہیں۔ تیل کی قیمتوں میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جس وجہ سے ٹرانسپورٹ مہنگی پڑتی ہے۔ اس وجہ سے لازمی طور پر صنعتی اشیاء کی قیمتیں عوام کی قوت خرید کے تناسب سے بہت بڑھ جائیں گی۔

پاکستانی صنعت کو بیرونی منڈیوں میں ترقی یافتہ صنعتی ممالک کی اشیاء سے سخت مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ ان ممالک کی صنعتی اشیاء ہر لحاظ سے عمدہ اور سستی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے بیرونی منڈیوں میں پاکستانی صنعت کی مانگ نہیں۔ حتیٰ کہ ملک کے اندر بھی عوام کی مطلوبہ اشیاء چین، جاپان اور کوریا وغیرہ سے اتنی سستی اور پائیدار آ گئی ہیں عوام اپنے ملک کی صنعتی اشیاء پر بیرونی اشیاء کو خریدنے میں ترجیح دیتے ہیں۔

Marfat.com

۳۔ محنت کار کا مسئلہ

پاکستانی صنعت کو ایک اہم مسئلہ محنت کار کا ہے۔ ایک تو محنت کار اور سرمایہ کار کے باہمی تعلقات خوشگوار نہیں۔ جب تک محنت کار صنعت کار کی صنعت کو اپنی صنعت نہیں سمجھتا۔ اس کے سرمایہ کو اپنا سرمایہ نہیں سمجھتا۔ اس کے فائدے کو اپنا فائدہ نہیں سمجھتا۔ اس کی جائیداد کو اپنی جائیداد نہیں سمجھتا۔ اس وقت تک کارخانہ اپنی پوری پیداوار نہیں دے سکتا۔ اگر محنت کار کے دل میں سرمایہ کار کے لیے اخلاص نہیں ہے تو سرمایہ کار کا دل بھی محنت کار کے لیے سخت ہے۔ وہ بھی محنت کار کی بہبود کا خیال نہیں رکھتا۔ اس طرح محنت کار اور صنعت کار کے درمیان ایک تصادم سی کیفیت ہے۔ پاکستان میں تو یہ بھی مشہور ہے کہ بعض صاحب اقتدار صنعت کاروں نے مزدوروں کو دھکتی ہوئی بھٹیوں میں ڈال دیا تھا۔ اب بھی کسی شخص نے صنعت کاروں اور محنت کاروں کے تعلقات کا اندازہ لگانا ہے تو کسی کارخانے میں چلا جائے تو وہاں کے محنت کاروں کے چہروں پر نظر ڈالے تو ان کے چہرے ہی دل کی کیفیت بیان کر دیں گے۔

۴۔ ذیلی صنعتوں کا فقدان

دور حاضر میں اصلی صنعتوں کے ساتھ ذیلی صنعتوں کو بہت ضروری قرار دیا ہے۔ پاکستان میں بڑی صنعتوں کے ساتھ ذیلی صنعتوں کا فقدان ہے اس وجہ سے بڑی صنعتیں اس رفتار سے ترقی نہیں کر رہیں جتنی رفتار سے کرنی چاہیے غالباً پاکستان میں صرف کھیلوں کے سامان کی صنعت ایک ایسی صنعت ہے۔ بڑی صنعتوں کے ساتھ ذیلی صنعتیں کام کر رہی ہیں اس وجہ سے یہ صنعت خوب فروغ پا رہی ہے۔

پاکستان کی صنعت کو سب سے بڑا مرض یہ لاحق ہے کہ صنعت کار ہی حکمران ہیں اور حکمران ہی صنعت کار ہیں۔ حالانکہ رسول کریم ﷺ نے واضح الفاظ میں اس امر سے منع فرمایا ہوا ہے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے۔ جس کی مثال دنیا کے کسی ملک میں نہیں پائی جاتی۔ حکمران صنعت کاروں کے علاوہ جو دوسرے صاحب ثروت ہیں ایک تو وہ خود ملک کی صنعت میں سرمایہ نہیں لگاتے وہ کسی دوسرے ملک میں سرمایہ کاری کو ترجیح دیں گے۔ دوم اگر وہ لگانا بھی چاہیں تو یہ حکمران صنعت کاران کے سامنے بے شمار رکاوٹیں کھڑی کر دیتے ہیں۔ جس وجہ سے سرمایہ کاری نہیں ہو رہی۔

۵۔ سرمایہ کاری کا غلط رجحان

مذکورہ بالا مشکلات کی وجہ سے اصحاب ثروت نے اب اپنی دولت شعبہ تعلیم میں لگانی شروع کر دی ہے۔ جس وجہ سے تعلیم کا مقدس پیشہ صنعت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ کالج یونیورسٹیاں چلاتے ہیں نہ تو توانائی کی ضرورت ہے اور نہ منڈیاں تلاش کرنی پڑتی ہیں۔ نہ مزدوروں کی ہڑتالوں کا خوف، سرمایہ دار کسی بڑے جرنیل یا کسی مشہور وکیل یا کسی بڑے ماہر تعلیم یا سائنس دان کا نام خریدتے ہیں ان کی جیب پیسوں سے

بھرتے ہیں اور خود لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔ تعلیم یافتہ اصحاب نوکریوں کے حصول کے لیے سرمایہ داروں کے دروازوں پر دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ جن کی قسمت جاگی اس کو اپنی شرائط پر نوکر رکھ لیا۔ وہ تعلیمی ادارہ کا ملازم نہیں ہوتا بلکہ تعلیمی ادارے کے مالک کا ذاتی ملازم ہوتا ہے۔ جب کبھی مالک ادارہ کی نازک طبع پر معلم کی کوئی حرکت ناگوار گزری اسی وقت ادارہ سے فارغ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح پاکستان کے تعلیم یافتہ طبقے کا استحصال ہو رہا ہے۔ تعلیمی صنعت چلانے والوں نے اپنے تعلیمی اداروں کی حفاظت اور تعلیم کو گراں نرخ پر بیچنے کے لیے سیاست میں گرمجوشی سے حصہ لینا شروع کر دیا ہے اب سیاست کے میدان میں جاگیرداروں، صنعت کاروں کے ساتھ علم فروش اصحاب ثروت بھی آ گئے ہیں۔ یہ مختنق اور مسموم وبا فوجی حکمرانوں کے عہد حکومت میں تیزی سے پھیل رہی ہے کیونکہ بیرونی حکمرانوں کی طرف سے ان کو ایک ٹارگٹ ملا ہے کہ تعلیم کو نجی ہاتھوں میں دینی ہے اور ملک کو جہالت کی وادی میں دھکیلنا ہے۔ یہ اب غریب آدمی کے لیے اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہو گیا ہے۔ اب ان کے بچے صبح ہی چند ٹکوں کی خاطر گلی کوچوں میں ردی کاغذ جمع کرنے کے لیے نکل پڑتے ہیں اور سارا دن اسی دھندے میں لگے رہتے ہیں۔ رات کو ردی بیچ کر چند روپے گھر لا کر اپنے والدین کے سامنے رکھتے ہیں۔ اس طرح نامعلوم کتنے جوہر قابل کی ذہنی استعدادیں ضائع ہو رہی ہیں۔ یہ ضیاع کسی فرد واحد کا نہیں بلکہ قومی ضیاع ہے۔

۶۔ سمگلنگ

پاکستانی صنعت کو سمگلنگ بھی نقصان پہنچا رہی ہے۔ چور دروازہ سے آنے والی غیر ملکی اشیاء سے پاکستانی بازار بھرے پڑے ہیں۔ اب تو یہ وبا اتنی بڑھ گئی ہے باہر سے سستے داموں اشیاء تھوک سے لائی جاتی ہیں پھر ملکی صنعت کی مہر لگا کر بیچی جاتی ہیں۔

صنعتی مسائل کا حل

نمائندہ حکومت

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ملکی مسائل ہمیشہ عوام کی نمائندہ حکومتیں حل کیا کرتی ہیں۔ جب کبھی بھی ملک پر غیر نمائندہ حکومتیں مسلط ہو جاتی ہیں تو وہ ملک مسائل کا گھر بن جاتا ہے۔ یہی حال پاکستان کا ہے۔ تشکیل پاکستان پر اٹھاون سال گزر جانے کے بعد بھی مسائل کم نہیں ہوئے بلکہ بڑھے ہیں۔ ملک کے ہر قسم کے مسائل خواہ زرعی ہوں خواہ صنعتی یا دیگر مسائل وہ ایک نمائندہ حکومت ہی حل کرے گی۔

Marfat.com

سائنسی ترقی

دور حاضر میں صنعت وحرفت کا دار و مدار سائنسی شعبہ میں ترقی پر ہے۔ پاکستانی حکومتوں نے آج تک سائنس کی ترقی کے لیے کوئی مربوط منصوبہ بندی نہیں کی۔ پاکستان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ سائنس دان دوسرے دنیا کے ممالک کی نسبت بہت کم ہیں جو ہیں ان سے بھی صحیح صورت میں کام نہیں لیا جا رہا۔ ان کے لیے اعلیٰ قسم کی لیبارٹریاں نہیں۔ دیگر ریسرچ کی سہولتیں نہیں۔ ان کے علم کا کوئی قدر دان نہیں۔ یہ تو صورت حکومت کی طرف سے ہے۔ باقی رہا صنعتی اداروں کا کردار دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک میں بڑی بڑی صنعتوں کے ساتھ ریسرچ لیبارٹریاں ہیں۔ صنعتوں کے مالک خود ذہین طلباء کو اپنی صنعت کے لیے اعلیٰ تعلیم دلاتے ہیں پھر ان کو ہر قسم کی سہولتیں مہیا کرتے ہیں۔ جدید سائنسی ادب خریدتے ہیں۔ تجربہ گاہوں کو جدید آلات اور سامان سے مزین کیا جاتا ہے۔ سائنس دان اس صنعت کے متعلق نئی نئی تحقیق کرتے ہیں۔ وہ تحقیق اس صنعت کے فروغ کا سبب بنتی ہے۔

توانائی پیدا کرنا

صنعت وحرفت کے لیے توانائی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ پاکستان میں صنعت کو فروغ دینے کے لیے لازمی ہے کہ اس سنگین مسئلہ کو حل کیا جائے۔ اگر یہ مسئلہ حل نہ کیا گیا تو پاکستان کی صنعت شدید بحران کا شکار ہو جائے گی۔ اس کے لیے ضروری ہے آبی بجلی حاصل کرنے کے لیے ڈیم تعمیر کرے اور اس کے ساتھ ایٹمی بجلی گھر تعمیر کرے اور امریکہ کے دباؤ سے باہر نکلے۔

ٹرانسپورٹ کا مسئلہ

یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو حل نہ ہو سکتا ہو۔ ٹرانسپورٹ کے اخراجات کم کرنے کے لیے سستا تیل ضروری ہے۔ سستا تیل کے حصول کے لیے ضروری بات تو تیل میں خود کفیل ہونا ہے۔ پاکستان تیل کی نعمت سے مالا مال ہے۔ جتنی دولت اس ملک میں پائی جاتی ہے۔ وہ دریافت کر نہیں پائے۔ نہ اس دریافت کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے جن علاقوں میں یہ نعمت پائی جاتی ہے ان علاقوں کے ساتھ حکومت کا غیر نمائندہ ہونے کی وجہ سے ٹکراؤ اور تصادم ہے۔ لہٰذا تیل میں خود کفیل ہونے کے لیے سچی سچی نمائندہ حکومت برسر اقتدار آئے۔ وہ پوری لگن کے ساتھ تیل کی دریافت کے لیے کوشش کرے۔ پھر یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

دوم باہر سے جو تیل کی خریداری ہے۔ اس کی قیمت بین الاقوامی قیمتوں کے مطابق مقرر کی جانی چاہیے۔ محض دوسرے خسارے پورے کرنے کے لیے تجارت کے رنگ میں گراں قیمت پر فروخت کرنا کوئی دانشمندی نہیں۔ یہ تو صنعت پر خود کاری ضرب لگانے کے مترادف ہے۔

محنت کا مسئلہ

یہ مسئلہ آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام نے حل کر دیا تھا۔ جس کا ذکر تفصیل سے پہلے ہو چکا ہے یہاں صرف ایک آیت فِی اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کی روشنی میں صنعت کاروں کی خدمت میں گزارش ہے کہ جس فضل اور نعمت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا ہے۔ اس میں محنت کاروں کا بھی حصہ سمجھ لیں تو محنت کاروں سے ٹکراؤ کی خود بخود گلو خلاصی ہو جائے گی۔ محنت کار بھی دل و جان سے صنعت کے فروغ میں کوشش کریں گے۔ محنت کار کی بہبود کے لیے کئی رستے اور طریقے ہیں۔ لیکن حسب ذیل باتوں کو اولیت دینی چاہیے وہ ہے روٹی کپڑے مکان تعلیم اور علاج معالجے کا مہیا کرنا۔ اس سے صرف مزدور بھی راضی نہیں ہوگا بلکہ صنعت کار خدا کے ہاں بھی مقبول ہو جائے گا۔ کتنا خوش نصیب ہے وہ صنعت کار جس سے مزدور بھی راضی ہوں اور خدا بھی۔

ذیلی صنعتوں کا فقدان

ذیلی صنعتوں کے قیام کے لیے پہلے تو صنعت کاروں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے صنعت کے اردگرد کے علاقے میں یونٹ بنائے۔ لوگوں کو سرمایہ مہیا کرے وہ گھروں میں ہی اس صنعت سے متعلق اشیاء تیار کریں۔ جیسا کہ سیالکوٹ میں تقریباً ہر گھر کھیلوں کے سامان کے لیے یونٹ بنا ہوا ہے۔ وہ گھر میں تیار کردہ سامان بڑی بڑی فیکٹریوں کو مہیا کرتے ہیں۔ اس سے ایک تو فیکٹری کی پیداوار بڑھ جاتی ہے دوم بیروزگاری دور ہوتی ہے۔

حکومت کا یہ فرض ہے کہ لوگوں کو ہنر مند بنائے۔ مختلف ادارے کھولے جہاں غریب آدمی ہنر سیکھ کر ذیلی صنعتوں میں کام کر سکیں۔

سرمایہ کاری کا غلط رجحان اور سمگلنگ

ان دونوں اقتصادی بیماریوں پر قابو پانا حکومت کا فرض ہے جو دونوں ایسی بیماریاں ہیں جو اقتصادی نظام کو گھن کی طرح کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ سرمایہ کاری کے غلط رجحان کی وجہ سے تعلیمی شعبے نے جو غلط شکل اختیار کی ہے۔ اس کی اصلاح کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس رجحان کو ختم کیا جائے۔ اگر ختم نہیں کرنا تو اس کی اصلاح کی جائے۔ اس نجی ادارے کو کام کرنے دیا جائے۔ جو بین الاقوامی تعلیمی معیار پر اترتا ہو۔ معلمین کا معیار قابلیت وہی ہونا چاہیے جو پاکستان کے سرکاری اور دنیا کے اعلیٰ شہرت رکھنے والے تعلیمی اداروں میں اساتذہ کا ہے۔ حکومت کو خاص طور پر اس بات کی طرف توجہ دینی چاہیے کہ معلمین کا استیصال نہ ہو۔ نجی تعلیمی ادارے معلمین کا انہی شرائط پر تقرری کریں۔ جن شرائط پر حکومت کرتی ہے۔ اس کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ نجی تعلیمی اداروں میں حکومت خود پبلک سروس کمشن کی معرفت معلمین کو بھیجے۔

Marfat.com

معلمین کو ملازمت سے فارغ کرنے کی اجازت نہ ہو۔ اس طرح نہ صرف تعلیمی معیار برقرار رہے گا۔ بلکہ بیروزگاری کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور معلمین کا استحصال بھی ختم ہو جائے گا۔ معلمین اپنی ذہنی آزادی اور قلبی انبساط سے کام کریں گے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ فیسوں کا تعین کرتے وقت حکومت کی پوری مداخلت ہونی چاہیے۔ فیسوں کا تعین اس طور پر ہونا چاہیے کہ تعلیمی ادارہ بھی باحسن طریق پر چلے اور عوام بھی ان فیسوں کو ڈاکہ خیال نہ کریں۔ نجی اداروں کی زرطلبی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ صرف پراسپکٹس (کیفیت نامہ) فروخت کر کے لاکھوں روپے کما لیتے ہیں۔ اس طرح نجی اداروں میں لوگوں کو لوٹنے کے لیے نئے نئے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں حکومت خاموش تماشائی بن کر دیکھ رہی ہے۔

باقی رہا سمگلنگ کا مسئلہ

اگر حکومت سرحدوں کو سیل کر دے تو سمگلنگ خود بخود ختم ہو جاتی ہے اگر کسی طرح سمگل شدہ سامان ملک میں آ بھی جائے تو اس کا فروخت کرنا قابل تعزیر ٹھہرایا جائے تو سمگلنگ کا راستہ خود بخود مسدود ہو جائے گا۔ اس وقت سمگلنگ میں حکومتی کارندے شامل ہیں جن کے تعاون سے سمگلنگ میں تیزی آ چکی ہے۔ دن دھاڑے سامان عام منڈیوں میں فروخت ہو رہا ہے۔

اقتصادی دہشت گردی کا مسئلہ

اقتصادی دہشت گردی سے مراد غلط انداز سے اپنے ملک کی دولت کو بیرونی بنکوں میں بھیجنا ہے۔ اس مسئلہ سے صرف پاکستان ہی دوچار نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کو یہ مسئلہ درپیش ہے۔ وہ رقوم مغربی ممالک کے بنکوں میں جمع ہیں مغربی ممالک خصوصاً امریکہ، اسی دولت کو کام میں لا کر مسلمانوں کے خلاف منصوبے بنا رہا ہے گویا مسلمانوں کا ہتھیار مسلمانوں کے ہی خلاف۔ حکومتیں ناجائز بھیجی ہوئی دولت کو اپنے اپنے ملک میں لانے کا کوئی منصوبہ نہیں بنا رہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حکومتی عہدہ دار بھی اس اقتصادی دہشت گردی میں شامل ہیں۔

اگر کوئی نمائندہ حکومت پاکستان کو اقتصادی ترقی کی راہ پر گامزن کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ پاکستان سے لوٹی ہوئی اربوں ڈالر کی رقوم واپس لانے کا بندوبست کرے۔ ۱۷ اگست ۲۰۰۵ء کو عالمی بنک کے صدر نے بھی وعدہ کیا تھا کہ عالمی بنک ان رقوم کو پاکستان کو واپس دلوانے میں مدد کرے گا۔ لیکن اب تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ ایک موقع پر اسلام آباد میں امریکی سفیر نے کہا تھا۔ اگر بیرونی ملکوں میں جمع لوٹی ہوئی دولت پاکستان کو واپس مل جائے۔ تو پاکستان نہ صرف اپنے بیرونی قرضے واپس کر سکتا ہے بلکہ مستقبل میں قرضے لینے سے بھی بے نیاز ہو سکتا ہے۔ میں پاکستان کے غریب عوام کی خدمت میں بڑے دکھ سے کہوں گا یہ کن کن دہشت گردوں کی دولت ہے اور حکومت ان پر پردہ ڈالے

Marfat.com

ہوئے ہے وہ دہشت گرداب بھی حکومت کا حصہ ہیں بلکہ ہر حکومت کا حصہ ہوتے ہیں۔

حکومت کا یہ فرض ہے کہ بیرونی بنکوں میں پاکستانیوں کی رکھی ہوئی دولت واپس لانے کا بندوبست کرے۔ جس سے تمام معاشی مسئلے حل ہو جائیں گے۔

تقسیم دولت کا ناقص انتظام

پاکستانی معیشت کو سب سے گھمبیر اور خطرناک مرض ''تقسیم دولت کا ناقص انتظام'' لاحق ہے۔ ناقص تقسیم کی وجہ سے ملک کی تمام دولت چند مخصوص مراعات یافتہ اصحاب کے ہاتھوں میں مرتکز ہوتی رہتی ہے۔ عوام تک ملکی دولت کے اثرات نہیں پہنچتے۔ جس وجہ سے پاکستانی عوام کی اکثریت غربت کی آخری لکیر کے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ فیلڈ مارشل صدر محمد ایوب کے عہد صدارت میں تمام دولت بائیس گھرانوں کی لونڈی بن گئی تھی۔ اور شعراء کا موضوع ہی یہ تھا۔ ہر زبان پر مرحوم جالب کا شعر مشہور ہو گیا۔ عوام مایوسی کی اس حد تک پہنچ چکے ہیں۔ ان میں انسانی اور حیوانی زندگی گزارنے میں کوئی امتیاز نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر غاصب حکمران ڈھٹائی سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ عوام کی اکثریت اس کے ساتھ ہے۔ غریب عوام کب غیر نمائندہ حکمرانوں کا ساتھ دیتا ہے حقیقت میں ان کی زبانیں ہی غربت کی وجہ سے گنگ ہو چکی ہیں ان کے اندر سے انسانی جذبات ہی ختم ہو چکے ہیں۔ ان کو حکمرانوں کے طرز حکومت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی۔ جس طرح چاہیں انتخابات میں جعل سازی سے ووٹ دلوا کر پارلیمنٹ کا رکن بن جائیں۔ اب حقیقت حال یہ ہے بے شک عوام کے سامنے پرچیوں پر مہریں لگالیں۔ یہ بے زباں عوام کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لائیں گے۔ عوام کی یہ حالت تقسیم دولت کے ناقص انتظام کی وجہ سے ہے۔ جب یہ ناقص انتظام غیر نمائندہ حکمرانوں کی طاقت کا ذریعہ ہے تو پھر وہ اس طاقت کو اپنے ہاتھ سے کیوں کر جانے دیں گے اور کیونکر لوگوں کو زبان دیں گے لوگوں کو زبان دینے میں غیر نمائندہ حکمرانوں کی تباہی کا سامان مضمر ہے۔

بہر حال قارئین کی خدمت میں یہ گزارش کروں گا کہ اسلام کی روشنی میں تقسیم دولت کا طریقہ کار گذشتہ کسی باب میں بیان ہو چکا ہے۔ اس سے بہتر کسی نظام نے بھی کوئی طریقہ بیان نہیں کیا یہاں صرف یہ گزارش کروں گا کہ تقسیم دولت کا بہترین طریقہ زکوٰۃ اور عفو (زائد از ضرورت دولت حکومت کے سپرد کر دینا) ہے۔ اگر کوئی حکومت زکوٰۃ اور عفو کا انتظام مضبوط بنیادوں پر کرے تو تقسیم دولت کے اثرات نچلی سطح تک پہنچ جائیں گے۔ رسول کریم ﷺ اور خلفاء راشدین نے اسی طریقہ پر عمل کر کے اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنایا تھا۔ اب بھی اس راستہ پر چل کر غربت کو دور کیا جا سکتا ہے۔ امریکی مشیروں کے بتائے ہوئے طریقے کام نہیں آئیں گے۔ یہ مشیر تو تقسیم دولت کے اسلامی طریقوں کو فرسودہ گردانتے ہیں۔

Marfat.com

سرمایہ داری کی گرفت

پاکستان کی معیشت پر سرمایہ دارانہ نظام کی گرفت ہے۔ جس وجہ سے ملکی معیشت نڈھال ہے۔ اور جب تک یہ گرفت قائم ہے اس وقت تک پاکستانی معیشت میں زندگی نہیں آ سکتی۔ سرمایہ دارانہ نظام ایک غیر طبعی نظام ہے۔ جس کی مخالفت میں قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ سرمایہ داری نظام پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔ قارئین اس بحث کو ذہن میں مستاحضر رکھیں۔ تو سرمایہ داری نظام کی برائیاں نظروں کے سامنے آ جائیں گی۔ قرآن مجید کی صرف ایک دو آیت پر اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. (التوبہ:۳۴) جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو خبر دے دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ نِ الَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهٗ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ (الہمزہ:۲.....۴) جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گنتا رہتا ہے وہ گمان کرتا ہے اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا ہرگز نہیں وہ حطمہ (اللہ کی جلائی ہوئی آگ میں) میں ڈالا جائے۔

قرآن مجید میں سرمایہ دارانہ نظام کو قارونی اقتصادی نظام کہا گیا ہے۔ لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے بداثرات کو دور کرے۔ قرآن مجید نے سرمایہ دارانہ نظام کے بداثرات کو دور کرنے کے لیے "انفاق فی سبیل اللہ" قرار دیا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی دو اقسام ہیں ایک لازمی اور دوسری طوعی۔ لازمی کا نام زکوٰۃ ہے اور طوعی کو صدقات کہا جاتا ہے۔

بیرونی قرضوں کا بوجھ

پاکستانی معیشت فوجی آمر صدر محمد ایوب خان کے عہد صدارت سے ہی بیرونی قرضوں کی گرفت میں آ چکی ہے۔ جب صدر صاحب نے صنعت کے فروغ کے نام پر عالمی مالی اداروں سے قرضہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت ماہرین معاشیات نے ان قرضوں کو ان مالی اداروں کی غلامی قرار دیا تھا۔ خصوصاً چودھری محمد علی صاحب سابق وزیراعظم نے ان قرضوں کے بدنتائج سے آگاہ کر دیا تھا۔ بہرحال صدر صاحب نے ماہرین معاشیات کے صائب خیالات کو رد کر دیا اور قرض لیتے رہے اب ملکی معیشت بالکل بیرونی اداروں کی غلام ہے۔ پاکستان نہ صرف اقتصادی لحاظ سے غلام بن چکا ہے بلکہ سیاسی لحاظ سے بھی غلام ہے۔ بیرونی مالی اداروں کی ہدایات کے مطابق پاکستان کا اقتصادی نظام چل رہا ہے۔ اسی اقتصادی غلامی کا نتیجہ ہے کہ جب امریکہ نے کسی ملک کی جاسوسی کرنی ہو تو اپنے جاسوسی جہاز کے لیے پاکستانی ہوائی اڈہ استعمال کرے گا۔ اسی طرح اگر امریکہ کو ہمارے کسی پڑوسی ملک پر ہوائی حملہ کرنا درکار ہو تو

پاکستانی ہوائی اڈوں سے کام لے گا۔ پاکستان کھربوں کا مقروض ہے اس قرضہ سے نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔ اسی وجہ سے ہر دن مہنگائی کا پیغام لے کر آتا ہے۔ عوام گرانی کی چکی میں پس رہے ہیں۔

پاکستانی معیشت اور افراط زر

عہد حاضر میں جن معاشی مسائل نے ملکوں کو پریشان کر رکھا ہے ان میں سے ایک افراط زر کا مسئلہ ہے۔ اس سے مراد معیشت کی وہ حالت ہے جب زر کی قدر کم ہو جاتی ہے اور اشیاء و خدمات کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں اور قیمتوں میں اضافہ کا رجحان مستقل حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ غلط مالیاتی پالیسی اور خسارے کی سرمایہ کاری کی وجہ پاکستان میں افراط زر بڑھ گیا ہے جس کے نتیجہ میں اشیاء کی قیمتیں عوام کی پہنچ سے باہر ہو گئی ہیں۔ اور لوگ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مسئلہ افراط زر پر مفصل بحث اگلے باب میں آئے گی اس بحث کو قارئین سامنے کر پاکستانی معیشت کا جائزہ لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ پاکستانی معیشت کس دلدل میں پھنسی ہوئی ہے اور اس دلدل سے نکلنے کا کوئی رستہ بھی ہے یا کہ نہیں۔

قرضوں کی عدم وصولی

پاکستانی معیشت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ بارسوخ حضرات قومی اداروں سے قرض لیتے ہیں۔ پھر حکومتی ایوانوں میں اپنی سیاسی وفاداری بیچ کر اپنے قرض معاف کرا لیتے ہیں۔ جس کے ملکی معیشت پر بد اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حکمران چند بے ضمیر اور اپنی رائے فروخت کرنے والے حضرات کو خوش کرنے کے لیے عوام کو اندھیرے کنویں میں پھینک دیتے ہیں۔ خصوصاً فوجی حکمران تو قرضے معاف کرنے میں بہت ہی وسیع القلب ثابت ہوئے ہیں۔

باب ۱۹

اسلامی معیشت اور افراط زر

اسلامی معیشت اور افراط زر

دور حاضر میں افراط زر کی وجہ سے ہر ملک پریشان ہے۔ اس سے مراد معیشت کی وہ حالت ہے کہ جب زر کی قدر کم ہو جاتی ہے۔ اشیاء و خدمات کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور قیمتوں میں اضافہ کا رجحان مستقل حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ اگر کوئی حکومت مضبوط منصوبہ بندی سے اس رجحان پر قابو نہیں پاتی تو یہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے جس سے معاشی ڈھانچہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

کراوتھر (Crowther) نے افراط زر کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے "افراط زر اس حالت کا نام ہے جب زر کی قدر گرتی جارہی ہو یعنی قیمتوں میں اضافہ ہو رہا ہو۔"

کاولبارن (Coulborn) کے الفاظ میں "جب زر کی بہت بڑی مقدار اشیاء کی بہت کم مقدار کا تعاقب کر رہی "Too much money chasing too few goods"

اقسام

افراط زر کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) اضافہ طلب کی پیدا کردہ (Demond pull)

(ب) اضافہ مصارف پیدا کردہ (Cost Pull)

اضافہ طلب کی پیدا کردہ

اضافہ طلب کی پیدا کردہ افراط زر اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اشیاء و خدمات کی طلب بڑھ جاتی ہے۔ اشیاء و خدمات کی طلب میں اضافہ کئی عوامل کی وجہ سے پیدا ہونے لگتا ہے۔ مثلاً حکومت کے ترقیاتی اخراجات میں اضافہ، آبادی میں اضافہ، نجی سرمایہ کاری اور نجی صرف میں اضافہ وغیرہ۔

اضافہ مصارف کی پیدا کردہ

اضافہ مصارف کی پیدا کردہ افراط زر اس وقت ہوتی ہے جب اشیاء کے مصارف پیدائش میں اضافہ ہو جائے۔ جب پیدائش کے مصارف بڑھ جاتے ہیں تو پیدا کنندگان (Producer) اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ مصارف پیدائش کے اضافہ کے بھی کئی اسباب ہیں مثلاً ٹیکسز میں اضافہ، درآمدی خام مال کی قیمتوں میں اضافہ، مزدوروں کی مزدوری میں اضافہ وغیرہ۔

افراط زر کے اسباب

افراط زر کے چند اسباب حسب ذیل ہیں۔

ا۔حکومت کے اخراجات میں اضافہ اور خسارہ کی سرمایہ کاری

جب کسی حکومت کے اخراجات کسی ہنگامی صورت (مثلاً جنگ، ترقی کے کاموں میں اخراجات کا بڑھنا، فضول خرچیاں) میں بڑھ جاتے ہیں تو اس خسارہ کو پورا کرنے کے لیے نئے نوٹ جاری کرنے یا بنکوں سے قرضہ لینے سے بھی اشیاء وخدمات کی طلب اور زر کی رسد میں اضافہ عمل میں آتا ہے جبکہ اشیاء و خدمات کی رسد میں اضافہ اس تناسب سے نہیں ہوتا تو یہ صورت بھی افراط زر کا باعث بنتی ہے۔

۲۔نجی صرف (Private consumption) میں اضافہ

نجی آمدنیوں میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے صرف کا میلان بڑھ جاتا ہے جس سے اشیاء کی طلب میں طبعی طور پر اضافہ ہو جاتا ہے تو اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ نمودار ہونے لگتا ہے۔

۳۔اجارہ داریاں (Monopolies)

سرمایہ دارانہ نظام میں بڑی بڑی کمپنیاں بنیادی نوعیت کی صنعتوں پر اجارہ داری حاصل کر لیتی ہیں۔اس طرح اس باطل طریقہ سے نہ صرف اشیاء کی رسد پر مضبوط گرفت حاصل کر لیتی ہیں بلکہ زیادہ نفع کے حصول کے لیے من مانی قیمتیں مقرر کرنے پر کامل قدرت حاصل کر لیتی ہیں۔اجارہ دار بازار میں طلب سے کم اشیاء لاتے ہیں۔جس سے قیمتیں بڑھنا شروع ہو جاتی ہیں۔

۴۔اجرت اور قیمت کی دوڑ

جب اجارہ دار اپنے منافع کے اضافے کے لیے قیمتیں بڑھاتے ہیں تو مزدور انجمنیں محنت کاروں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ اجرتوں کا مطالبہ کرنا شروع کر دیتی ہیں جس سے پیداوار کے مصارف میں اضافہ ہو جاتا ہے جو اشیاء کی قیمتوں میں مزید اضافہ کا سبب بنتا ہے۔اس طرح اجرت اور قیمت میں ایک مستقل دوڑ شروع ہو جاتی ہے جو افراط زر کا سبب بنتی ہے۔

۵۔اشیاء وخدمات کی طلب اور زر کی رسد میں اضافہ

افراط زر کا ایک اہم سبب اشیاء وخدمات کی طلب کا اس کی رسد سے بڑھ جانا ہے تو سرمایہ کار طلب کے بڑھنے کی وجہ سے کارخانوں میں توسیع کرتے ہیں۔ نئے نئے کارخانے تعمیر ہونے لگ جاتے ہیں۔اس عمل سے مشینوں، خام مال اور دیگر پیداواری عوامل کی طلب بڑھ جاتی ہے جس سے ان کی قیمتیں

Marfat.com

مزید بڑھ جاتی ہیں تو سرمایہ کار اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے مالی اداروں سے قرضے لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں جس سے رسد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کاروبار میں توسیع ہونے کی صورت میں سرمایہ کار محنت کار کو زیادہ شرح اجرت پر بھی لگا لیتا ہے۔ اس سے اشیاء و خدمات کی طلب میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس سے قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔

۶۔ سٹہ بازی (Speculation)

سٹہ بازی بھی افراط زر کا ایک اہم سبب ہے۔ سٹہ باز مستقبل میں اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جانے کی توقع پر اشیاء کی ذخیرہ اندوزی شروع کر دیتے ہیں۔ اور بازار سے اشیاء غائب ہو جاتی ہیں۔ اس طرح رسد کے کم ہونے اور طلب کے بڑھ جانے کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

۷۔ سودی نظام بنکاری

جب سرمایہ کار بنکوں سے سود پر سرمایہ حاصل کریں گے تو پیداوار کے مصارف لازمی طور پر بڑھ جائیں گے۔ جس سے قیمتوں میں لامحالہ اضافہ ہو جائے گا۔

۸۔ نفسیاتی عمل

جب ملک میں قیمتوں کے بڑھنے کا عام رجحان ہو اور ان میں استحکام آنے کی کوئی صورت نظر نہ آ رہی ہو تو عوام میں زیادہ اشیاء خریدنے کا میلان بڑھ جاتا ہے تا کہ قیمتوں میں متوقع اضافہ سے بچ جائیں۔ اس طرح اشیاء کی طلب میں اضافہ سے قیمتیں بھی بڑھنا شروع ہو جاتی ہیں۔

اثرات (Effects)

افراط زر ملکی معیشت کے لیے تباہ کن ہوتا ہے۔ اشیاء و خدمات کی قیمتوں میں بے محابا اضافہ ہو جاتا ہے جس وجہ سے صارفین خصوصاً محدود اور مقرر آمدنیوں والے شدید مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مجموعی بچتیں کم ہو جاتی ہیں۔ قوت خرید کی کمی کی وجہ سے پیدا کردہ اشیاء کی طلب کم ہو جاتی ہے۔ جس کا اثر کارخانوں کی قوت پیدائش پر پڑتا ہے اور پیداوار کم ہو جاتی ہے اور کارخانوں کا کام سکڑتا جاتا ہے۔ جس سے سرمایہ کاری محدود ہو جاتی ہے۔ سرمایہ کار کارخانوں سے مزدوروں کی چھانٹی شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے بے روزگاری کے مسائل پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اشیاء و خدمات کی قیمتوں میں اضافہ ہونے کی وجہ سے برآمدات میں کمی آ جاتی ہے۔ جس سے ملکی خزانہ میں زر مبادلہ کی کمی آ جاتی ہے اور ملکی ترقی رک جاتی ہے۔

Marfat.com

اسلامی معیشت اور افراط زر

اسلامی اصولوں پر گامزن معیشت افراط زر کا شکار نہیں ہو سکتی کیونکہ معیشت میں افراط زر معاشی عوامل کی بے اعتدالیوں اور عدم توازن سے پیدا ہوتا ہے۔ افراط زر کا مہلک تحفہ سرمایہ دارانہ نظام کا ہے جس میں سرمایہ کار زیادہ منافع کے حصول کے لیے وہ ناجائز ذرائع استعمال میں لاتے ہیں۔ جو معیشت میں بے اعتدالی پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ کبھی زر کی رسد اس کی طلب سے بڑھ جاتی ہے اور کبھی منڈی میں اشیاء کی قلت اور کبھی کثرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے ملکی معیشت ہچکولے کھانے شروع کر دیتی ہے اور ملک اقتصادی تباہی کے کنارے پر جا کھڑا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس ملک میں سرمایہ دارانہ نظام قائم ہو۔ اس ملک کی سیاست بھی سرمایہ داروں کی قید میں ہوتی ہے۔ سرمایہ دار جب چاہیں برسر اقتدار حکومت کو معاشی بدحالی کا شکار کر دیں۔ اسلام نے اقتصادی نظام کے لیے اصول مقرر کر دیے ہیں جن کے اندر ہی اسلامی معیشت پھلتی پھولتی ہے سرمایہ دارانہ نظام کی طرح بے لگام ہو کر بے اعتدالی کا رستہ اختیار نہیں کرتی جس سے افراط زر کا مہلک مرض پیدا ہوتا ہے۔

اسلام نے افراط زر کی روک تھام کے لیے تین رستے بیان کیے ہیں۔

پہلا اخلاقی رستہ: اسلام نے چند اخلاقی اقدار مقرر کی ہیں جن کے پیش نظر اقتصادی نظام کو چلانا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ تقویٰ، عدل، احسان، اخوت، مساوات، تعاون، قیامت کے روز اعمال کی باز پرس کا خوف یہ وہ اقدار ہیں جن سے اقتصادی نظام راہ اعتدال پر رہتا ہے۔ دوم۔ اسلام نے پیدائش دولت کے لیے حلال اور حرام کی شکل میں چند وضاحتیں کی ہیں۔ جن پر عمل کر کے ملکی معیشت کو راہ اعتدال پر رکھا جا سکتا ہے۔ حلال طریقے یہ ہیں۔ زراعت، تجارت اور صنعت کاری، حرام رستوں کی بھی وضاحت کر دی ہے ان میں سے سود، احتکار، سٹہ بازی، تجنیس اجناس، رشوت، بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع حبل الحبلہ، تناجش، بیع پر بیع پھل کی پختگی سے قبل فروخت کرنا، عوام اور حکومت کی فضول خرچیاں ہیں۔

عہد اسلامی میں ذرائع آمدن مخصوص تھے وہ یہ تھے۔ زکوٰۃ، عفو، عشر، خراج، جزیہ، صدقات، فئی، خمس، ضرائب (ٹیکس) کراء الارض، عشور، وقف، اموال فاضلہ وغیرہ۔

دور حاضر میں ریاستوں کے ذرائع آمدن وسیع ہو گئے ہیں۔ جتنے ذرائع آمدن زیادہ ہوں گے۔ ریاست کو زیادہ آمدنی ہو گی اور افراط زر پیدا نہیں ہو گا۔ اس لیے جو ملک اپنے ذرائع آمدن بڑھاتا ہے وہاں افراط زر پیدا نہیں ہوتا۔ ذرائع آمدن بڑھانے کے ساتھ مصارف کو بھی کنٹرول میں رکھنا چاہیے۔

تیسرا رستہ ذرائع آمدن

مذکورہ تینوں رستوں پر مختلف ابواب میں تفصیلاً بحث گزر چکی ہے اعادہ باعث طوالت ہے۔

Marfat.com

افراط زر کی روک تھام کے لیے اسلام میں سب سے عمدہ طریقہ زکوٰۃ اور العفو ہے۔ زکوٰۃ ریاست کے کم سے کم ٹیکس کا نام ہے اور العفو عوام سے زیادہ سے زیادہ وصولی کا نام ہے اگر کوئی اسلامی ریاست ان دو اصولوں پر عمل پیرا ہو تو افراط زر پیدا نہیں ہو سکتا۔ زکوٰۃ کو لازمی قرار دیا ہے بلکہ عبادت میں شامل کیا ہے۔ عہد صدیقی میں تو منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا گیا تھا۔ دور حاضر میں اسلامی ممالک میں زکوٰۃ کی وصولی کا منظم طریقہ رائج نہیں۔ اگر یہ طریقہ رائج ہو جائے تو ملک سے غربت کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ اگر مسلم عوام اپنی ضرورت سے زائد دولت اپنی رضا و رغبت سے ریاست کے حوالے کر دیں تو ریاست کی تمام معاشی مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور افراط زر پر کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

افراط پر قابو پانے کے لیے اسلام کے اصولوں کی روشنی میں مزید اقدامات بھی کیے جا سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔

زری اقدامات (Monetary measurs)

قرضہ حسنہ کی نسبت میں کمی

اسلام میں بنکاری نظام سود سے پاک ہے۔ بنک اپنے پاس جمع شدہ رقوم کو اکاؤنٹ ہولڈرز کی ضروریات کی تکمیل کے لیے رقم رکھ کر یا مضاربت کے اصول پر کاروبار میں لگا سکتے ہیں یا قرضہ حسنہ کی صورت میں دے سکتے ہیں۔ قرضہ حسنہ پر بنک زائد معاوضہ وصول نہیں کرتا اس لیے قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے منافع کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ سرمایہ کار اپنا منافع بڑھانے کے لیے سرمایہ کاری کے لیے بنکوں سے قرضہ حسنہ کے حصول کی کوشش کرے گا۔ جس سے قرضہ حسنہ کی طلب بڑھ سکتی ہے جو افراط زر پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہے اس صورت حال میں بنک قرضہ حسنہ کے لیے مخصوص رقم کو کم کر سکتا ہے۔

شرح منافع میں تبدیلی

بنک مضاربت پر دیے جانے والے سرمایہ کے منافع میں اپنے حصہ کی شرح میں اضافہ کر کے سرمایہ کاری کو محدود کر سکتا ہے۔ بنک اور مضارب کے درمیان منافع کی تقسیم چونکہ مرکزی بنک کی ہدایت کے مطابق کی جاتی ہے اس لیے مرکزی بنک منافع میں مالی اداروں کا حصہ زیادہ مقرر کر سکتا ہے۔

بنکوں کی شرح محفوظ میں اضافہ

مالی ادارے (بنک) قانونی طور پر اس بات کے پابند ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مجموعی اثاثوں کا ایک مقررہ حصہ مرکزی بنک کے پاس محفوظ بطور زر محفوظ کے جمع رکھیں۔ افراط زر کے وقت مرکزی بنک اس شرح محفوظ کو بڑھا سکتا ہے۔ اس سے مالی اداروں کے پاس سرمایہ کاروں کو قرضہ حسنہ دینے کے لیے سرمایہ

Marfat.com

کم ہو جائے گا تو افراط زر کے پیدا ہونے کے امکانات کم ہو جائیں گے۔

نقد شرح محفوظ میں اضافہ

ہر بنک امانت داروں کے روزمرہ کے مطالبات زر کو پورا کرنے کے لیے اپنے سرمایہ کا مخصوص حصہ نقدی کی صورت میں اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے اسٹیٹ بنک افراط زر کے زمانہ میں نقد شرح کو بڑھا سکتا ہے اس طرح بنکوں کو قرضہ دینے کی اہلیت کم ہو جاتی ہے۔ ملک میں سرمایہ کا پھیلاؤ محدود ہو جاتا ہے اور افراط زر کے بداثرات سے بچا جا سکتا ہے۔

بنکاری کی شرح میں کمی

بلاسود بنکاری نظام کے تحت قرضہ حسنہ کی حوصلہ افزائی کے لیے اسٹیٹ بنک کمرشل بنکوں کو قرضہ حسنہ کی مقدار کے مطابق ایک مقررہ شرح سے مالیات مہیا کر سکتا ہے افراط زر پر قابو پانے کے لیے مرکزی بنک اس شرح میں کمی کر کے مقدار زر کو بڑھنے سے روک سکتا ہے۔

تجارتی تمسکات کی خریداری

مروجہ بنکاری نظام میں اسٹیٹ بنک حکومتی تمسکات کی بیع وشرا کے ذریعہ زر کی رسد کو قابو میں رکھتا ہے۔ بعض ماہرین کے نزدیک اسلامی معیشت میں مرکزی بنک حکومتی تمسکات کی بیع وشرا کا طریقہ اختیار کر سکتا ہے۔ افراط زر کے زمانہ میں اسٹیٹ بنک منظور شدہ تجارتی رقعہ جات فروخت کر کے کمرشل بنکوں کی قرضہ کے طور پر دی جانے والی رقوم کو کم کر سکتا ہے۔

اسٹیٹ بنک کے وقتی اقدامات

مرکزی بنک افراط زر پر قابو پانے کے لیے وقتی اقدامات کر سکتا ہے مثلاً قرضوں کو محدود کرنے کے لیے اقساط کی ادائیگی کی رقم کو بڑھا اور اقساط کی تعداد کو کم کر سکتا ہے۔ اس طرح اسٹیٹ بنک درآمد کنندگان سے درآمدی کاروباری یا غیر ملکی زرمبادلہ طلب کی درخواستوں پر زیادہ رقوم جمع کرانے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اسٹیٹ بنک کمرشل بنکوں کو انفرادی قرضوں کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کر سکتا ہے۔

مالیاتی اقدامات

افراط زر کو قابو پانے کے لیے مالیاتی پالیسی کو بروئے کار لانا چاہیے اس سلسلہ میں حسب ذیل اقدامات کیے جاتے ہیں۔

فاضل میزانیہ

ایسا بجٹ تیار کیا جانا چاہیے جس میں حکومت کی آمدن کا تخمینہ اس کے اخراجات سے زیادہ

Marfat.com

ہو۔اس سلسلہ میں محصولات کو بڑھانا ضروری ہے۔اس سے لوگوں کی قوت خرید کم ہوگی اور طلب میں کمی آئے گی۔

زکوٰۃ سرٹیفکیٹ کا اجراء

زکوٰۃ کی رقوم مستحقین کو نقدی کی صورت میں دینے کے بجائے ایسی صنعتوں میں لگائی جائیں جو غرباء کی روزگاری کی فراہمی کا ذریعہ بنیں۔ان سے حاصل ہونے والا منافع ان میں تقسیم کیا جائے۔افراط زر کے موقع پر منافع نقدی کی شکل میں تقسیم نہ کیا جائے بلکہ اس کے بدلے زکوٰۃ سرٹیفکیٹ جاری کر دیے جائیں۔افراط زر حد اعتدال پر آنے کے بعد بھنائے جاسکتے ہیں۔

تقسیم زکوٰۃ کی مناسب تنظیم

فقراء اور مساکین میں تقسیم زکوٰۃ سے افراط زر پیدا ہونے کا امکان ہوسکتا ہے کیونکہ ان میں میلان صرف بڑھ جانے کی وجہ سے اشیاء وخدمات کی طلب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔افراط زر کے زمانہ میں زکوٰۃ اس طور پر تقسیم کرنی چاہیے کہ جس سے اشیاء کی طلب پر زیادہ اثر نہ پڑے۔

قرضوں کی تنظیم

اسلامی ریاست،قرضہ حسنہ،مضاربہ،شراکتی حصص کے سرٹیفکیٹ جاری کر کے عوام سے ان کے فاضل اموال اکٹھے کر سکتی ہے اس سے زیر گردش زر کی رسد میں کمی آ جائے گی اور افراط زر پر قابو پانے کا سبب بنے گی۔

ریاستی اقدام

زری اور مالیاتی اقدامات کے باوجود افراط زر پر قابو پانا محال نظر آئے تو پھر اس کو اسلامی ریاست غیر معمولی اقدامات بھی کر سکتی ہے بشرطیکہ عوام کے مفاد کے خلاف نہ ہوں اور ان اقدامات سے افراط زر پر قابو پایا جاسکتا ہو۔مثلاً قیمتوں کا مقرر کرنا۔نجی ذخائر کی ضبطی راشن بندی وغیرہ۔

Marfat.com

باب ۲۰

اسلامی نظریہ معیشت کے خصائص

Marfat.com

اسلامی نظریہ معیشت کے خصائص

۱۔ اصولی طور اسلام کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت قرار دیتا ہے اور اس میں تمام انسانوں کو برابر کا حصہ دار قرار دیتا ہے۔ **خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا.** (البقرہ ۲:۲۹) اس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمھارے لیے پیدا کیا۔ **وَقَدَّرَ فِيهَا مَعَايِشَ.** (حٰم السجدہ ۴۱:۱۰) اس کی خوراکوں کا اس میں اندازہ کیا۔ **وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ.** (الاعراف ۷:۱۰) اور تمھارے لیے اس کے اندر روزی کے سامان رکھے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے رفع نزاع حصولِ انتفاع کے لیے ذاتی ملکیت کو تسلیم کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ.** (النساء ۴:۳۲) مردوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ جو وہ کمائیں۔ **وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ.** (النور ۲۴:۳۳) اور ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تمھیں دیا ہے کچھ دو۔

۳۔ انسان کی ملکیت اصالتاً نہیں ہوگی بلکہ نیابۃً ہوگی۔ گویا جو دولت کسی انسان کی ملکیت میں ہے۔ وہ خدا کی طرف سے اس پر وکیل ہوگا۔ اصیل نہیں ہوگا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ.** (الحدید ۵۷:۷) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس سے خرچ کرو جس میں اس نے تمھیں اپنا نائب بنایا ہے۔ یہ آیت کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے کہ انسان کے ہاتھ میں جو اموال ہیں وہ اللہ کے ہیں۔ انسان ان پر وکیل ہے۔

۴۔ حصول دولت اور تصرف دولت پر ایسی قیود اور پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں جن کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں کسی قسم کی بدنظمی اور اضطراب پیدا نہیں ہوتا بلکہ معاشرہ اتحاد اور اخوت کی مسلک میں منسلک ہو جاتا ہے۔

حصول دولت کے ناجائز طریقے

اسلام نے حصول دولت کے تمام ناجائز ذرائع سے منع کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ.** (النساء ۴:۲۹) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اپنے مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ۔

شریعت اسلامیہ میں حصول دولت کے ناجائز ذرائع حسب ذیل ہیں۔

Marfat.com

(۱) احتکار۔ (۲) اکتناز۔ (۳) سود۔ (۴) قمار سٹہ لاٹری۔ (۵) بیع وشراء کی وہ تمام صورتیں جن سے کسی ایک فریق کو نقصان پہنچتا ہو۔ (۶) حرام چیزوں کی خرید وفروخت۔

ان ناجائز ذرائع کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

تصرف دولت پر پابندیاں

ارشاد الٰہی ہے۔ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا. (الفرقان ۲۵:۶۷) اور جب خرچ کرتے ہیں۔ نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ موقع پر تنگی کرتے ہیں۔ ان کا خرچ ان دو حالتوں کے درمیان اعتدال پر ہے۔

وَلَا تُسْرِفُوْا تَبْذِيْرًا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. (الانعام ۶:۱۴۱) اور بے جا خرچ نہ کرو وہ بے جا خرچ کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

وَلَا تُبَذِّرْ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا. (بنی اسرائیل ۱۷:۲۶،۲۷) اور بے جا خرچ کر کے مال کو نہ اڑا مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا. (بنی اسرائیل ۱۷:۲۹) اور اپنے ہاتھ کو گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول۔ ورنہ ملامت کیا ہوا ہو کر بیٹھ جائے گا۔

اسلام نے کسب شدہ دولت پر حقوق وفرائض متعین کر دیے ہیں تا کہ دولت زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں گردش کرے۔

انفاق

مال کا ایک حق یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا. (المزمل ۷۳:۲۰) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اچھا مال کاٹ کر دو۔

صاحب ثروت اپنی خوشی سے غرباء ومساکین کی بہبود کے لیے خرچ کرے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً. (فاطر ۳۵:۲۹) اور اسے جو تم نے انھیں دیا ہے چھپ کر اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔

عشر

ان اراضیات کی پیداوار پر واجب ہے جو بارش سے سیراب ہوتی ہیں اور جو زمین محنت سے

سیراب ہوتی ہو تو اس سے کل پیداوار کا بیسواں حصّہ وصول کیا جائے گا۔

وصیّت

مالک جائیداد، جائز ورثاء کے علاوہ خیراتی کاموں کے لیے وصیت کرے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیراًنِ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ. (البقرہ۲:۱۸۰) تم پر جب تم میں سے کسی کے لیے موت آ موجود ہو، عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا۔ ضروری ٹھہرایا گیا ہے اگر وہ بہت سا مال ماں باپ کے لیے اور قریبیوں کے لیے چھوڑے یہ متقیوں پر لازم ہے۔

ورثہ

قرآن مجید نے متوفی کے مال میں سب قریبی ورثاء کو شریک قرار دیا ہے اور ہر ایک کے لیے حصّے مقرر کر دیے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدًا. (النساء۴:۳۳) اور سب کے لیے اس میں جو وہ چھوڑے ہم نے ماں باپ اور قریبی وارث بنائے ہیں اور جن سے تمھارے داہنے ہاتھوں نے عہد باندھے ہیں تو ان کو حصّہ دو۔ اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

صدقہ الفطر

عیدالفطر کے موقع پر صاحب نصاب لوگوں پر محتاجوں کے لیے صدقۃ الفطر دینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

کفارات

دولت کو زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کے لیے اسلام نے بعض گناہوں کے لیے مالی کفارات مقرر کر دیے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص بلا عمل کسی مسلمان کو قتل کر دے یا قسم کھا کر اسے توڑ دے یا رمضان کے مہینے میں روزہ رکھ کر توڑ دے یا اپنی بیوی سے اظہار کرے تو اس قسم کی صورتوں میں مال کا ایک حصّہ کفارہ کے طور پر غرباء کو دیا جاتا ہے۔

وقف

اسلام میں وقف کے یہ معنی ہیں کہ دائمی طور پر کسی جائیداد کو مذہبی یا خیراتی کاموں کے لیے مخصوص کر دی جائے۔

Marfat.com

ضروریات سے زائد مال خرچ کرنا

مندرجہ بالا مالی حقوق و فرائض ادا کرنے کے بعد اگر کسی کے پاس دولت بچ جائے تو اس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ. (البقرہ۲:۲۱۹) وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دیجئے جو کچھ ضروریات اور حاجت سے زائد ہو۔

افادیت عامہ

اسلام ایسی اشیاء کو جو افادہ عام کے لیے ضروری ہوں اور جن پر انفرادی ملکیت ہو جانے کی وجہ سے افراد تنگی اور تکلیف محسوس کریں۔ اجتماعی ملکیت قرار دیتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اصولی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا۔ المسلمون شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاءِ والنار. یعنی تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں۔ پانی، گھاس اور آگ۔

رسول کریم ﷺ نے اصولی طور پر صرف تین چیزوں کا ذکر کیا ہے درحقیقت حدیث کا منشاء یہی ہے کہ قدرتی وسائل پیدائش جن پر انسان کی محنت نہ لگی ہو اور وہ ہوں افادہ عام کے لیے تو وہ حکومت کی تحویل میں ہوں گے۔ ہمارے فقہاء کرام نے مذکورہ اشیاء کو ہی اجتماعی ملکیت قرار نہیں دیا بلکہ اس حدیث کو اصول تسلیم کر کے مزید قدرتی وسائل پر انفرادی ملکیت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہ نے نمک گندھک مومیائی اور مٹی کا تیل کے متعلق لکھا ہے۔ لاتملک بالاحیاء ولا یجوز اقطاعها من الناس ولا احتجار هادون المسلمین لان فیه ضرر للمسلمین و تضیقًا علیهم. یعنی نہ آباد کرنے سے اور نہ حکومت کی طرف قطعہ اراضی سے ملنے کی صورت میں ان کا کوئی مالک بن سکتا ہے اور نہ یہ امر جائز ہے کہ عام مسلمانوں کو ان اشیاء سے فائدہ حاصل کرنے سے روک دیا جائے کیونکہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا اور ان پر تنگی ہو گی۔

کلیدی صنعتیں

یہ دور صنعتی دور ہے۔ ملک کی معیشت کا زیادہ تر دار و مدار بڑی بڑی صنعتوں پر ہے۔ اگر یہ صنعتیں افراد کے ہاتھوں میں ہوں تو سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان ہی طبقاتی جنگ کا چھڑ جانا ضروری ہے جو ملک کی معاشی اور سیاسی زندگی کے لیے مہلک ہے اس وجہ سے تمام کلیدی صنعتیں مثلاً ریلوے جہاز رانی، جہاز سازی، فولاد سازی وغیرہ کی صنعتیں۔ رسول کریم ﷺ کے بیان کردہ اصول کے تحت حکومت کی تحویل میں ہونی چاہئیں۔

اخلاقی اقدار

دنیا کے تمام معاشی نظاموں میں اخلاقی اقدار کو معاشی اقدار سے الگ کر رکھا ہے لیکن اسلام

Marfat.com

معاشی اقدار اور اخلاقی اقدار کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ کرتا ہے۔ تاکہ مجموعی نظام حیات کی تمام اکائیوں میں تناسب قائم رہے جب اشتراکی نظام میں تمام اخلاقی اقدار ملیامیٹ ہو کر رہ گئی ہیں تو وہ فیاضی، ہمدردی، احسان وغیرہ اخلاق کی کیسے آب یاری کر سکے گا۔ سرمایہ داری نظام میں بھی مالک جائیداد کو اتنی آزادی دے رکھی ہے کہ وہ تمام مزدوروں کو اپنا غلام تصور کرتا ہے۔

اخوت

اسلامی معاشی نظام اخوت پر مبنی ہے۔ سرمایہ دار پر چند فرائض عائد کر دیے ہیں۔ جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ دوسری طرف مزدور پر بھی چند فرائض عائد کر دیے ہیں تاکہ سرمایہ دار اور مزدور کا رشتہ اخوت نہ ٹوٹنے پائے۔ رسول کریم ﷺ آجر اور اجیر کے درمیانی رشتہ اخوت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ **ان اخوانکم خولکم جعلهم الله تحت ایدیکم فمن کان اخوه تحت یده فلیطعمه مما یاکل و لیلبسه مما یلبس ولا تکلفوهم ما یغلبهم فان کلفتموهم ما یغلبهم فاعینوهم.** (بخاری کتاب العتق)

تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں۔ جنھیں اللہ نے تمہارے زیر دست کر رکھا ہے لہٰذا جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو اسے چاہیے کہ وہ جو کھائے اس میں سے اس کو بھی کھلائے اور جو وہ پہنتا ہے۔ اس میں سے اس کو بھی پہنائے اور ان پر کسی قسم کا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ اگر ان کے ذمے ایسا کام کر دیتے ہو تو ان کی مدد کرو۔

وفات سے قبل جو الفاظ آپ کی زبان مبارک پر جاری تھے۔ وہ یہ تھے۔ **الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم.** نماز کو باقاعدہ پڑھو اور زیر دست لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کیا کرو۔

طبعی مساوات

اسلام حق معیشت کی مساوات کے اعتراف کے ساتھ معاشی تفاوت سے انکار نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ **نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا.** (الزخرف ۴۳:۳۲) ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ افراد مختلف استعدادیں اور صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہم روزمرہ کی زندگی میں کرتے ہیں۔ ایک شخص اپنی اعلیٰ ذہانت اور استعداد کی بناء پر تجارت اور صنعت میں ترقی کر جاتا ہے۔ دوسرا شخص جو ان صلاحیتوں سے محروم ہوتا ہے وہ ترقی نہیں کرتا۔ یہی حالت جسمانی کام کرنے والوں کی ہے۔ ایک مزدور دو گھنٹے میں وہ کام کر جاتا ہے جو اس کا ساتھی تین چار گھنٹوں میں بھی نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

اسلام نے ان طبعی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کے پیش نظر معاشی تفاوت سے انکار نہیں کیا۔ اگر مصنوعی رنگ میں تمام افراد کو ایک ہی معاشی پلیٹ فارم پر جمع کر دیا جائے۔ تو دنیا کا تمام نظام بگڑ جائے گا۔ دنیا کے کاروبار کو چلانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مزدور بھی ہوں، منتظم بھی افسر بھی ہوں ماتحت بھی، قائد بھی ہوں اور متبعین بھی ہوں، سپہ سالار بھی ہوں اور سپاہی بھی ہوں۔ یہی طبعی تفاوت دنیا کے نظام کی اساس ہے۔ اگر یہ اساس ختم کر دی جائے تو دنیا کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا اور سوسائٹی کی صحت مندانہ نشو ونما رک جائے گی۔

دنیا کا وہ عظیم نظریہ جو افراد میں معاشی مساوات کا نعرہ لے کر ابھرا تھا۔ جب اس کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو اس کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو افراد میں معاشی مساوات قائم نہ کر سکا۔ اس نظریہ کی پہلی تجربہ گاہ روس ہے وہاں بھی اس نظریہ کے خلاف جزوی ملکیت کو جائز قرار دیا گیا اور اجرتیں صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مطابق دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

"انا طوشب نے اکتوبر ۱۹۳۴ء کے ایک مطالعہ کی روشنی میں یہ نتائج بیان کیے تھے کہ کل تنخواہ پانے والوں میں صرف دو فیصد کو پانچ فیصد روبل یا اس سے زیادہ ملتے ہیں۔ اور انہتر فیصد وہ ہیں جن کو چالیس روبل سے کم ملتے ہیں اور ان میں ایک تہائی وہ ہیں جن کو ایک سو بیس سے کم ملتے ہیں۔

اسلام میں معاشی مساوات کا یہ مفہوم ہے کہ ہر انسان کو معاشی ترقی کے لیے برابر کے مواقع ملنے چاہئیں تا کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق پیدائشی دولت سے استفادہ کر سکے۔

یہ تصور صرف اسلام میں ہے۔ اشتراکیت بھی اس تصور سے خالی ہے اور نظام سرمایہ داری بھی۔ نظام سرمایہ داری میں تمام دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر آ جاتی ہے اور ملک کے تمام افراد ان سرمایہ داروں کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ معاشی ترقی کے لیے تمام مواقع سے محروم ہو جاتے ہیں۔

محنت کا معاوضہ

اس دور میں محنت کی اجرت کے متعلق دو نظریے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظریہ اور اشتراکی نظریہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی بنیادیں بے لگام انفرادی ملکیت پر ہے۔ سرمایہ دار محنت کی اجرتیں من مانے طریقہ پر متعین کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اس نظام میں آجر اور اجیر کے درمیان ایک مستقل جھگڑا رہتا ہے، آئے دن ہڑتالیں اور کارخانوں میں آتش زنی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔

اس کے برعکس اشتراکی نظام میں محنت کی اجرت کی مالک اسٹیٹ ہوتی ہے۔ ملک کے تمام افراد کی ضروریات کے مطابق ان کے اخراجات کی کفیل ہوتی ہے۔ اس نظام میں تمام محنت کش حکومت کے غلام میں بن کر رہ جاتے ہیں۔

ان دونوں نظریوں کے خلاف اسلام نے محنت کی اجرت کا مسئلہ نہایت خوش اسلوبی سے حل کیا

Marfat.com

ہے۔ مزدور کی محنت کا معاوضہ دینے کے متعلق رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ ''تین آدمیوں سے قیامت کے دن میں خود لڑوں گا۔ اوّل وہ جس نے میرے نام سے عہد کر کے عہد شکنی کی۔ دوم وہ شخص جس نے آزاد شخص کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی۔ تیسرے وہ شخص جس نے کام پر مزدور لگایا اور اس سے پورا کام لیا اور مزدوری نہ دی۔

عالمگیر نظام ربوبیت

اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ اس وجہ سے اس کا اقتصادی نظام بھی نسلی جغرافیائی امتیازات کو ختم کرتا ہے۔ اور دنیا کے ہر خطہ کے ضرورت مندوں کی ضرورت اور احتیاج کو پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ جس علاقہ میں بھی غربت افلاس ناداری بے بسی نظر آئے گی اسلام اس کی مدد کرے گا۔ کیونکہ اسلام تمام دنیا کے لیے رحمت کا پیغام لے کر آیا ہے۔

اسلام نہ تو نظریہ اشتراکیت کے جبر کا حامی ہے اور نہ نظریہ سرمایہ داری کی طرح اکتساب دولت میں مکمل آزادی کا ترجمان ہے بلکہ اکتساب دولت کے راستے بھی تمام لوگوں کے لیے یکساں کھلے رکھتا ہے۔ اجارہ داریاں، ناجائز ذرائع سے دولت کمانے اور ناجائز امور پر دولت خرچ کرنے پر سخت قیود عائد کرتا ہے۔ اس طریقہ کار سے اسلام سرمایہ داری اور کمیونزم کے بین بین پوزیشن رکھتا ہے۔

اسلامی نظام معیشت کا مآل

اسلامی نظام معیشت کی برکت سے کوئی فرد بھی محرومی اور افلاس کا شکار نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص اپنے ضروریات اور احتیاجات کو بخوبی پورا کرتا ہے۔ رسول کریم ﷺ اس نظام کے مآل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ **تصدقوا فانه یاتی علیکم زمان یمشی الرجل بصدقته فلا یجد من یقبلها یقول الرجل لو جئت بها بالامس لقبلتها فاما الیوم فلا حاجة لی بها۔** (بخاری کتاب الزکوٰۃ) اے لوگو! صدقہ دو کیونکہ تمہارے اوپر (اسلامی نظام معیشت کی برکت سے) ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی اپنا صدقہ لیے لیے پھرے گا مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اسے قبول کرے۔ جس شخص کو بھی کہے گا۔ لے لے وہ جواب دے گا تو کل لایا ہوتا تو میں لے لیتا لیکن آج مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

Marfat.com

باب ۲۱

مسلمان ماہرین معاشیات اور ان کی کتب

امام ابو یوسف

ابو عبیدہ القاسم بن سلام

ابن حزم

ابن خلدون

ناصر الدین طوسی

ابن تیمیہ

شاہ ولی اللہ صاحب

اقتصادیات پر چند اہم کتب

مسلمان ماہرین معاشیات اور ان کی کتب

قارئین کی دلچسپی کے لیے چند مشہور مسلمان ماہرین معاشیات اور ان کی کتب کا ذکر کیا جاتا ہے۔ انھوں نے قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں اسلامی نظام اقتصادیات کی روح کو بیان کیا ہے۔ دور حاضر میں جب تک مسلمان اسلام کے بتائے ہوئے اقتصادی اصولوں پر گامزن نہیں ہوتے اس وقت تک نہ وہ سیاسی ترقی کے رستہ پر گامزن ہو سکتے ہیں اور نہ ہی معاشی مسائل حل کر سکتے ہیں کیونکہ موجودہ دور میں ریاستی ترقی اور اقتصادیات لازم وملزوم ہیں۔ یہی وجہ ہے ہر ملک اپنی معاشی ترقی کا فکر مند ہے اور وہ راستے تلاش کر رہا ہے کہ اس کی معاشی ترقی ہو۔ خصوصاً امریکہ اس کو صرف اپنی معاشی ترقی مطلوب نہیں بلکہ یہ بھی مقصود ہے کہ کس طرح مسلم ممالک کی دولت پر قبضہ کرے اور اس کو اقتصادی لحاظ سے پسماندہ رکھے۔ خصوصاً پاکستان کو تو وہ ابھرتا ہوا دیکھ ہی نہیں سکتا کیونکہ پاکستان جغرافیائی لحاظ سے ایسے محل وقوع پر واقع ہے جہاں سے امریکہ کے مفادات وابستہ ہیں اس لیے اس کا یہ منصوبہ ہے کہ پاکستان سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے کمزور رہے اور اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے مفادات حاصل کرتا رہے۔ اس لیے تمام مسلم ممالک خصوصاً پاکستانیوں کو امریکہ کے مذموم عزائم سمجھنے چاہئیں اور اپنے ملکوں کو امریکہ کی سیاسی اور اقتصادی غلامی سے نجات دلائیں۔ اسی میں اسلامی ممالک خصوصاً پاکستان کی ترقی کا راز مضمر ہے۔

امام ابویوسف

حالات زندگی

نام یعقوب کنیت ابویوسف تھی۔ عرب کے قبیلہ بجیلہ سے تعلق تھا۔ مدینہ کے انصار سے ننھیالی تعلق کی وجہ سے ان کا خاندان انصاری کہلاتا تھا۔ ۱۱۳ھ (۷۱۱ء) میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد فقہ کو اختصاص تعلیم کے لیے پسند کیا۔ اور فقہ کی تعلیم کے حصول کے لیے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ پھر امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور انہی سے وابستہ ہو گئے۔

امام ابویوسف کے والدین غریب تھے اور ان کی تعلیم جاری نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کو جب ان کے حالات کا علم ہوا تو نہ صرف ان کے مصارف بلکہ ان کے سارے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری بھی اپنے ذمے لے لی اور ابویوسف کی ذہانت اور فطانت کو بھانپ کر امام صاحب نے امام

Marfat.com

ابو یوسف کے باپ سے کہا کہ "یہ لڑکا ایک دن بڑا آدمی بنے گا۔"

علمی کمالات

فقہ کے علاوہ امام ابو یوسف نے تفسیر، حدیث، مغازی، تاریخ عرب لغت اور ادب اور علم کلام میں بھی مہارت پیدا کی۔ یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور علی بن المدائنی جیسے فاضل اجل بھی امام ابو یوسف کو فقیہہ قرار دیتے تھے اور ان کے ہم عصروں کی یہ متفقہ رائے تھی کہ ابوحنیفہ کے شاگردوں میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ امام طلحہ بن محمد کہا کرتے تھے کہ امام ابو یوسف اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہہ تھے کوئی ان سے بڑھ کر نہیں تھا۔ داؤد بن رشید کا قول ہے کہ اگر ابوحنیفہؒ نے صرف ایک شاگرد پیدا کیا ہوتا تو ان کے لیے فخر کے لیے یہی کافی تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہ خود ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ جس نے علم حاصل کیا ہے وہ ابو یوسف ہیں۔ ایک دفعہ بیمار ہو گئے تو امام ابوحنیفہ عیادت کر کے باہر نکلے تو کہنے لگے "اگر یہ جوان مر گیا تو اپنے پیچھے اس زمین پر اپنے سے زیادہ بڑا فقیہہ چھوڑ کر نہ جائے گا۔"

فقہ حنفی کی تدوین

حضرت امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد ۱۶ سال تک اپنے مدرسے کی روایات کے مطابق حکومتی منصب سے الگ رہے اور اپنے عظیم استاد کے علمی ورثہ کی تدوین اور اشاعت میں مصروف رہے۔ قانون کے اکثر شعبوں کے متعلق الگ الگ کتب مرتب کیں۔ جن میں امام ابوحنیفہ کے فیصلے اور اپنے احوال منضبط کر دیے۔ ان کتب نے علمی اور عدالتی حلقوں کو بہت متاثر کیا۔ اس دور میں حضرت امام مالک کی کتاب الموطا منصۂ مشہود پر آئی تھی۔ لیکن وہ اتنی جامع نہ تھی کہ حکومت کی ضروریات کو پورا کر سکتی۔ امام ابو یوسف نے اس علمی کام کی تدوین اور اشاعت سے یہ فائدہ ہوا کہ ان کا عدالتی عہدے پر فائز ہونے سے پہلے ہی حنفی فقہ پھیل چکی تھی۔ کسر صرف یہ باقی تھی کہ حنفی فقہ ملک کا قانون نہیں تھا۔ جب امام ابو یوسف قاضی القضاۃ ہو گئے تو حنفی فقہ ملک کا قانون بن گیا۔ اپنی ملازمت کے دوران اس ضرورت کو محسوس کیا۔ ایک آئین مرتب ہونا چاہیے۔ جس پر حکومت کاربند رہے۔ لہٰذا آپ نے "کتاب الخراج" کے نام پر ایک آئین مرتب کیا۔ جس میں ریاستی شعبوں کے قواعد کی تفصیل ہے۔ امام ابو یوسف صاحب کتاب الخروج کی تدوین کی وجہ مقدمہ کتاب میں یہ بیان کی ہے۔

"امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ چاہا کہ میں ان کے لیے ایک جامع کتاب تیار کروں جس کے مطابق خراج عشور، صدقات اور جزیوں کی تفصیل میں اور دوسرے ان معاملات میں عمل کیا جائے جن کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری ان پر ہے۔ انھوں نے کچھ امور کے متعلق سوالات بھی مجھ سے

Marfat.com

کیے ہیں جن کا وہ تفصیلی جواب چاہتے ہیں تا کہ ان میں اس پر عمل درآمد ہو۔''

کتاب کے نام ''الخراج'' سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صرف خراج کے مسائل کے متعلق بحث ہے بلکہ اس کتاب میں اہم دستوری، قانونی، انتظامی اور بین الاقوامی امور پر بحثیں شامل ہیں تا کہ حکومت ان کی روشنی میں اہم فیصلے کر سکے چونکہ اس کتاب میں اسلام کا اقتصادی پہلو زیادہ نمایاں ہے اس لیے اس کا نام اس کتاب کے نمایاں پہلو کو مدنظر رکھ کر کتاب الخراج رکھا گیا ہے اسلام کے مالی نظام پر لکھنے والا کوئی شخص اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا عربی اور دوسری زبانوں میں اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں امام صاحب عشور (کسٹم) کے متعلق یہ لکھتے ہیں۔ ویوخذ باکثر مما یجب علیھم (صفحہ ۱۳۴) یعنی عشور (کسٹم) مقررہ حد سے زیادہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب سے اسلام کے اقتصادی نظام کی شکل وصورت ظاہر ہو جاتی ہے کہ عوام کی خوش حالی کے لیے حکومت کن کن اصولوں پر عمل کرنا چاہیے۔

ملک کی اقتصادی حالت درست رکھنے کے لیے بیت المال کی حفاظت بہت ضروری ہے اس لیے امام ابو یوسف صاحب نے بیت المال کو بادشاہ کی ملکیت کے بجائے عوام کی امانت قرار دیا ہے۔ اس سے ضرورت سے زائد حاصل نہیں کر سکتا اور حکام ریاستی مال کو اپنے استعمال میں نہیں لا سکتے۔ امام ابو یوسف کی کتاب میں سب سے زیادہ انقلابی قدم زمین کے بندوبست کے متعلق ہے جس میں امام صاحب نے زمین داری کی اس قسم کو حرام قرار دیا ہے جس میں حکومت کاشتکاروں سے مال گزاری وصول کرنے کے لیے ایک شخص کو ان پر زمیندار بنا کر بٹھا دیتی ہے اور عملاً اسے یہ اختیار دے دیتی ہے کہ حکومت کا لگان ادا کرنے کے بعد باقی جو کچھ جس طرح چاہے مزارعین سے وصول کرتا رہے وہ کہتے ہیں کہ یہ رعیت پر ظلم اور ملک کی بربادی کا سبب ہے۔ اسی طرح اپنے اس آئین میں عوام کو زمین سے محروم کر کے مفاد پسند طبقے کو جاگیریں دینے سے بھی روکا ہے بلکہ جاگیرداری کو غاصبانہ عمل قرار دیا ہے اور جاگیریں عطا کرنا عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین کے عطیے صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ غیر آباد اور غیر مملوکہ یا لاوارث متروکہ اراضی آباد کاری کی غرض سے یا حقیقی اجتماعی خدمات کے صلے میں انعام کے طور پر معقول حد کے اندر دی جائیں۔ اس طرح کی عطا کردہ اراضی تین سال تک آباد نہ کرے تو اس سے واپس لے لے۔[1]

کتاب الخراج کے اہم موضوعات

۱۔ ٹیکس اور حکمرانوں کا رویہ۔ ۲۔ ٹیکسوں کی اقسام۔ ۳۔ ٹیکس عائد کرنے کے اصول۔ ۴۔ ٹیکسوں کی وصولی کے اصول۔ ۵۔ وصول شدہ ٹیکسوں کی تقسیم۔ ۶۔ سامان تجارت پر ٹیکس۔ ۷۔ زرعی زمینوں پر

۱۔ قارئین پاکستان کے جاگیرداری نظام کے جواز یا عدم جواز پر خود فیصلہ کریں۔

Marfat.com

ٹیکس۔ ۸۔ محصول ترکہ یا وراثت ٹیکس۔ ۹۔ محصول چنگی (Octroi Duties)۔ ۱۰۔ نئے علاقوں میں زرعی رقبہ کا انتظام۔ ۱۱۔ زرعی زمینداریاں ان کی کاشت اور تقسیم۔ ۱۲۔ لگان کی شرائط۔ ۱۳۔ پانی کی فراہمی سے متعلقہ مسائل۔ ۱۴۔ ماہی گیری۔ ۱۵۔ جنگلات اور چراگاہیں۔

ابوعبیدہ القاسم بن سلام

ابوعبیدہ القاسم ہرات میں دوسری صدی ہجری کے نصف آخر کی پہلی دہائی میں پیدا ہوئے۔

ابوعبیدہ کے والد سلام خراسان میں آباد ہونے والے ان رومی غلاموں میں سے تھے جن کے مالک اہل ہرات تھے۔ اس لیے وہ اچھی عربی نہیں بول سکتے تھے اس لیے اس دور میں عربی زبان کی اہمیت کی وجہ سے والد نے اپنے ہونہار بچے کو عربی معلم کے پاس چھوڑ دیا۔

تحصیل علم

ابوعبیدہ نے ابتدائی تعلیم ہرات میں حاصل کی اس کے بعد علوم اسلامی کے مراکز کوفہ اور بصرہ کا رخ کیا۔ بغداد میں طویل سکونت اختیار کی جہاں عربی ادب، صرف ونحو، حدیث اور فقہ کی تعلیم مکمل کی۔

تلامذہ

ابوعبیدہ نے قرآن مجید کے مطالب اور اس کی مختلف قرائتیں کسائی، اسمٰعیل بن جعفر اور شجاع بن ابی نصر سے سیکھیں۔ حدیث کی سماعت محدثین ایک جماعت سے کی۔ ان میں اسماعیل بن عیاش، اسماعیل بن جعفر، ہشیم بن بشیر، شریک ابن عبداللہ، عبداللہ بن المبارک، ابوبکر بن عیاش، جریر بن عبدالحمید، سفیان بن عینیہ، عباد بن عباد، عباد بن العوام وغیرہ سے کی۔

ادب ولغت ونحو کے لیے ابوعبیدہ ابوزید، ابوعبیدہ، معمر بن مثنی اصمعی، یزیدی، ابن الاعرابی ابو زیاد کلابی، کسائی، احمر اور فراء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

مشہور تلامذہ

عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، ابوبکر بن ابی الدنیا، عباس الدوری حارث بن ابی اسامہ، احمد بن یوسف التغلبی، علی بن عبدالعزیز البغوی البلاذری (مصنف فتوح البلدان) اور محمد بن اسحٰق مشہور تلامذہ ہیں۔

اس کے علاوہ وہ تلامذہ جنھوں نے علم وادب میں نام پیدا کیا اور اساتذہ میں شمار ہوئے یہ ہیں ابوعبدالرحمٰن احمد بن سہیل، احمد بن عاصم، علی بن ابی ثابت، ابومنصور نصر بن داؤد صاغانی، محمد بن وہب منازی، محمد بن سعید ہروی، محمد بن المغیرہ بغدادی، عبدالخالق بن منصور نیشاپوری، احمد بن القاسم، ابراہیم بن عبدالعزیز، بن عبدالرحمٰن بغوی۔

Marfat.com

ابو عبیدہ عہدہ قضاہ پر ثابت بن نصر بن مالک نے اپنی طرطوس کی گورنری کے زمانے میں ابو عبیدہ کو وہاں کا قاضی مقرر کر دیا۔ چنانچہ آپ نے اٹھارہ سال اس عہدے پر کام کیا۔

ابو عبیدہ شافعی المذہب تھے۔ تاج الدین سبکی نے انھیں پہلے طبقہ کے ایسے شافعی علماء میں شمار کیا ہے، جنھوں نے امام شافعی کی مجلس میں شرکت کی بلکہ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے فقہ امام شافعی سے حاصل کیا۔

ابو عبیدہ کا انتقال محرم ۲۲۴ھ بمطابق ۸۳۴ء میں مکہ میں ہوا۔

کتاب الاموال

ابو عبیدہ ۳۴ کتب کے مصنف ہیں ان کی مالیات پر "کتاب الاموال" ضخیم اور مفصل کتاب سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اس میں وہ وسعت نہیں پائی جاتی جو قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ملتی ہے لیکن اس کتاب میں زمین سے متعلق احکام، عشر وزکوٰۃ اہل ذمہ سے کیے ہوئے معاہدوں اور جزیہ کے احکام اور بعض دوسرے موضوعات پر ابو یوسف کی کتاب سے زیادہ احادیث اور آثار ملتے ہیں۔ اس طرح رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے متعدد ایسے خطوط اور خطبے بھی پائے جاتے ہیں جو کتاب الخراج میں نہیں۔

کتاب الاموال میں تفقہ اور اجتہاد سے کام لیا گیا ہے زیر غور مسائل کے بارے میں منقول احادیث کے درمیان جمع و تطبیق اور ترجیح کا کام بھی کیا گیا ہے لیکن اس میں بعض امتیازی خصوصیات کا حامل ہونے کے باوجود کتاب الخراج کا سا قانونی مزاج نہیں پایا جاتا۔

اس کتاب میں حضرت عمرؓ کے دور کے مالیاتی نظام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس سے اسلامی اقتصادی نظام کی شکل و صورت واضح طور پر سامنے آ جاتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ "جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں حکومت میں مال کی بہتات ہو گئی اور اعداد و شمار کے رجسٹر مرتب ہو گئے تو حکومت کے کارکنوں، گورنروں اور قاضیوں وغیرہ کے مشاہرے مقرر کر دیے گئے اور مال اور خزانے جمع کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور مسلمانوں پر کاشت کاری اور زمینداری ممنوع کر دی گئی۔ اس لیے ان کے اور ان کے اہل و عیال کے روزینے بیت المال سے مقرر کر دیے گئے تھے۔ کہ ان کے غلاموں اور آزاد شدہ غلاموں کے بھی۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ قوم عسکری بن جائے اور اس طرح وہ کوچ کے لیے چست اور چالاک رہے کہ ان کے سفر کے سامنے نہ زمینداری مانع آئے نہ کاشت کاری اور یہ کہ وہ بے محنت کی زندگی اور عیش عشرت میں نہ پڑ جائے۔ یہ ہے اسلامی اقتصادی نظام کی روح عوام بافراغت زندگی بھی گزاریں لیکن ان میں کسی طور پر بھی عسکری روح سرد نہ پڑ جائے اسی لیے جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام پنپ نہیں سکا۔

کتاب کی اہمیت

علماء ازہر نے بڑی تحقیق سے مرتب کروا کر دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق طبع کروایا ہے۔

حوالے کی سہولتوں کے لیے کتاب ۱۹۹۷ء پیروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے پبلشنگ ایجنسی حیدر آباد (بھارت) نے اس کے اردو ترجمے کا اشتہار دیا تھا۔ پاکستان میں ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) نے اشاعت کا بندوبست کیا ہے۔

کتاب الاموال میں مندرجہ ذیل معاشی موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

ا۔ بیت المال کے ذرائع آمدنی۔ ۲۔ مال فئے اس کی مختلف صورتیں اور طریقے۔ ۳۔ جزیہ۔ ۴۔ فئے، خمس اور جزیہ کی وصولی۔ ۵۔ جزیہ اور خراج کی وصولی۔ ۶۔ صلح کے ذریعے مفتوحہ علاقوں میں خراج لگانا۔ ۷۔ قومی قوت کے ذریعے مفتوحہ علاقوں میں خراج لگانا۔ ۸۔ مصارف فئے۔ ۹۔ فئے میں وظائف مقرر کرنے کا نظام۔ ۱۰۔ فئے سے عورتوں، بچوں اور غلاموں کے لیے وظائف۔ ۱۱۔ اسلامی ریاست میں سماجی تحفظ۔ ۱۲۔ زمینوں سے متعلق احکام۔ ۱۳۔ اراضی کی آبادکاری۔ ۱۴۔ گھاس اور پانی والی زمین کی مشترک ملکیت کا تصور۔ ۱۵۔ خمس اور اس کے احکام۔ ۱۶۔ صدقہ (زکوٰۃ کے احکام)۔ ۱۷۔ زکوٰۃ کا نصاب اونٹوں، گائے، بیلوں، بھیڑ بکریوں، سونے چاندی، تجارتی سامان اور قرضوں پر زکوٰۃ کا بیان۔ ۱۸۔ زمین سے پیدا ہونے والے غلہ جات اور پھلوں کی زکوٰۃ۔ ۱۹۔ پیمانوں (Measurs) کا بیان۔ ۲۰۔ عشور (Custom duties) کا تصور اور اس کی شرحیں۔ ۲۱۔ مصارف زکوٰۃ۔ ۲۲۔ زکوٰۃ کی کم سے کم ادائیگی کتنی ہو۔ ۲۳۔ رشتے داروں کو زکوٰۃ کی ادائیگی۔ ۲۴۔ زکوٰۃ کی اسی علاقہ میں تقسیم جہاں سے وصولی کی گئی؟

ابن حزم

ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم، علامہ ابن حزم کے نام سے مشہور ہوئے۔ ایک اندلسی عرب فاضل تھے۔ آپ ماہ رمضان ۳۸۴ھ بمطابق ۷ نومبر ۹۹۴ء میں قرطبہ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۶۴ء میں فوت ہوئے۔ ان کا تعلق ظاہری مسلک سے تھا۔ ابن حزم کی چار سو کے قریب کتب شمار کی جاتی ہیں لیکن ان کو کتاب "المحلی" سے شہرت دوام حاصل ہوئی۔ یہ کتاب گیارہ ضخیم جلدوں، چار ہزار تین سو نوے صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں اسلام کے معاشی نظام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ خاکسار نے بھی انہی کے افکار سے روشنی حاصل کی ہے۔ موجودہ دور میں اس کتاب کی اشاعت کی بہت ضرورت ہے اور لوگوں کو علامہ صاحب کے نظریات سے روشناس کرانا بہت اہمیت کا حامل ہے۔

ابن حزم کے معاشی نظریات

بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا حکومت کا فرض

علامہ ابن حزم کے نزدیک تین بنیادی ضرورتیں ہیں۔ جن کا پورا کرنا فرض عین ہے۔ وہ ہیں

Marfat.com

روٹی، کپڑا، مکان۔

غذا

فرماتے ہیں۔ بما یاکلون من القوت الذی لا بدمنه. (المحلی ۱۳/۱۵٦/٦) یعنی ایسی غذا جو کارکردگی کے لیے ضروری ہو۔ ومن اللباس للشتاء والصیف مثل ذالک (المحلی ۱۵٦/٦/ ۱۳...۱٦) ایسا لباس جو گرمی اور سردی کے بچاؤ کے لیے ضروری ہو۔

مکان

یسکنهم من المطر والصیف والشمس و عیون المارہ. (المحلی ۱۵٦/٦/۱۴،۱۵) ایسا گھر جو بارش اور گرمی اور دھوپ سے بھی محفوظ رکھ سکے اور راہ گیروں کی نگاہ سے بھی۔

علامہ صاحب نے قرآنی آیات اور احادیث نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔

''اور ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر بیت المال کی آمدنی ان غرباء کی آمدنی ان غرباء کی معاشی کفالت نہ کر سکے تو سلطان ان ارباب دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتی ہے (یعنی ان کے فاضل مال سے بہ جبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صَرف کر سکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو۔ پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور ان کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے۔'' (المحلی ج ٦ بحوالہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی اسلام کا اقتصادی نظام ص ۴۵)

اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس بات پر صحابہ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا ننگا ضروریات رہائش سے محروم ہے تو مالدار کے فاضل مال سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے۔'' (المحلی ج ص ۱۵۸)

امام صاحب کے نزدیک اگر سرمایہ دار اپنا فرض پورا کرنے سے گریز کریں تو ریاست کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جبری قانون کے ذریعے سرمایہ داروں کے ''مال عفو'' پر قبضہ کر کے عوام کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرے۔ امام صاحب کے نزدیک سرمایہ دار ہی تنہا دولت کا مالک نہیں بلکہ غرباء بھی ان کے اموال میں بطور حق دار شریک ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔ وَفِی اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (ذاریات:۱۹) سرمایہ داروں کے اموال میں سائلین اور محروم لوگوں کا حق ہے۔

علامہ صاحب کے نزدیک ضروریات سے زائد مال کسی کی ملکیت نہیں رہتا۔ امام صاحب نے اپنے نظریہ کی حمایت میں ذیل کا تاریخی واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور تین سو صحابہ رسول سے روایت ہے کہ ایک سال انھیں غلے کی کمیابی کا سامنا کرنا پڑا تو جس پر ابوعبیدہ نے سب کو حکم دیا کہ جتنا

Marfat.com

کسی کے پاس غلہ ہے اسے حکومت کے دو توشہ داروں (غلہ سٹاک کے مراکز) میں جمع کر دے اس کے بعد اسٹاک میں سے ہر ایک فرد کو مساوی طور پر خوراک مہیا کی جاتی رہی۔

اس واقع کو نقل کرنے کے بعد امام صاحب لکھتے ہیں کہ:

یہ صحابہ کا ایسا قطعی اجماع ہے جس کی بابت کسی ایک فرد کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی جس نے اختلاف کیا ہو۔ (المحلی ۶/۱۵۸/۱۸ تا ۲۰)

اجارہ زمین

علامہ ابن حزم اراضی اجارہ پر دینے کو ناجائز اور رسول کریم ﷺ کے اقتصادی نظام کے انقلابی منشور کا باغی تصور کرتے ہیں۔ آپ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"زمین کو کسی حالت میں بھی اجارہ پر دینا جائز نہیں نہ کھیتی باڑی کے لیے نہ باغ لگانے کے لیے نہ تعمیر کرنے کے لیے نہ کسی اور مقصد کے لیے خواہ تھوڑی مدت کے لیے خواہ زیادہ مدت کے لیے بلا تعین مدت یہ اجارہ داری نہ درہم و دینار کے عوض درست ہے اور نہ کسی چیز کے عوض اگر زمین اجارہ پر دے دی جائے تو اسے فسخ کر دیا جائے گا۔" (المحلی ج ۸ ص ۱۹)

جاگیرداری ناجائز ہے

آپ فرماتے ہیں۔ "آپ ﷺ کے سوا کسی بھی فرد بشر کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہے کہ افتادہ زمین کا کوئی رقبہ کسی کو جاگیر بنا کر بخش دے۔" (المحلی ج ۸/ ۲۳۷/ ۶ تا ۹)

مزدور

ذرائع پیداوار میں اہم ذریعہ پیداوار مزدور ہے۔ اس کی اہمیت سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اسی اہمیت کے پیش نظر مزدور پر خاصی بحث کی ہے۔ اس بحث کے دوران مزدور کے متعلق دیگر عمدہ باتوں کے علاوہ جو بہتر بات بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مزدور سے ان کی صلاحیت کے مطابق لیا جائے۔

وصیت

علامہ صاحب کا معاشی فلسفہ یہ ہے کہ دولت زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں جائے۔ اس فلسفہ کی وجہ سے علامہ صاحب کے خیال میں مرنے والے شخص کو اپنے ترکہ میں غیر وارث یتامیٰ اور مساکین کا حق وصیت کی شکل میں ادا کرنا چاہیے۔

زکوۃ کے علاوہ ٹیکس

علامہ صاحب کے نزدیک عوام کی فلاح و بہبود کے لیے زکوۃ کے علاوہ ٹیکس لگانا جائز ہے یہ اس

صورت میں ہوگا جب زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی رقم غرباء کی بنیادی ضروریات کو پورا نہ کرے۔

ابن خلدون

نام ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد بن خلدون ہے آپ ۷۳۲ھ بمطابق ۱۳۳۲ء تیونس میں پیدا ہوئے۔ علامہ صاحب نے بہت سی کتب لکھیں۔ ان میں سے ''مقدمہ تاریخ'' معرکۃ الاراء کتاب ہے۔ یہ کتاب فلسفہ تاریخ کو بیان کرتی ہے اور یہی وہ کتاب ہے جس نے شہرت دوام بخشی۔ ابن خلدون ایک نامور مورخ، ماہر سماجیات، ماہر معاشیات اور سیاست دان تھا۔ ابن خلدون نے اپنے سماجی اور سیاسی اور اقتصادی نظریات سے صرف اپنے دور کو ہی متاثر نہیں کیا۔ اب بھی کوئی ایسا مصنف نہیں جو اس کے نظریات سے روشنی حاصل نہ کرتا ہو۔

''مقدمہ تاریخ'' کے پانچویں باب کی بتیس (۳۲) فصول ''المعاش'' (Economics) سے متعلق ہیں۔ علامہ صاحب پہلے مسلمان ماہر معاشیات ہیں جنھوں نے اس موضوع پر فنی رنگ میں بحث کی ہے اس لیے وہ اسلام کے اولین معیشت دان کہلانے کے مستحق ہیں۔ جن معاشی موضوعات پر بحث کی اس کی فہرست طویل ہے جس کا اندازہ حسب ذیل موضوعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ معاشیات کی تعریف۔ ۲۔ قدر (Value)۔ ۳۔ تقسیم کار (Division of Lahour) ۴۔ نظام قیمت (Price system) ۵۔ قوانین طلب و رسد۔ ۶۔ صرف (Consumption) ۷۔ پیدائش دولت (Production) ۸۔ زر اور اس کی خصوصیات۔ ۹۔ سرمایہ اندوزی (Capital formation) ۱۰۔ افزائش آبادی (Population Growth) اور اس کے اثر انداز ہونے والے معاشی عوامل۔ ۱۱۔ سرکاری مالیات۔ ۱۲۔ تجارتی چکر (Trade Cycles) ۱۳۔ قیمتوں محنت اور قدر کا باہمی انحصار۔ ۱۴۔ معاشی ترقی کے مراحل۔ ۱۵۔ دیہاتی اور شہری معاشی نظام۔ ۱۶۔ ٹیکسوں کی شرحیں۔ ۱۷۔ سرکاری خرچ کے معاشی فوائد۔ ۱۸۔ صنعتوں کی ترقی اور زوال کی وجوہات۔ ۱۹۔ ابن خلدون کے دور کی بڑی صنعتیں۔

علامہ ابن خلدون نے المعاش (Economics) کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ''المعاش رزق ڈھونڈنے اور اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کرنے کا نام ہے۔''

علامہ صاحب معاشیات کو علم الحقیقت (Positive Scince) کے ساتھ ساتھ علم الہدایت (Naormative Science) قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس علم کا مقصود عوام کی بھلائی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور زمین کے تمام خزانوں کو انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔

علامہ صاحب نے ''مقدمہ'' میں ان مراحل کو بیان کیا ہے جن سے ایک معاشرہ معاشی ترقی کے دوران گزرتا ہے۔ محنت کی رسد کا سلسلہ انھوں نے (Back ward sloping supply Labour

Marfat.com

کا نظریہ پیش کیا۔ اس طرح انھوں نے کسی بھی شہر میں آمدنی اور خرچ کے توازن کا کلی معاشیات (Macro Economics) کا نظریہ بھی پیش کیا۔ اگر آمدنی اور خرچ کا معیار بلند ہوگا تو شہر ترقی کرتے ہیں۔

ابن خلدون کے نزدیک سرد بازاری سے بچنے اور معاشی ترقی کی رفتار کو برقرار رکھنے کے لیے طلب اور خصوصاً سرکاری اخراجات میں اضافہ ضروری ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نظریہ قدر میں محنت (Labour) کا مقام سب سے اہم ہے۔ اس طرح محنت کا نظریہ قدر (Labour Theory of Value) ریکارڈو سے کئی سو سال پہلے ابن خلدون کی تحریروں سے ملتا ہے۔

علامہ کے نزدیک تاریخ انسانی میں معاشی عوامل بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اور ملک سے معاشی استحکام ہی معاشی ترقی کا ذریعہ ہے۔ ابن خلدون زر (Money) کے دو افعال (Functions) بیان کرتے ہیں۔ یعنی زر آلہ مبادلہ (Medium of exchange) اور ذخیرہ قدر (Store of Value) ہے۔

ابن خلدون نے معاشرے اور معاشی ترقی کے باہمی ربط پر تفصیلاً بحث کی ہے اور کہا ہے کہ آغاز میں انسان ذرخیز زمینوں پر بدوانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اسی سے قبائلی زندگی نمودار ہوئی۔ اس کے بعد غور وفکر، تجربہ اور قوت ایجاد سے زراعت اور صنعت وحرفت میں پیش رفت ہوئی اور شہری زندگی کی صبح طلوع ہوئی جوں جوں بدویت کا رنگ پھیکا پڑتا گیا توں توں آرام طلبی اور تعیش پسندی کا رنگ غالب آتا گیا۔ اور اس ترقی کمال سے زوال شروع ہوگیا۔ آرام طلبی سے قوت مدافعت سرد پڑ گئی۔ اخلاق بگڑ گئے۔ وحشی اور طاقت ور لوگوں نے حملہ کر کے ان آرام طلب لوگوں کی جگہ لے لی۔ بقول ابن خلدون یہ ترقی اور زوال کا چکر ۱۲۰ سالوں میں مکمل ہوتا ہے۔ علامہ کا فلسفہ یہ ہے کہ خوش حالی اور مادی ترقی انسان کے اخلاق کو بگاڑ دیتی ہے۔ جو مادی ترقی کے زوال کا سبب بنتی ہے اس لیے ہر قوم کو اپنی معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق کی اصلاح کی طرف توجہ رکھنی چاہیے۔

نظریہ محنت

ابن خلدون محنت کو ہی انسانی اجرتوں کا معیار قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ نظریہ ہے کہ رعایا سے اتنی ہی محنت کا مطالبہ کرنا چاہیے جس سے ان میں نشاط کار کی صلاحیتیں قائم رہیں اس سے زیادہ نہیں ورنہ آخر میں ملک کی قوت کار کو نقصان پہنچے گا۔ (افکار ابن خلدون از محمد حنیف ندوی ص ۴۱)

معاشی طریقے

ابن خلدون کے نزدیک معاش کے چار طریقے ہیں۔ ۱۔ قدرتی ذرائع آمدنی سے فائدہ اٹھانا۔ ۱۔ زراعت۔ ۳۔ تجارت۔ ۴۔ صنعت ان پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

Marfat.com

دوسرے ماہرین معاشیات کی طرح ابن خلدون نے ریاست کی اصل غرض و غایت عوام کی معاشی کفالت کا انتظام کرنا ہے اس لیے حکومت ایسے وسائل پیداوار فراہم کرے جن سے لوگ اپنی معاش کا بندوبست کر سکیں۔

ناصرالدین طوسی

ناصرالدین طوسی ۱۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۷۴ھ میں وفات پائی۔ علامہ طوسی نے عوام کی (House holds) اور حکمرانوں کی آمدنی (Revenue) اور اخراجات (Expenditure) پر سیر حاصل بحث کی۔ انھوں نے بچتوں (Savings) کی اہمیت اور اسراف اور غیر پیداواری اثاثوں (Unproductive Assests) مثلاً زیورات اور غیر کاشت شدہ زمینوں پر اخراجات کے نقصانات پر بحث کی ہے۔

علامہ صاحب نے دوسرے پیشوں (تجارت، صنعت وغیرہ) کے مقابلہ میں زراعت کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ انھوں نے محنت میں تقسیم کار کے موضوع پر لکھا۔ طوسی صاحب نے سرکاری مالیات (Public Finance) پر بحث کرتے ہوئے کچھ ٹیکسوں کو غیر اسلامی قرار دیا ہے۔

ابن تیمیہ

زوال بغداد کے پانچ سال اور ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ بمطابق ۲۲ جنوری ۱۲۶۳ء کو ابن تیمیہ حران میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام احمد، تقی الدین لقب اور ابوالعباس کنیت ہے۔ ان کے والد عبدالحلیم ابن تیمیہ کا تعلق حنبلی مکتب فکر سے تھا۔ ۲ ذی قعدہ ۷۲۸ھ بمطابق ۲۷ ستمبر ۱۳۲۸ء میں وفات پائی۔

امام ابن تیمیہ کی مشہور کتاب ''الحسبۃ فی الاسلام'' ہے۔ انھوں نے ثمن مثل اور اس سے متعلقہ موضوع ''مناسب منافع'' کے موضوع پر اپنی اس کتاب میں لکھا ہے۔ امام صاحب نے خامیوں سے پاک، منڈی میں قیمت کے تعین پر بحث کی ہے۔ اسی طرح امام صاحب نے اجارہ داری، ذخیرہ اندوزی سٹہ بازی کی صورت میں منڈی میں سرکاری مداخلت کو جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح پیداکاروں اور بائعین پر زور دیا ہے کہ وہ لین دین اور کاروبار میں اخلاقی اصولوں کو مدنظر رکھیں۔ اسی طرح عوام کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا ریاست کی ذمہ داری قرار دیا ہے۔

امام صاحب حکمرانوں کو انہی مالیات کی وصولی کی اجازت دیتے ہیں جو کتاب اور سنت سے ثابت ہے۔ یعنی زکوۃ، مال غنیمت اور فئی اور ان میں سے ہر مد کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب

احمد نام، ابوالفیاض کنیت اور ولی اللہ عرف ہے۔ بشارتی نام قطب الدین اور تاریخی نام عظیم

Marfat.com

الدین ہے۔ آپ کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم ابوالفیض ہیں جو اپنے دور کے ایک جید باعمل عالم اور مشہور بزرگ تھے۔ فتاویٰ عالمگیری کی نظر ثانی اور اصلاح میں شریک تھے۔ شاہ صاحب کا سلسلہ نسب والد ماجد کی جانب سے حضرت عمر تک اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ تک پہنچتا ہے۔

آپ کی ولادت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بمطابق ۱۷۰۳ء دہلی میں ہوئی۔ اور وفات ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ میں دہلی میں ہوئی۔

اپنے والد ماجد سے علوم اسلامیہ کی تعلیم پائی۔ پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی زیر نگرانی ہی اشغال صوفیہ میں مشغول ہوئے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد ۱۱۳۰ھ (۱۷۱۹ء) میں مستقل طور پر مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ نے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ حدیث فقہ، سیرت، تصوف، سیاسیات، اقتصادیات وغیرہ پر قیمتی کتب لکھیں۔ ویسے تو شاہ صاحب کی ہر کتاب اپنے اندر علم کا خزانہ لیے ہوئے ہے لیکن کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ ایک لازوال تصنیف ہے۔ جس میں معاشی فلسفہ کے علاوہ اسلام کے ہر پہلو پر فلسفیانہ بحث کی گئی ہے۔ نیز البدور البازغہ اور خیر کثیر میں بھی معاشی نظریات پر مباحث ملیں گے۔

معاشی طبقاتی تقسیم اور اس کے مضر اثرات

حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ایران اور روما کی سرمایہ دار شہنشائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”دولت و ثروت کے ساتھ فلسفہ اور سائنس کی تحقیقات نے ایجادات کا راستہ کھولا۔ نئی نئی صنعتیں رونما ہوئیں اور ملک اپنے اس دور میں تمدن کے لحاظ سے اعلیٰ درجے پر پہنچ گیا لیکن بدقسمتی سے اہل ثروت اور حکمران طبقے عیش، فیشن اور وجاہت یا اقتدار پسندی اور ایک دوسرے کے مقابلے میں تفاخر کا مرض پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس بات پر فخر ہونے لگا کہ کس کا تاج زیادہ قیمتی ہے اور کس کے سر پر سلطنت میں زیادہ جوہر لگے ہوئے ہیں؟ ارباب حکومت کے اس ٹھاٹھ نے معاشرے کا مزاج بگاڑ دیا۔ نئے نئے فیشن، امیرانہ شوکت اور شاہانہ تکلفات نباہنے کے لیے ہر صاحب اقتدار اپنے ماتحت کو لوٹنے لگا۔ زمیندار اور جاگیردار کاشتکار کا خون چوسنے لگے اور جو مزدوروں پر اختیار رکھتے تھے وہ غریب مزدوروں کو نوچنے لگے اب اس بااقتدار طبقے کی تمام عملی اور فکری قوتیں ملک و سلطنت کے بجائے عیش و عشرت کے شاہانہ تکلفات نفع اندوزی اور استحصال بالجبر پر صرف ہونے لگیں اور ماتحت طبقہ اتنا گر گیا کہ اس کی زندگی کھیت جوتنے والے بیلوں اور بوجھ اٹھانے والے گدھوں اور گھوڑوں کے مانند ہو گئی زرکشی اور زراندوزی کے لیے نئے نئے قانون ایجاد ہوئے۔ مزدور اور کسان طبقہ اگر ان سے سرتابی کرتا تو مجرم بن کر طرح طرح کی سزاؤں میں مبتلا ہوتا اور اگر سزاؤں سے بچنا چاہتا تو لامحالہ باربردار گھوڑوں اور گدھوں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا۔ یہ دونوں طبقے اپنے اپنے حالات میں ایسے غرق ہو گئے کہ پیدائش انسانی کا حقیقی مقصد

Marfat.com

کسی کے سامنے نہ رہا۔ ایک طبقے کو حد سے بڑھتے ہوئے عیش اور چمک دمک نے اندھا کر دیا اور دوسرا طبقہ پیٹ کی فکر میں ایسا سرگرداں ہوا کہ فکر مستقبل کی صلاحیت بھی ختم کر بیٹھا۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تمام دولت سمٹ کر چند افراد کے ساتھ مخصوص ہوگئی۔ جن کا سربراہ بادشاہ تھا۔

''اقتصادی عدم توازن اور طبقہ اعلیٰ کی شان و شوکت اور عیش پرستی نے ایک تیسرا طبقہ پیدا کر دیا۔ یہ تن آسان سے آرام طلب، سرکار پرست خوشامدیوں کا طبقہ تھا جو بادشاہ اور شاہ پرستوں کے گرد جمع ہو گیا تھا اور مختلف عنوانات سے رقمیں وصول کرتا رہتا تھا۔ ان میں بہت سے صاحب فن اور اہل علم بھی تھے وہ فن اور علم کے نام پر روپیہ وصول کرتے تھے۔ ان کا مطمح نظر ملک کی خدمت نہیں بلکہ اپنی ذاتی اغراض، ذاتی جاہ و جلال اور ذاتی اقتدار ان کی جدوجہد کا نصب العین ہوتا تھا۔ کوئی اس نام سے روپیہ وصول کرتا تھا کہ وہ فن سپہ گری کا ماہر ہے اور بہترین جرنیل اور کمانڈر ہے کوئی اپنے علم و ہنر یا سیاستدانی کے نام پر روپیہ وصول کرتا تھا۔ خانقاہ نشینوں کی ایک جماعت تھی جو تقدس کے نام پر وظیفے حاصل کرتی تھی۔ ایک گروہ فنون لطیفہ، ادب و شاعری کے نام پر رقمیں اینٹھتا تھا کہ شان خسروانہ یہی ہے کہ بادشاہ فنون لطیفہ کے ماہرین کی قدر کرتے ہیں۔

بادشاہ یا امراء کو خوش گپیوں سے مجلس پیدا کرنا ایک فن قرار دے دیا گیا اور اس فن کے ماہرین طرح طرح کے ڈھونگ رچا کر روپیہ وصول کرنے لگے۔ شاہانہ آداب درباری آداب بن گئے تھے اور ایک گروہ اسی نام پر رقمیں وصول کرنے لگا۔ یہ تمام جماعتیں جن کو لازمہ تمدن مان لیا گیا تھا۔ درحقیقت مفت خوروں کے گروہ تھے جو ملک اور قوم کی خدمت کے بجائے اپنی تمام صلاحیتیں مٹھی بھر شاہ پرستوں کی اغراض اور ان کی خوشنودی کے لیے صرف کرتے تھے اور ملک کے مزدوروں اور کسانوں پر بار بنتے جا رہے تھے۔

اس طرح خدا کی تمام مخلوق روز بروز افلاس، ہلاکت، تباہ حالی میں مبتلا ہو کر روحانی فلاح و بہبود سے بھی محروم ہو رہی تھی یہاں تک کہ پورے ملک میں کوئی شخص بھی ایسا نہ ملتا جس کو عاقبت کی فکر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے (جو تمام حقوق کا پروردگار ہے) رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ روحانی اصلاحات کے ساتھ اقتصادی تباہ حالی بھی ختم فرمائیں اور معیشت کے ایسے اصولوں کی تلقین فرمائیں جن سے اقتصادی امراض کے مسموم جراثیم کا قلع قمع ہو جائے۔ حضرت شاہ صاحب نے روحانی اقدار پر اقتصادی حالات کے مضر اثرات واضح کرنے کے لیے ایک مثال پیش کی ہے۔ بیان فرماتے ہیں۔

''ایک ایسی قوم فرض کرو جس میں ملوکیت نہ ہو۔ شاہانہ شان و شوکت اور عیش پرستی کے لوازمات سے محفوظ ہو۔ شخص اقتصادی طور پر آزاد ہو اور ٹیکسوں کے بوجھ سے اس کی کمر دہری نہ ہوتی ہو۔ ایسی قوم ہی کو یہ فراغت میسر ہوگی کہ وہ دین و ملت کے کام انجام دے سکے۔ اخلاقی اور روحانی ترقی حاصل کر سکے۔

Marfat.com

لیکن اگر اس قوم کی گردن پر ملوکیت، شاہ پرستی اور سرمائے کا بھوت سوار ہو جائے تو اس کے ہوش وحواس گم ہو جائیں گے اور وہ انسانی شرف وعظمت سے گر کر چوپایوں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ جن کو رات دن پیٹ کا فکر رہتا ہے اور پھر بھی یہ جہنم بھر نہیں سکتا۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل باب اقامت)

حضرت شاہ صاحب کا محولہ بالا عبارت کا ایک ایک لفظ نظام سرمایہ داری کے خلاف ہے جب سرمایہ دارانہ نظام میں اقتصادی طبقاتی تقسیم ہو جاتی ہے تو پھر اس طبقاتی تقسیم کے کیا بداثرات نکلتے ہیں؟ غربت، افلاس اور بدحالی کی وجہ سے انسان عظمت انسانی سے گر کر چوپایوں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جب نان ونفقہ سے محروم یہ طبقہ اس حالت تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے برعکس مرعات یافتہ طبقہ اللہ تعالیٰ کے مفوضہ فرائض سے غافل ہو کر مسرفانہ اور شاہانہ زندگی گزارنا شروع کر دیتا ہے اور ایک خوشامدیوں کا طبقہ بیدار ہو جاتا ہے جو حصول زر کے لیے اصحاب ثروت کے محلوں کی دہلیز پر گرا پڑا رہتا ہے اور ان کی تعریفوں میں اپنے ذہنی قوی خرچ کر دیتا ہے تو یاد رکھئے وہ قوم اپنی زندگی کے پورے دن کر چکی ہوتی ہے۔[1]

حضرت شاہ صاحب کے نزدیک رسول کریم ﷺ کی بعثت کی ایک غرض قیصر وکسریٰ کے نظام سرمایہ داری کو مٹانا اور اس کی جگہ ایک صالح معاشی نظام قائم کرنا تھا۔

حضرت شاہ صاحب نے جہاں سرمایہ داری کا بھیانک پہلو بیان کیا ہے وہاں آپ نے نظام معیشت میں دولت وثروت کو ایک محبوب شے بھی قرار دیا ہے۔ جب وہ نظام صحیح اصول پر قائم ہو۔ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک صحیح اصول یہ ہے کہ ''دولت ثروت، نظام معیشت'' میں ایسا درجہ رکھتی ہو جو توسط اور اعتدال پر قائم اور افراط وتفریط سے پاک ہو۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۶)

یعنی تقسیم دولت کا صحیح نظام یہ ہے۔ جس سے دولت کا بہاؤ عوام میں مساویانہ اور منصفانہ ہو اور عوام اپنی ضروریات زندگی کے حصول میں کوئی دقت محسوس نہ کریں۔

اسلام نے سب سے زیادہ زور دولت کی منصفانہ تقسیم پر دیا ہے۔ دوسرے اقتصادی نظاموں پر اسلام کے نظام کی برتری کا سبب یہی منصفانہ تقسیم ہے جو کسی نظام میں نہیں پائی جاتی۔

معاشیات اور اخلاق

حضرت شاہ صاحب کے نزدیک معاشیات اور اخلاق کا باہمی گہرا تعلق ہے۔ اس پہلو پر ماہرین معاشیات نے بہت کم لکھا ہے۔ معاشیات کے فنی پہلوؤں پر تو بحثیں ہوتی رہتی ہیں لیکن اس پہلو کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ اسلام کے اس پہلو کو حضرت شاہ صاحب نے اجاگر کیا ہے۔ آپ حجۃ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں:

---

[1] قارئین حضرت شاہ صاحب کے حوالہ میں ایران اور روما کے الفاظ کی جگہ عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان کا لفظ رکھ لیں تو پھر پڑھیں تو حضرت شاہ کی سرمایہ داری کی بھیانک کھینچی ہوئی تصویر پاکستان پر پوری صادق آئے گی۔ عالم اسلام کا ترقی کے رستہ پر گامزن نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ دولت کی تقسیم کا غیر منصفانہ نظام ہے۔

''انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت تک بالکل برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کیا جائے اور وہ گدھے بیل کی طرح روٹی کے لیے کام کریں۔''

اہم اقتصادی امور

حضرت شاہ صاحب نے حکومتوں کو دو اہم اقتصادی امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جن پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ریاستیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

''اس زمانے میں اکثر بلاد کی بربادی کا بڑا سبب دو چیزیں ہیں۔ ایک تو سرکاری خزانے سے بناوٹی حقوق کا نام لے کر لوگ روپیہ وصول کرتے ہیں۔ جس نام سے وہ روپیہ لیتے ہیں اس کے حق کو وہ کسی طرح پورا نہیں کرتے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ کمانے والی جماعتوں یعنی کاشت کار، تاجر اور پیشہ وروں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ ان میں سے نرم مزاج تو ٹیکس ادا کر رہے ہیں لیکن جن میں مقابلے کی ہمت ہے وہ بغاوت اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح ساری سلطنت کمزور ہو جاتی ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۵)

انفرادی حق ملکیت

حضرت شاہ صاحب نے بعض شرائط اور قیود کے ساتھ انفرادی ملکیت کو جائز قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے جب زمین پر اپنی مخلوق پیدا کی تو ان کا معاش اور روزی بھی زمین پر مقرر فرمائی اور زمین کی پیداوار سے ان کے لیے انتفاع مباح کیا اور چونکہ حرص کی وجہ سے ان کے درمیان نزاع پیدا ہوا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ کوئی شخص دوسرے کی مخصوص و مختص چیز میں کسی قسم کی مزاحمت اور مداخلت نہ کرے اور یہ اس کی مخصوص چیز اس طرح ہوگی کہ اس چیز پر سب سے پہلے اس کا قبضہ ہوا ہے یا اس کے کسی مورث کا قبضہ تھا یا کسی ایسے طریقہ سے اس چیز پر اس کا جوان لوگوں میں عمومی طور پر قبضہ اور ملکیت کے لیے معتبر مانا جاتا ہے اس قسم کے قبضہ اور ملکیت میں سوائے تبادلہ کے اور سوچ سمجھ کر بلا کسی فریب اور دھوکہ اور قابل اعتماد باہمی رضامندی کے کسی قسم کی مزاحمت کرنا حرام اور ناجائز ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغہ اردو ترجمہ ص ۴۵۱)

حکومت کے معاشی فرائض

حضرت شاہ صاحب نے حکومت کے معاشی فرائض پر بحث کی ہے آپ فرماتے ہیں۔

''بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ عوام کی بہبود اور معاشی فارغ البالی کے لیے مختلف اقدامات کرے۔ ناجائز ذرائع آمدنی پر پابندی لگائے اور جوا، سود، رشوت، ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع خوری کو مٹانے اور

Marfat.com

عوام کی خوش حالی کے لیے منصوبہ بندی کرنے مثلاً ایسا نہ ہو کہ اکثر لوگ زراعت کو چھوڑ کر صنعتوں میں چلے جائیں اور زرعی شعبہ نظر انداز کر دیا جائے، اہل صنعت غیر ضروری اشیاء کے بنانے میں لگ جائیں اور بنیادی اہمیت کی ضروری چیزوں کی کمی واقع ہو جائے اور ملک بحران کا شکار ہو جائے اس کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے کہ لوگوں کو زرعی پیداوار میں اضافہ کے لیے اکسایا جائے اور صنعت وحرفت میں انہی چیزوں کو بنانے کی اجازت دی جائے جو معاشرے کے لیے ضروری ہیں۔"

حضرت شاہ صاحب نے مذکورہ اقتباس میں یہ وضاحت کی ہے کہ ریاست کی صرف یہی ذمہ داری نہیں کہ وہ عوام کی بہبود اور خوش حالی کا ہی خیال رکھے بلکہ ان ناجائز امور کا بھی ذکر کیا ہے جو معاشرہ میں اقتصادی ناہمواریوں کا سبب بنتے ہیں مثلاً ناجائز ذرائع اکتساب جوا، سود، رشوت اس کے ساتھ متوازن اقتصادی نظام قائم رکھنے کے لیے دو ذرائع پیداوار زراعت اور صنعت کے متعلق بحث کرتے ہوئے یہ پتے کی بات بیان کی ہے کہ ان دونوں ذرائع پیداوار میں ایک تناسب ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ حصول زر کے لیے زراعت کو چھوڑ کر صنعت کی طرف راغب ہو جائیں اور ملک میں اشیاء خوردنی کی قلت ہو جائے۔ پھر صنعت کے متعلق اقتصادی اصول یہ بیان کیا ہے کہ ایسی چیزیں بنائی جانی چاہئیں جن کی لوگوں کو ضرورت ہے۔ غیر ضروری اشیاء بنانا اقتصادی اصول کے خلاف ہے۔ جس کے بنانے سے ضروری اشیاء کی کمی بازار میں آ جائے گی اور لوگ بدحالی کا شکار ہو جائیں گے۔ غیر ضروری اشیاء سے مراد سامان تعیش ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک عیش پرستانہ زندگی قوموں کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ حضرت شاہ فرماتے ہیں۔

"ایسے ہی اگر ان کا بڑا حصہ تعیش میں مبتلا ہو گیا تو وہ قوم کے لیے بار بن جائے گا۔ جس کا ضرر بتدریج ساری آبادی میں پھیل جائے گا اور ان کی حالت ایسی ہو جائے گی جیسے انھیں دیوانے کتے نے کاٹ کھایا ہو۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۵)

حضرت شاہ صاحب نے مثال کے طور پر ایران اور روم کی تباہی کا باعث بادشاہوں، امراء، مذہبی طبقے کی مسرفانہ زندگی قرار دیا ہے آپ فرماتے ہیں۔

"عجم اور روم کے شہنشاہ اس قدر تعیش میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اگر ان کا کوئی درباری لاکھ روپے سے کم قیمت کی ٹوپی یا کمر بند پہنتا تو اسے ذلیل سمجھا جاتا تھا۔" (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۵)

اقتصادیات پر چند اہم کتب

اس دور میں علماء نے معاشی مسئلہ پر بہت توجہ دی ہے اور اب تک یہ مسئلہ زیر بحث ہے اور لکھا جا رہا ہے پاکستان اور ہند میں بھی اس مسئلہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے چند ایک کتب کا تعارف کرا دیتا ہوں۔

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" ایک خوبصورت پیش کش

Marfat.com

ہے۔ میرے خیال میں اس کتاب میں اسلام کے اقتصادی نظام کی بہترین تصویر کھینچی ہے۔ گو یہ کتاب اردو زبان میں ابتدائی کتب میں شمار ہوتی ہے۔ لیکن اپنی افادیت اور اہمیت کے لحاظ سے اب بھی علماء کے زیر مطالعہ ہے۔ محققین اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ پاکستان میں اب یہ کتاب عام دستیاب ہے۔ کئی اشاعتی اداروں نے چھاپی ہے۔ میرے پاس اس کا نسخہ مکتبہ لاہور اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور کا شائع کردہ ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کی اس موضوع پر دو کتب ہیں ایک "اسلامی معاشیات" دوسری "اسلام اور نظام جاگیرداری وزمینداری" دونوں کتب اسلام کے معاشی نظام پر عالمانہ اور محققانہ کتب ہیں۔ اسلامی معاشیات شیخ شوکت علی اینڈ سنز اور "اسلام اور نظام جاگیرداری اور زمینداری" محکمہ اوقاف پنجاب لاہور نے شائع کی ہیں۔

"اسلام اور نظام جاگیرداری اور زمینداری" کا مقدمہ ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ مرحوم ڈائریکٹر علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب نے لکھا ہے۔ اس میں بعض علمی نکات پر بحث کی گئی ہے خصوصا مزارعت اور مخابرت پر۔ دلائل سے مزارعت اور مخابرت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر محمد یوسف (استاد مذہب وثقافت جامعہ عثمانیہ) کی کتاب "اسلام کے معاشی نظریے" ہے دو جلدوں میں ہے ابراہیمیہ حیدر آباد دکن نے شائع کیا۔ بہت عمدہ کتاب ہے۔ اسلام کے اہم معاشی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ قارئین کے لیے ایک غیر مترقبہ تحفہ ہے۔ اسلام کے معاشی نظام پر لکھنے والوں کے لیے ایک اہم مصدر ہے۔

مولانا مودودی صاحب کی اسلام کے اقتصادی نظام پر دو کتب ہیں ایک "مسئلہ ملکیت زمین" اور دوسری "معاشیات اسلام" ہیں۔ مسئلہ ملکیت زمین اس وقت لکھی گئی جب دولتانہ صاحب نے زرعی اصلاحات کا ذکر کیا تو مولانا موصوف نے اس کی مخالفت میں یہ کتاب سپرد قلم کی۔ مولانا کی کتاب کے رد میں دو کتب بازار میں آئیں ایک "مسئلہ زمین اور اسلام" مصنفہ شیخ محمود احمد ایم اے پرنسپل گورنمنٹ کالج راولاکوٹ آزاد کشمیر کی ہے۔ جس کو ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور نے شائع کیا۔ دوسری کتاب "زمینداری، جاگیرداری اور اسلام" ہے اس کتاب کے مصنف رحمت اللہ طارق ہیں۔ البیان چوک انارکلی لاہور نے شائع کی۔ قارئین جب مولانا مودودی صاحب کی کتاب زیر مطالعہ لائیں۔ تو وہ ان کتب کا مطالعہ بھی ضرور کریں۔ قارئین کے سامنے جاگیرداری کے جواز، عدم جواز کے دونوں پہلو آ جائیں گے مسئلہ جاگیرداری دور حاضر کا ایک الجھا ہوا مسئلہ ہے۔ ہر محقق نے اس مسئلہ کو اپنے نقطہ نظر سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوسری کتاب "معاشیات اسلام" مولانا کی دوسری کتب سے معاشیات کے مباحث کو جمع کر کے ترتیب دی گئی ہے۔ اسلام کے معاشی نظام سے متعلق معلومات حاصل کرنے والوں کے لیے ایک اچھی کتاب ہے۔

مولانا مودودی صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی، ڈاکٹر محمد یوسف صاحب گورایہ، پروفیسر رفیع اللہ صاحب شہاب اور غلام احمد صاحب پرویز سے ملکیت زمین پر مختلف نظریہ رکھتے ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع کی کتاب ''اسلام کا نظام اراضی'' ایک عمدہ پیش کش ہے۔ ادارہ المعارف کراچی نے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں برصغیر ہندو پاک کی اراضی کی شرعی حیثیت پر بحث کی ہے۔ دلائل سے واضح کیا ہے کہ پاکستان کی اراضی خراجی ہے لہٰذا ریاست کی ملکیت ہیں مختصر لیکن اپنے موضوع پر جامع کتاب ہے۔

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی کی کتاب ''اسلام کا نظریہ ملکیت'' دو حصوں میں اسلامک پبلیکیشنز لاہور نے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں اسلام کے نظریہ ملکیت پر بحث کی گئی ہے۔

غلام احمد پرویز صاحب مرحوم عمر بھر اسلام کے معاشی نظام لکھتے رہے ہیں ان کی اس موضوع پر دو اہم کتب ہیں ایک ''نظام ربوبیت'' اور دوسری خدا اور سرمایہ دار۔ ان ہر دو کتب میں صرف قرآن مجید کی روشنی میں اسلام کے معاشی نظام پر بحث کی گئی ہے خصوصاً سرمایہ داری نظام کا رد کیا گیا ہے۔

علامہ السید محمد باقر الصدر کی کتب ''اقتصادنا (ہمارے اقتصادیات) بنکونا (نظام بنکاری) اسلام کے معاشی نظام پر دو اہم کتب ہیں۔

مصنف شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلام کے اقتصادی نظام پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ دونوں کتب محقق کے لیے ضروری ہیں۔ بڑے لطیف اور عالمانہ انداز میں اسلام کے اقتصادی نظام پر بحث کی گئی ہے۔

پروفیسر رفیع اللہ شہاب کی کتاب ''اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام اور بنکاری نظام'' ایک قیمتی سرمایہ ہے جسے دوست ایسوی ایٹس الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب نظر سے نہیں گزری۔ اس کتاب میں مصنف نے قبل اسلام رسول کریم ﷺ، خلفاء راشدین، اموی، عباسی اور برصغیر کے مالیاتی نظام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مصنف کے بیان کردہ اسلامی نظام کی روشنی میں کوئی حکومت مالیاتی نظام مرتب کرے تو معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ مصنف مرحوم کا ایک بہترین تحقیقی مقالہ ہے اور اسلامی حکومتوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

Marfat.com

کتابیات

قرآن
صحاح ستہ
کنوز الحقایق
بیہقی
مجمع الزوائد
فتح الباری
المدینۃ والاسلام۔ فرید وجدی
کنز العمال
کتاب فردوس۔ دیلمی
طبرانی
معارف حدیث از مولانا منظور احمد نعمانی۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ محمد علی الجزیری
اسلام کا ناظم معیشت صدر الدین اصلاحی مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی......
اسلام کا نظریہ ملکیت از ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی حصہ اوّل، دم، اسلامک پبلیکیشنز لاہور
اسلام کا اقتصادی نظام مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی مکتبہ لاہور
اسلام اور نظام جاگیرداری و زمینداری از سید مناظر احسن گیلانی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور
زمینداری، جاگیرداری اور اسلام از رحمت اللہ طارق البیان چوک انارکلی لاہور
اسلام میں حلال و حرام از یوسف القرضاوی اسلامک پبلیکیشنز لاہور
اسلام کا قانون تجارت از ڈاکٹر نور محمد غفاری دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور
کتاب الاموال ابو عبیدہ القاسم بن سلام ترجمہ عبد الرحمٰن طاہر سورتی ادارہ تحقیقات اسلامی لاہور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی تعلیمات از ڈاکٹر ضیاء الدین احمد ادارہ تحقیقات اسلامی
سلام آباد
اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج
اسلام اور جدید معاشی نظریات از سید ابوالاعلیٰ مودودی اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور

معاشیات اسلام از سید ابوالاعلیٰ مودودی اسلامک پبلیکیشنز
کیا اسلام میں کرایہ داری جائز ہے؟ از ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ فیروز سنز لاہور
اسلام کا نظام الزکوٰۃ از حکیم محمود احمد ظفر تخلیقات علی پلازہ 3 مزنگ روڈ لاہور
اسلامی ریاست کا مالیاتی اور بنکاری نظام از پروفیسر رفیع اللہ شہاب دوست ایسوی ایٹس الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
نظام ربوبیت از پرویز طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ لاہور
ملکیت زمین از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اسلامک پبلیکیشنز لاہور
مسئلہ زمین اور اسلام از شیخ محمود احمد ایم اے پرنسپل گورنمنٹ کالج راولا کوٹ آزاد کشمیر ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور
اسلام کا قانون محاصل از مولانا ڈاکٹر نور محمد غفاری مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور
انسان نے کیا سوچا از پرویز طلوع اسلام ٹرسٹ بی ۲۵ گلبرگ لاہور
شراکت و مضاربت کے شرعی اصول از ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور
حرمت ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام از ڈاکٹر محمود احمد غازی انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز
اسلامی فقہ میں نظام مضاربہ از محمد شرف الدین خطاب ترجمہ محمد طاہر منصوری انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد
بلاسود بنکاری محمد اکرم خان مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور
جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں البرکہ سیمینار انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد
اسلام اور معاشی تحفظ از علامہ یوسف القرضاوی ترجمہ عبدالحمید صدیقی البدر پبلی کیشنز لاہور
موجودہ اقتصادی بحران اور اسلامی حکمت معیشت، شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی لاہور
فقہ الزکوٰۃ از یوسف القرضاوی البدر پبلیکیشنز لاہور
غیر سودی بنکاری مقالہ از پروفیسر خورشید احمد مطبوعہ المصباح شمارہ نمبر ۵۹ اور ۶۰
اسلامی بنکاری نظریاتی بنیادیں اور عملی تجربات از پروفیسر اوصاف احمد انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد
انشورنس اسلامی معیشت میں از ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اسلامک پبلیکیشنز لاہور
بیمہ زندگی اسلامی نقطہ نگاہ سے نعیم صدیقی اسلامک پبلیکیشنز لاہور، الفاروق علامہ شبلی نعمانی
اسلام اور معاشی ترقی از پروفیسر خواجہ نسیم احمد ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور
مقدمہ ابن خلدون

Marfat.com

1- A Challenge of Islamic Economics. Muhammad Akram Khan. All Pakistan Islamic Edueatinal congress.

2- Economic Enterprise in Islam Dr Muhammad Nejatullah Siddique Islamic Publications ...... Lahore.

3- Muslim Economic Thinking. A survey of Contemporary literature studies in Islamic Economics. The Islamic Foundation, U.K Dr Nijatullah Siddique.

4- Ibn Khuldun A Great Pioneer Eonumist (Punjab university Economist 1995) Dr Rafiq Ahmad.

5- Economics of Islam. Sh Mehmood Ahmad. Ashraf Publications Lahore.

6- The Conomic System of Islam M.Umar Chapre. Karachi University Karachi.

7- Issues of Islamic Economics Muhammad Akram Khan Islamic publications ltd Lahore.

8- Islamic Economics Theory and Practice. M.Mannan. Sh Muhammad Ashraf publication Lahore.

9- Ethics and Economics, N.H.Naqvi Islamic FoundationU.K.

10- Economic Doctrime of Islam Dr Afzal-ur-Rehman Islamic Publications Ltd Lahore.

11- Islamic Banking Conceptual Frame Work and Practical Operations. Abdur Rahim Hamdi, institute of Policy Studies islamabad.

12- Macro Consumption Function in an islamic Frame Work. M Fahim Khan. Journal of Research in Islamic Economics vol1, No 2. Winter 1404/1984.

13- Report of Council of Islamic Ideology on the Elimination

Marfat.com

of Interest from the Economy June 1982.

14- Interest Free Banking in Pakistan. The Institute of Bankers in Pakistan Karachi 1980.

15- Towards Islamic Banking. A Case Study of Pilgrim Management Board. Malaysia Institute of Policy Studies, Islamabad.

16- An out line of Interest Free Banking Dr. Muhammad Uzair. Rehan Publications Karachi.

17- Interest Free Banking in Pakistan.

18- Elimination of Riba from the Economy Published by Institute of Policy Studies Islamabad 1992 Paper by Dr Sayyed Tahir.

19- Economic Development in Islamic Fram Work. Khurshid Ahmad.

20- Out lines of Economic Planning. Dr Muhammad Aslam, Bilal book House Lahore.

21- The Muslim world and future Economic order Prof Khurshid Ahmad.

22- Economic Justice in Islam. Dr S.M Yousaf Sh Muhammad Ashraf Lahore.

Marfat.com

Marfat.com

ہماری چند بہترین کُتب

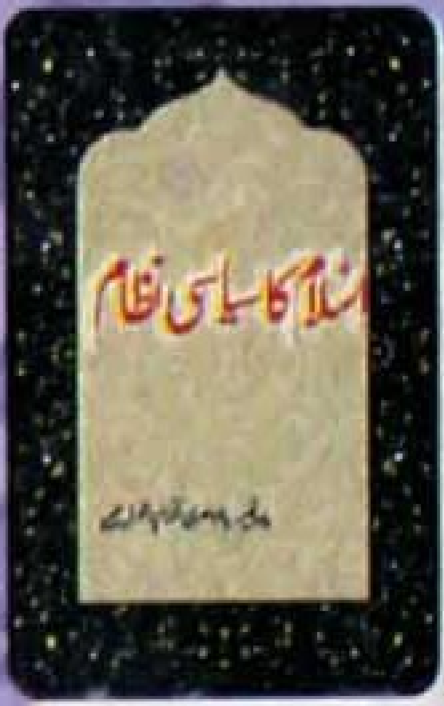

Rs. 250/-

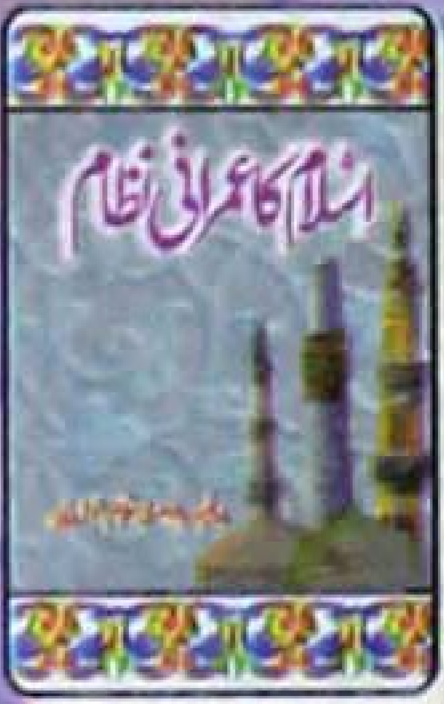

Rs. 150/-

Rs. 400/-

Rs. 400/-

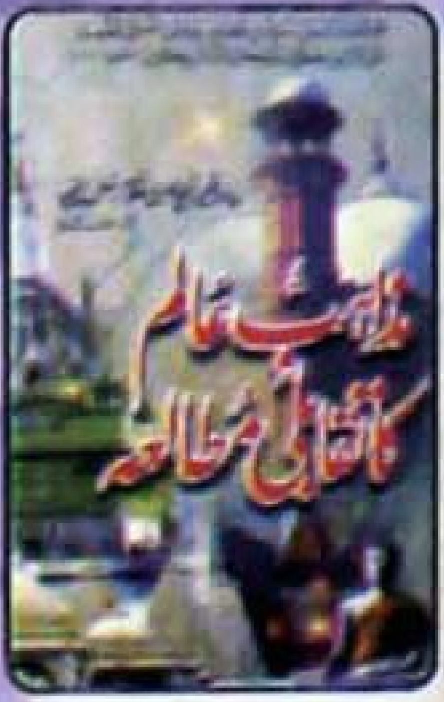

Rs. 500/-

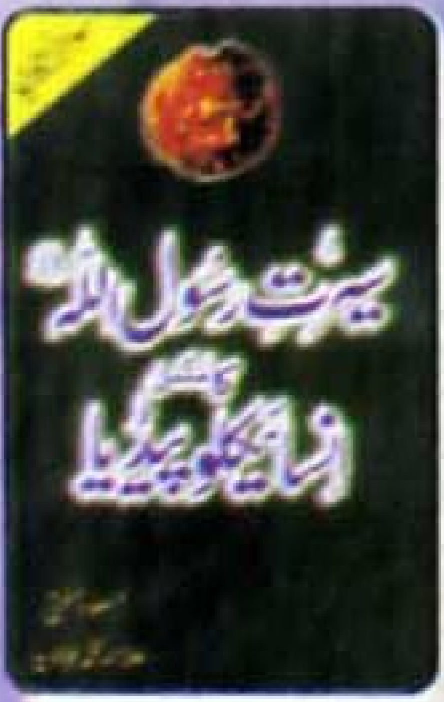

Rs. 220/-

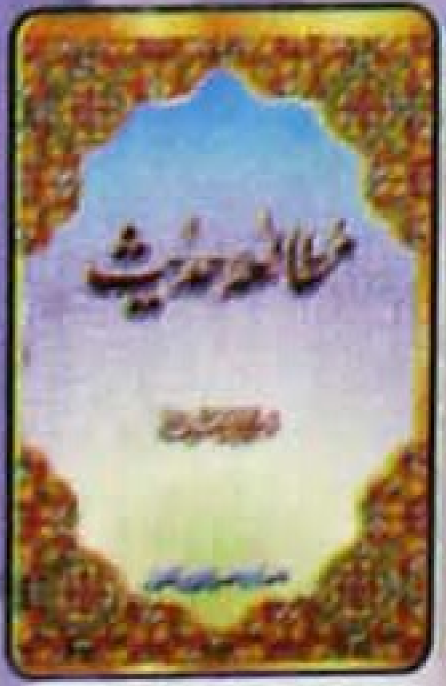

Rs. 150/-

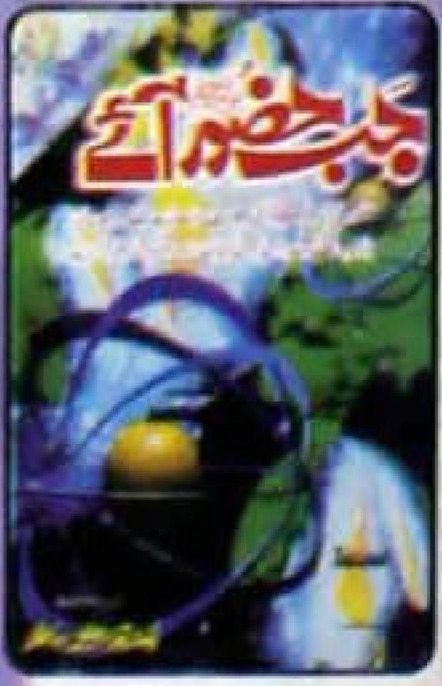

Rs. 150/-

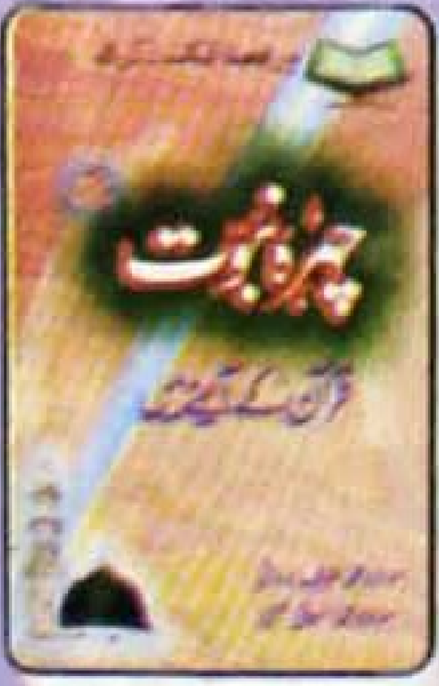

Rs. 150/-

علم و عرفان پبلشرز

34- اردو بازار لاہور 7232336 7352332

Marfat.com